حوادث الفتاوی

جدید مسائل اور اُن کا حل

جلد اول

تالیف

حبیب الامت عارف باللہ

حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم

شیخ الحدیث وصدر مفتی، بانی ومہتمم جامعہ اسلامیہ دار العلوم مہذب پور سنجرپور، اعظم گڑھ، یوپی

خلیفہ ومجاز بیعت

حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی وحضرت مولانا عبد الحلیم صاحب جونپوری

ناشر

مکتبۃ الحبیب جامعہ اسلامیہ دار العلوم

مہذب پور، پوسٹ سنجرپور ضلع اعظم گڑھ، یوپی (انڈیا)

نام کتاب : حوادث الفتاوی (جدید مسائل اوران کا حل)

جلد : اول

مصنف : حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم

صفحات : 400

قیمت : 400

ناشر : مکتبہ الحبیب، جامعہ اسلامیہ دارالعلوم مہذب پور
پوسٹ سنجر پور، ضلع اعظم گڈھ، یوپی، انڈیا

ملنے کے پتے

۱- مکتبہ الحبیب جامعہ اسلامیہ دارالعلوم مہذب پور، سنجر پور، اعظم گڈھ، یوپی

۲- مکتبہ طیبہ دیوبند، ضلع سہارنپور، یوپی

حبیب الفتاوی

حبیب الفتاوی

حبیب الفتاوی

حبیب الفتاوی

فہرست

کتاب الطھارۃ

باب آداب الخلاء

باب الوضوء

کتاب الصلاۃ

باب الاذان والاقامة

باب الامامت

باب الجمعة

باب العیدین

باب التراویح

باب سجود السھو

باب سجود التلاوۃ

باب الجنائز

باب الشھید

کتاب الزکوۃ

باب العشر

کتاب الصوم

باب الاعتکاف

کتاب الحج

کتاب النکاح

باب الکفائت

باب المحرمات

کتاب الطلاق

باب النسب

باب النفقات

باب العدۃ

پیش لفظ

زمانے کے ساتھ اس دنیا کو اللہ پاک نے تغیر پذیر بنایا ہے، جس کی وجہ سے امکنہ، ازمنہ، اشخاص، افراد، ادوار، احوال میں بھی تغیر ہوتا رہتا ہے، جس کے نتیجے میں نئے مسائل کا پیدا ہونا ایک ناگزیر امر ہے۔

لیکن قربان جائیے ان نفوس قدسیہ اور علماء ربانیین پر جنھوں نے ہر زمانے میں پیدا ہونے والی نئ صورت حال پر گہری نظر رکھنے کے لئے اپنے کو وقف کر دیا، وہ لوگوں سے مل کر بازاروں میں چل پھر کر اہل صنعت واہل حرفت سے ملاقات کر کے نئے معاملات اور پیدا ہونے والی نئ صورت حال کی واقفیت حاصل کرتے اور اپنی راتوں کی نیند قربان کر کے امت کے لئے پیدا شدہ جدید مسائل اور حالات کا حل قرآن اور حدیث سے تلاش کر کے ان کے سامنے پیش کرتے۔

چنانچہ حضرت امام محمد علیہ الرحمہ کا حال یہ تھا کہ پوری رات جگنے کی وجہ سے آپ کا جسم بے پناہ لاغر ونحیف ہو گیا تھا خدام نے جب رات میں کچھ دیر راحت و آرام کے لئے سونے کی درخواست کی تو حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے یہ تاریخ ساز جملہ فرما کر خدام کو خاموش اور حیران کر دیا کہ ’’پوری امت تو یہ سوچ کر سو رہی ہے کہ محمد تو جگ رہا ہے، اگر محمد بھی سو گیا تو امت کا کیا حال ہوگا‘‘۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے گھر کی مرغیوں کو بھی اس وجہ سے فروخت فرما دیا تھا کہ ان کی آواز سے ان کے مطالعہ میں خلل واقع نہ ہو۔

امت کے لئے اس بے نفسی اور بے لوث خدمت کا صلہ اللہ کی طرف سے ان کو یہ ملا کہ ان کی تصنیفات میں جو تصانیف اصل کے ساتھ موسوم ہیں ان میں سے ایک کتاب کا مطالعہ جب انگریز نے کیا تو وہ معاند بھی یہ کہنے پر مجبور ہو گیا کہ جب محمد صغیر کی کتاب کی تاثیر کا یہ عالم ہے تو محمد کبیر کی کتاب (قرآن شریف) کی تاثیر کا کیا عالم ہوگا۔

اس طرح کی فکر رکھنے والے اور امت کے لئے نئے مسائل کے حل کی جستجو رکھنے والے اور اس کے لئے اپنی زندگی کو وقف کرنے والے ہر زمانے میں لاکھوں کی تعداد میں رہے ہیں لیکن دنیا والوں نے نہ ایسوں کو پہچانا نہ ان کی مدد کی اور نہ ہی ان کو وہ مقام دیا جس کے وہ مستحق تھے۔

چنانچہ حضرت امام ابو حنیفہ، حضرت امام مالک، حضرت مام احمد بن حنبل، حضرت امام بخاری، حضرت شاہ ولی اللہ جیسے ہزاروں علماء ربانیین اور فقہاء کے ساتھ اہل دنیا کا سلوک و برتاؤ تاریخ کے اوراق میں آج بھی محفوظ ہیں۔

اس خادم نے بھی اپنے اسلاف و اکابرین کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنی زندگی کے قیمتی لمحات کو درس و تدریس، تصنیف و تالیف کے ساتھ فقہ و فتاوی میں صرف کیا اور متداول فقہی کتابوں سے شروع ہی سے اپنے کو وابستہ رکھا۔

استاذ محترم حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی کی خدمت میں ایک عرصہ تک رہ کر ہزاروں فتاوی کی املاء کا شرف حاصل ہو چکا تھا، جس کی وجہ سے مسائل کی نوک پلک اور اس کی شرح وبسط واجمال وتفصیل سے اچھی خاصی ممارست ہوگئی تھی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اپنی زندگی میں ہزاروں فتاوے لکھنے کی نوبت آئی جن میں سے بہت سے فتاوے ماہرا کابرین افتاء کی نظر سے گزرے لیکن الحمد للہ کبھی کوئی جملہ یا تحریر قابل حذف واضافہ یا لائق ترمیم نہیں نکلی۔

قدیم مسائل کے ساتھ حوادث الفتاوی یعنی جدید مسائل سے بھی سابقہ پڑتا رہا اور الحمد للہ ان نئے مسائل کے جوابات بھی تشفی بخش انداز میں لکھنے کی سعادت اس خادم کو حاصل ہوتی رہی اور ان مسائل سے متعلق تحریرات بھی اکابرین کی نظر سے گزرتی رہیں اور الحمد للہ ہر تحریر نے اپنے بڑوں کا استصواب حاصل کیا اپنی زندگی کے قیمتی لمحات کا بیشتر حصہ جن فتاوی نویسی میں گزرا ان کا مجموعہ احباب وتلامذہ، رفقاء ومسترشدین کے پیہم اصرار کے بعد ''حبیب الفتاوی'' کے نام سے آٹھ جلدوں میں مکتبہ طیبہ دیوبند سے شائع ہوکر عوام وخواص، اصاغر واکابر سے خراج تحسین حاصل کر چکے ہیں۔

لیکن بہت سے نئے مسائل جو حالات زمانہ کو مدنظر رکھ کر لکھے گئے تھے وہ مختلف اوراق میں منتشر ہونے کی وجہ سے عوام وخواص کی دسترس سے باہر تھے جس کی وجہ سے رفقاء واحباب، تلامذہ وخواص کا اصرار ہوا کہ ان نئے مسائل کو منتشر اوراق سے نکال کر یکجا کر دیا جائے تو عوام وخواص کے لئے اس سے استفادہ کی راہ آسان

ہو جائے گی۔

چنانچہ ان مخلص احباب وتلامذہ کی خواہش کی تکمیل کے لئے اس خادم نے وقت فارغ کر کے ان منتشر مسائل کو کتابی شکل دینے کی کوشش کی، چنانچہ بفضلہ تعالیٰ یہ کوشش پایۂ تکمیل کو پہونچی اور ''حوادث الفتاوی'' (آپ کے مسائل اوران کا حل) کے نام سے دو جلدوں میں یہ کتاب تیار ہوگئی جو آپ حضرات کی خدمت میں پیش ہے۔

امید ہے کہ اس سے استفادہ کرنے والے حضرات اس خادم کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں گے اور امید ہے کہ دیگر کتابوں کی طرح یہ کتاب بھی عوام وخواص کے لئے جاذب نظر اور مشعل راہ ثابت ہوگی۔

دعاء ہے کہ اللہ پاک اس خادم کی اس کاوش کو قبول فرمائے اور اپنی رضاء کے ساتھ نجات اخروی کا ذریعہ بنائے۔

عمر بہت تھوڑی باقی ہے اور علمی کام ابھی بہت زیادہ پڑے ہوئے ہیں اللہ پاک ہر طرح کے موانع کو دور فرما کر ان باقی علمی کاموں کی تکمیل کی راہ ہموار فرمائے اور قبولیت سے سرفراز فرمائے۔ فقط

مفتی حبیب اللہ قاسمی

خادم الحدیث والافتاء بانی ومہتمم

جامعہ اسلامیہ دارالعلوم مہذب پور، سنجر پور، اعظم گڈھ، یوپی

۱۷/۴/۱۴۴۴ھ مطابق ۱۳/۱۱/۲۰۲۲ء

كتاب الطهارة

ٹیشو پیپر سے استنجاء کرنے کا حکم

سوال: ٹیشو پیپر سے استنجاء کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب

ایسے کاغذ سے یعنی ٹیشو پیپر سے استنجاء کرنا درست اور جائز ہے یعنی وہ جاذب کاغذ جو صرف استنجاء کرنے کی غرض سے بنایا جاتا ہے لکھنے کے کام نہیں آتا ہے لہٰذا اس سے استنجاء کرنا جائز ہے۔

دلائل

(۱) وكـذا ورقة لـكتـابة لـصقالقه وتقومه، وله احترام أيضاً لكونه آلة لـكفاية العلم، وكذا علله فى التاتارخانية: بان تعظيمه من أدب الـديـن... ومفاده الحرمة بالمكتوب مطلقا، واذا كانت العلة فى الأبيض كونه آلة لكتابة كما ذكرنا، يؤخذ منها عدم الكراهة فيما لا يصلح لها. واذا كان قالعا للنجاسة غير متقوم كما قد مناه. (فتاویٰ شامی ج: ۱، ص: ۶۰۸).

(۲) ولا يستـنـجـى بـكاغذ وان كانت بيضاء كذا فى المضمرات (هـكـذا فى التاتارخانية ج: ۱، ص: ۶۱۴). (الفتاویٰ الهندية

ج: ۱، ص: ۱۰۵).

(۳) کاغذ چونکہ تحصیل علم کا ایک آلہ ہے خواہ وہ سفید ہو یا سیاہ۔ اس لئے اس کا احترام کرنا لازم ہے۔۔۔ البتہ وہ جاذب کاغذ جو صرف استنجاء کرنے کی غرض سے بنایا جاتا ہے لکھنے کے کام میں نہیں آتا اور قیمتی بھی نہیں ہوتا۔ اس لئے اس سے استنجاء کرنا جائز ہے۔(احسن الفتاویٰ ج:۲،ص:۱۰۸)۔

(۴) هكذا في فتاویٰ قاسميه ج:۵، ص: ۸۴.

(۵) فتاویٰ دار العلوم ج: ۱، ص: ۳۷۹.

(۶) فتاویٰ محموديه ج:۵، ص: ۴۹۶.

دینی شرعی کتابوں کو ہاتھ لگانے کے لئے کیا وضوء کرنا شرط ہے؟

سوال: دینی شرعی کتابوں کو ہاتھ لگانے کے لئے وضوء کا کیا حکم ہے؟

الجواب

دینی شرعی کتابوں کو ہاتھ لگانے کے لئے وضوء کرنا مستحب ہے۔ البتہ تفسیر کی کتاب کو تو بلا وضوء ہاتھ نہ لگائے۔

دلائل

(۱) القسم الثالث: وضوء مندوب فی أحوال كثيرة كمس الكتب الشرعية ورخص مسها للمحدث إلا التفسير كذا فی

الدرر. (حاشية الطحطاوی علی المراقی ج: ۱، ص: ۸۳).

(۲) ویکره له مس کتب التفسير و عامة المشائخ لم يروا به. بأساً. (فتاویٰ تاتارخانية ج: ۱، ص: ۱۷۲. زکریا).

(۳) وقد جوز أصحابنا مس كتب التفسير للمحدث ولم يفصلوا بين كون الأكثر تفسيراً أو قرآناً ولو قيل به اعتبار للغالب لكان حسنا. (شامی ج: ۱، ص: ۳۵۳، أشرفية).

(۴) وكذا فی غنية المستملی. (ج: ۱، ص: ۵۷).

بیت الخلاء میں جانے کا ایک ادب

سوال: ننگے سر بیت الخلاء میں جانا کیسا ہے؟

الجواب

ننگے سر بیت الخلاء میں جانا ادب کے خلاف ہے۔

دلائل

(۱) ويدخل مستور الرأس. (الفتاویٰ الهندية ج: ۱، ص: ۱۰۶).

(۲) ومستور الرأس استحبابا.... لأنه مستقذر يحضره الشيطان. (حاشية الطحطاوی علی المراقی ص: ۵۱).

سفر سے واپسی کے بعد غسل کرنے کا حکم

سوال: اگر کوئی شخص لمبے سفر سے واپس آئے تو غسل کا کیا حکم ہے؟

الجواب

اگر کوئی شخص لمبے سفر سے واپس آئے تو غسل کرنا مستحب ہے۔

دلائل

(۱) ویندب الاغتسال فی ستة عشر شيئًا. إلى. ویندب للتائب من ذنب وللقادم من سفر. (حاشیة الطحطاوی ج: ۱، ص: ۱۰۹).

(۲) وکذا فی الشامی ج: ۱ ص: ۳۴۲. (أشرفیه).

(۳) وکذا فی البحر الرائق ج: ۱ ص: ۱۲۲. (سعید).

باب آداب الخلاء

بیت الخلاء میں ننگے پاؤں ننگے سر جانا کیسا ہے؟

سوال: بیت الخلاء میں ننگے پاؤں ننگے سر جانا کیسا ہے؟

الجواب:

خلافِ ادب ہے، ولا یدخل الخلاء الا مستور الرأس نفع المفتی والسائل ص۵۵. (۱)

وفی الشامی ج ۱ ص ۲۳۰ إذا أراد أن یدخل الخلاء إلٰی أن قال ولا حاسر الرأس. (۲)

وفی البحر ج ۱ ص ۲۵۲ ومن ادابها ای آداب الخلاء ان لا یدخل فی الخلاء مکشوف الرأس ولا حافیًا رویٰ ذالک مرسلًا ومسندًا. (۳)

دلائل:

(۱) (نفع المفتی و السائل ص:۱۶۷/ج: دار ابن حزم)

(۲) (شامی ص:۳۲۰/ج: ۱، نعمانیه)

ویستحب أن یدخل مستور الرأس. (الفتاویٰ الهندیة ص:۱۵/ج: ۱، رشیدیة)

ویدخل الخلاء مستور الرأس استحباباً. (حاشیة الطحطاوی علی المراقی ص: ۵۱، دار الکتاب)

(۳) البحر الرائق ص: ۲۴۳ / ج: ۱، سعید.

دھوپ میں گرم کئے ہوئے پانی سے استنجاء کا حکم

سوال: ایسا پانی جو دھوپ میں رکھنے کی وجہ سے گرم ہو گیا ہو اس سے استنجاء کرنا کیسا ہے؟

الجواب:

ایسا پانی جو دھوپ میں رکھنے کی وجہ سے گرم ہو گیا ہو اس سے استنجاء کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔ چونکہ گرم پانی سے برص کی بیماری پیدا ہو جاتی ہے۔

"وقال فی معراج الدراية وفی القنية وتكره الطهارة بالمشمش إلى أن قال والظاهر أنها تنزيهية عندنا الخ" (شامی: ۱/ ۱۲۱). (۱)

دلائل:

(۱) رد المحتار على الدر المختار ص: ۱۲۱ / ج: ۱ نعمانيه.

فقد علمت أن الكراهة عند نالصحة الأثر وأن عدمها رواية والظاهر أنها تنزيهية عندنا أی هناً بدليلٍ عده فی المندوبات.

شامی، ص: ۳۲۴ ج: ۱. زكريا.

(۳) ويجوز الوضوء والغسل بماء البحر والعين والبئر والمطر والثلج الذائب وبماءٍ قصد تشميسه. (درر الحكام شرح غرر الأحكام ص: ۲۱ / ج: ۱)

باب الوضوء

چہرہ اور ہاتھ سے وضو کے ٹپکنے والے پانی کا حکم

سوال : اگر کوئی بھی نمازی مسجد کے صحن یا کہیں بھی وضو کرتا ہے، وضو کا پانی زمین پر گرتا ہے یا سمنٹ کے پلاستر کئے ہوئے نالی پر گرتا ہے تو وہ گرا ہوا پانی پاک ہے یا ناپاک؟

الجواب:

وضو یا غسل میں استعمال کئے ہوئے پانی کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے کہ یہ پانی کب مستعمل ہوتا ہے؟ ایا اعضاء پر ڈالتے ہی یا ان سے جدا ہونے کے بعد، تو صحیح قول اعضاء سے جدا ہونے کے بعد ہی مستعمل ہونے کا ہے، خواہ کسی جگہ ٹھہرے یا نہ ٹھہرے **کما فی الھدایہ ومتی یصیر الماء مستعملا الصحیح انه کما زال عن العضو صار مستعملا لان سقوط حکم الاستعمال قبل الانفصال للضرورة ولا ضرورة بعده** (ہدایہ ج ۱ ص ۳۹)

(۱) مشہور اور مفتی بہ روایت کے مطابق امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وضو اور غسل میں استعمال کیا ہوا پانی پاک ہے لیکن اس میں پاک کرنے کی صلاحیت نہیں ہے، البتہ نجاست حقیقیہ کا ازالہ اس پانی سے درست ہے۔ **کما فی الشامی قوله وهو طاهر، رواه محمد عن الامام وهذه الرواية هی المشهورة عنه**

واختارها المحققون قالوا عليها الفتوى لا فرق فى ذٰلک بين الجنب والمحدث واستثنى الجنب فى التجنيس إلا أن الاطلاق أولى وعنه التخفيف والتغليظ ومشائخ العراق نفوا الخلاف وقالوا انه طاهر عند الكل وقد قال فى المجتبى صحت الرواية عن الكل أنه طاهر غير طهور وحكمه أنه ليس بطهور لحدث بل لخبث على الراجح المعتمد، قوله ليس بطهور، اى ليس بمطهر، قوله على الراجح، مرتبط بقوله "بل لخبث" اى نجاسة حقيقية فانه يجوز إز التها بغير الماء المطلق من المائعات خلافًا لمحمد (۲) (درمع الشامی ج ا ص ۱۳۴)

الحاصل جس پانی سے وضو کیا گیا ہے وہ پاک ہے یعنی اگر کپڑے وغیرہ کو لگ جائے تو کپڑا ناپاک نہیں ہوگا لیکن اس سے کوئی شخص اگر وضو کرنا چاہے تو وضو نہیں ہوگا۔

دلائل:

(۱) کما فى الهداية ومتى يصير الماء مستعملاً الخ. (هدايه ص: ۳۹/ ج: ۱) مكتبه اشرفيه ديوبند.

وفى هامش الهداية. (الماء المستعمل طاهر غير طهور. (ص: ۳۸/ ج: ۳)

(۲) كما فى الشامى قوله وهو طاهر الخ. (ص: ۳۹۰/ ج: ۱) المكتبة الاشرفية ديوبند.

(۴) طاهر فی نفسه غير مطهر للحدث بخلاف الجنب وهو ما استعمل فی الجسد أولا قاه بغير حدث لرفع حدث أو قصد استعماله القربة. (حاشية الطحطاوی) ص: ۲۲ دار الكتاب.

(۵) البحر الرائق ص: ۴۸/ج: ۱، ایچ ایم سعید پاکستان.

(۶) الفتاوىٰ الهندية. ص: ۵۷/ج: ۱) زکریا بک ڈپو دیوبند.

(۷) الفقه الاسلامی وادلته. ص: ۲۷۰/ج: ۱. دار الفكر.

وضوء کے بعد تولیہ کا استعمال

سوال: وضو کے بعد ہاتھ منہ کے پانی کو کپڑے سے پوچھنا کیسا ہے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وضو کے بعد پانی نہ پوچھنا سنت ہے؟

الجواب:

وضو کے بعد اعضاء وضو کو کسی تولیہ یا رومال سے پوچھنا مستحب اور آداب میں سے ہے جیسا کہ صاحب درمختار نے تصریح کی ہے مگر علامہ شامی نے اس کے ساتھ یہ بھی فرمایا ہے کہ تولیہ سے اعضاء وضو کو اس طرح پوچھے کہ اعضاء پر وضو کا کچھ اثر باقی رہے بالکل خشک نہ کرے ومن الآداب تعاهد موقيه وكعبيه وغرقوبيه واخمصيه إلى ان قال والتمسح بمنديل قوله والتمسح بمنديل ذكره صاحب المنية فی الغسل وقال فی الحلية ولم أرمن

ذكـره غيـره وانـما وقع الخلاف فى الكراهية ففى الخانية ولا بأس به لـلـمتوضى والمغتسل روى عن رسول الله ﷺ أنه كان يفعله ومنهم من كره ذالك ومنهم من كره للمتوضى دون المغتسل والصحيح ما قـلـنـا إلا انـه يـنـبـغـى أن لا يـبـالغ ولا يستقصى فيبقى أثر الوضوء على أعضائه الخ شامی ج ا ص ۱۲۱۔(۱)

دلائل:

(۱) شامی ص: ۱۳۱/ ج: ۱، أشرفية ديوبند.

هكذا فى الفتاوىٰ التاتار خانية ص: ۲۲۹/ج: ۱، زكريا.

فتاوىٰ قاضى خان ص: ۱۲/ ج:۷ زكريا.

حاشية الطحطاوى على المراقى ص: ۷۹ دار الكتاب.

أحسن الفتاوىٰ ص: ۲۵/ ج: ۲، زكريا.

کتاب الصلاۃ

بریلوی امام کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

سوال: کیا بریلوی امام کے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہیں؟

الجواب

اگر نماز کے تمام شرائط وارکان موجود ہوں تو بریلوی امام کے پیچھے بھی نماز پڑھی جاسکتی ہے، لیکن بہتر یہ ہے کہ ہم عقیدہ کو ترجیح دے۔

دلائل

(۱) عن أبی هريرة رضی اللّٰه عنه قال قال رسول الله ﷺ الصلاة واجبة خلف كل مسلم براً كان أو فاجراً وإن عمل الكبائر. (ابوداؤد ج: ۱ ص: ۳۴۳. مكتبه بلال).

(۲) عن ابی هريرة رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ. صلوا خلف كل برٍ و فاجرٍ. (سنن الدار قطنی ج: ۲ ص: ۴۴). ۱۷۴۷. دار الإيمان.

(۳) ولو صلی خلف مبتدعٍ أو فاسق فهو محرز ثواب الجماعة لكن لا ينال مثل ما ينال خلف تقی كذا فی الخلاصة. (هنديه ج: ۱ ص: ۸۴ رشيديه).

(۴) وإن تـقـدّمـوا جـاز لـقـولـه عليه السلام صلوا خلف كل برٍ و فاجرٍ. (تبيين الحقائق ج: ۱ ص: ۱۳۴، امداديه).

(۵) قـولـه عليه السلام: فـصـلـوا معهم ما صلوا القبلة: وفيه دليل عـلـى جـواز الـصـلاـة خـلف الـفرق الباغية وكل برو فاجرٍ. (شرح الطيبى ج:۳ ص: ۸۹۴. المكتبة العربيه).

(۶) رجـعـنـا إلى الأصل و هو أن من صحَّت صلاته صحت إمامته وأيـد ذلـك فـعـل الصحابة فإنه اخرج البخارى فى التاريخ عـن عبد الكريم: أنه قال أدركت عشرة من اصحاب محمد صـلـى الـلـه عـلـيـه وسلم: يصلون خلف ائمة الجور. (عون المعبود ج: ۱ ص: ۲۱۳. قدس)

کیا میاں بیوی گھر میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھ سکتے ہیں؟

سوال: ہم جہاں رہتے ہیں ہمارے گھر سے مسجد پانچ کیلومیٹر کی دوری پر ہے تو کیا ہم میاں بیوی ایک ساتھ جماعت کے ساتھ نماز پڑھ سکتے ہیں؟

الجواب

صورت مسئولہ میں میاں بیوی ایک ساتھ گھر میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھ سکتے ہیں بشرطیکہ اہلیہ پیچھے کھڑی ہو اگر اہلیہ کے قدم شوہر کے قدم سے مل گئے تو

نماز فاسد ہو جائے گی۔

دلائل

(۱) المرأة إذا صلت مع زوجها في البيت إن كان قدمها بحذاء قدم الزوج لا تجوز صلاتهما بالجماعة وإن كانت قدمها خلف قدم الزوج إلا أنها طويلة يقع راسها في السجود قبل رأس الامام جازت صلاتهما لأن العبرة للقدم. (شامی ج: ۱ ص: ۵۷۲. کراچی). (تاتارخانیه ج: ۲ ص: ۲۷۳ زکریا). هکذا فی (البحر الرائق ج: ۱ ص: ۳۵۴. (سعید کراچی). (هندیه ج: ۱ ص: ۸۹. رشیدیه).

فوم والے جائے نماز پر نماز پڑھنے کا حکم

سوال: کیا فوم والے جائے نماز پر سجدہ کرنا درست ہے؟ جس میں زمین کی سختی محسوس ہی نہ ہو۔

الجواب

فوم والا جائے نماز اگر ایسا ہو کہ مصلی اگر اس پر سر رکھنے میں مبالغہ کرے تو سر سجدہ گاہ سے زیادہ نیچے نہ جائے تو نماز درست ہے ورنہ نماز درست نہیں ہے۔

دلائل

والسجود على شيئ يجد الساجد حجمه بحيث لو بالغ

لاتتسفل رأسه أبلغ مما كان حال الوضع. (حاشية الطحطاوى على المراقى ص: ۲۳۱. دار الكتاب).

يجوز السجود على الأرض وكذا يجوز على ما هو بمعنى الأرض مما تجد جبهته وتستقر عليه... اذا القى الحشيش فسجد عليه إن وجد حجمه جاز والإفلا. (البحر الرائق ج: ۱ ص: ۳۱۹) سعيد كراچى.

ويسجد على شىء يجد الساجد حجمه وتستقر عليه لا على مالا تستقر. وحد الاستقرار: إن بالغ لا ينزل رأسه أسفل من ذلك. (مجمع الأنهر ج: ۱ ص: ۱۱۸. فقيه الامة.

وان سجد يغيب وجهه ولا يجد حجمه أى صلابة جرمه لم يجز سجوده عليه لعدم استقرار جبهته عليه. (حلبى كبيرى ص: ۲۸۹. لاهور).

دوران نماز موبائل فون بجنے کی صورت میں کیسے بند کیا جائے؟

سوال: دوران نماز موبائل فون بجنے کی صورت میں کس طرح بند کریں؟

الجواب

مصلی کو چاہے کہ وہ مسجد میں داخل ہوتے ہی فوراً موبائل کو بند کر دے یا

سائیلنٹ کردے تاکہ نماز میں خلل پیدا نہ ہو۔اوراگر دوران نماز رنگ بج جائے تو بلا تاخیر ایک ہاتھ سے اگر ممکن ہوتو جیب میں رہتے ہوئے بند کردے۔ بہت سے لوگ جیب سے نکالتے ہیں۔ پھر دیکھتے ہیں پھر بند کرتے ہیں۔ یہ عمل کثیر ہے اس سے نماز فاسد ہوجاتی ہے۔

دلائل

ولو سقطت قلنسوته فإعادتها أفضل، إلا إذا احتاجت لتكوير أو عملٍ كثيرٍ. (الدر المختار مع الشامی ج: ۱ ص: ۱۴۱. کراچی).

ولو رفع العمامة ووضعها على الأرض أو رفعها من الأرض ووضعها على الرأس لا تفسد لأنه يتم بيد واحدةٍ من غير تكرار لفعل. (فتاویٰ قاضی خان مع الهنديه ج:۷ ص: ۸۱. زكريا).

وكل عملٍ لا يشك الناظر في عامله أنه في الصلاة أو ليس في الصّلاة فهو يسير. وكل عمل لا يشك الناظر في أنه ليس في الصلاة فهو كثير. (الفتاویٰ التاتارخانية ج: ۲ ص: ۲۳۴. زكريا).

الفتاویٰ الهندية ج: ۱ ص: ۱۶۰. زكريا.

عصر وفجر کے بعد مصافحہ کرنے کا حکم

سوال: عیدین اور جمعہ کی نماز کے بعد اسی طرح عصر اور فجر کی نماز کے بعد بعض

لوگوں میں بعض علاقوں میں مصافحہ کا رواج ہے اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب:

عیدین، جمعہ، عصر، اور فجر کی نماز کے بعد اسی طرح کسی بھی نماز کے بعد مصافحہ کرنا بدعت اور مکروہ ہے۔ لكن قد يقال ان المواظبة عليها بعد الصلوات خاصة قد يؤدى الجهلة الىٰ اعتقاد سنيتها فى خصوص هٰذه المواضع وان لها خصوصية زائدة على غيرها مع ان ظاهر كلامهم انه لم يفعلها احد من السلف فى هذهٖ المواضع وكذا قالوا بسنية قرائة السور الثلاث فى الوتر مع الترك احيانا لئلا يعتقد وجوبها ونقل فى تبيين المحارم عن الملتقط انه تكره المصافحة بعد اداء الصلاة بكل حال لان الصحابة رضى الله تعالىٰ عنهم ما صافحوا بعد اداء الصلوٰة ولانها من سنن الروافض اه ثم نقل عن ابن حجرؒ من الشافعية انها بدعة مكروهة لا اصل لها فى الشرع وانه ينبه فاعلها اولًا ويعزر ثانيًا ثم قال وقال ابن الحاج من المالكيه فى المدخل انها من البدع وموضع المصافحة فى الشرع انما هو عند لقاء المسلم لأخيه لا فى ادبار الصلوات فحيث وضعها الشرع يضعها فينهى عن ذالك ويزجر فاعله لما اتىٰ به من خلاف السنة اه (ردالمحتار ج۵ ص۲۴۴ کتاب الحظر والاباحۃ)(۱)

دلائل:

(۱) شامي: كتاب الحظر والاباحة ج٦ ص ۳۸۱ كراچي.

وکذا فی الموسوعة الفقهية ج۳۷ ص ۳۶۳.

أنّها أی المصافحة بعد الفجر والعصر ليس بشیء. (سكب الأنهرعلى مجمع الأنهر: كتاب الكراهية ج۴ ص۲۰۵ فقيه الأمت)

اعلم أنّ المصافحة مستحبّة عند كل لقاء وأمّا ما اعتاده الناس من المصافحة بعد صلاتی الصبح والعصر فلا أصل له فی الشرع على هذا الوجه. (كتاب الاذكار للنووی: باب فی مسائل تتفرع على السلام ص ۲۳۷ دار الكتاب العربی بيروت)

وكذا فی الفقه الاسلامی وأدلّته: كتاب الحظر والاباحة ج۴ ص ۲۶۶۰. ۲۶۶۱. دار الفكر المعاصر.

سوال: نماز کے اندر اگر کتا اور بلی اور گدھے کا خیال آجائے تو نماز نہیں ٹوٹتی اور اگر حضور ﷺ کا خیال آجائے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے ایسا کیوں کیا حضور ﷺ کا خیال نعوذ باللہ کتا بلی اور گدھے کے خیال سے بدتر ہے۔

الجواب:

اصل جواب سے تعرض سے قبل چند باتیں بطور تمہید کے پیش کی جاتی ہیں ان

باتوں کو ذہن نشین کر لینے کے بعد اصل سوال کے جواب کو سمجھنے میں انشاءاللہ کوئی دقت نہیں ہوگی اور مسئلہ بے غبار ہوکر ذہن میں اتر جائے گا۔

خداوند قدوس نے مؤمنین کو حکم فرمایا ہے اقیموا الصلوۃ نماز قائم کرو اب نماز کس طرح قائم کی جائے اس کو بتلانے کے لئے خداوند قدوس نے حضرت جبرئیلؑ کو بھیجا حضرت جبرئیلؑ نے تمام نمازیں پڑھ کر حضورﷺ کو بتلایا پھر حضورﷺ نے حضرات صحابہ کرام کو نماز پڑھنا سکھلایا اور قولاً فرمایا **صلوا کما رأیتمونی اصلّی** (۱) جس طرح میں نماز پڑھتا ہوں اسی طرح تم بھی پڑھا کرو پھر حضورﷺ نے جس طریقہ پر ارکان ظاہری کی تعلیم دی اسی طرح ارکان باطنی کی بھی تعلیم دی یعنی خشوع وخضوع حضوری قلب تفریغ قلب عن الدنیا و ما فیہا صرف توجہ الی اللہ وغیرہ چنانچہ عملا کر کے دکھلایا کہ پوری پوری رات نماز کی حالت میں گذر جاتی جس معیار کی نماز ہوتی تھی اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا جس کا مختصر تذکرہ حتی تورمت قدماہ کے ساتھ حدیث پاک میں موجود ہے یعنی اتنی لمبی نماز ہوتی تھی کہ آپ کے دونوں پیر سوج جایا کرتے تھے نماز سے اتنا عشق بغیر خشوع خضوع کے حاصل ہونا ناممکن ہے معلوم ہوا کہ آپ کو اعلیٰ درجہ کا حضوری قلب حاصل تھا اور قولاً یہ فرمایا کہ **ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک.** (۲) یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت اس تصور سے کرو کہ گویا تم خداوند قدوس کو دیکھ رہے ہو پس اگر یہ تصور قائم نہ ہو سکے کہ تم خدا کو دیکھ رہے ہو تو کم از کم یہ تصور کرو کہ خدا تم کو دیکھ رہا ہے اس تعلیم سے حضورﷺ کا مقصد

نمازی کے ذہن کو صرف خدا کے تصور میں مستغرق کرنا ہے اس لئے کہ نماز صرف خداوند قدوس کے لئے ادا کی جاتی ہے اس میں کسی کا بھی کوئی حق نہیں ہے دل ودماغ کو بالکلیہ دنیا و مافیہا سے فارغ کر کے اس کے حضور میں کھڑا ہونا چاہئے یہی وجہ ہے کہ نماز کے بعض اہم ارکان مثلاً رکوع سجدہ کو صرف خداوند قدوس کے لئے خاص کر دیا گیا چنانچہ حضرات صحابہ نے حضور ﷺ کو سجدہ کرنے کی اجازت مانگی تو حضور ﷺ نے سختی سے منع کر دیا اور فرمایا کہ سجدہ صرف اسی ذات کے لئے خاص ہے جو حی لا یموت ہو یعنی ہمیشہ زندہ رہنے والی ہو میں ان میں سے نہیں ہوں یہ روایت مشکوٰۃ شریف جلد ثانی میں موجود ہے غرضیکہ حضور ﷺ نے قولاً وعملاً ہر طرح سے اس تصور حضوری کو سمجھایا چنانچہ بہت سے صحابہ کرام ایسے گذرے جنہوں نے حضورؐ کی قولی وعملی تعلیم پر عمل کر کے دکھلا دیا چنانچہ کتب حدیث وتواریخ اس پر شاہد ہیں کہ بعض صحابی کا تیر جو خارج نماز بدن میں لگ گیا تھا وہ نماز کی حالت میں نکالا گیا اور استغراق فی اللہ کی وجہ سے ان کو احساس تک نہیں ہوا بعض صحابی نے نماز کی حالت میں تیر کھالیا اور احساس تک نہیں ہوا اسی انداز ومعیار کی نماز پڑھنے والوں کے لئے خداوند قدوس نے فلاح کی شہادت دی ہے چنانچہ ارشاد ہے قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ٠ ٠ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ٠ ٠ وہ مومنین کامیاب ہو گئے جو اپنی نماز میں خشوع وخضوع پیدا کرنے والے ہیں اور اس کی نظیر حضرات صحابہ کرام کے بعد کے زمانوں میں بھی ملتی ہے یہ تو مسلمات میں سے ہے کہ نماز سے اہم عبادت کوئی نہیں جس کی تائید احادیث کی کثیر

تعداد سے ہوتی ہے یہی وہ نماز ہے جس میں خداوند قدوس نے نھی عن الفحشاء والمنکر کی قوت رکھی ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے اِنَّ الصَّلوٰۃَ تَنۡھٰی عَنِ الۡفَحۡشَآءِ وَ الۡمُنۡکَرِ نماز تمام بے حیائیوں اور منکرات سے روکتی ہے چنانچہ ہزاروں واقعات اس پر شاہد ہیں کتب تفسیر میں بھی بعض واقعات ملتے ہیں کہ تکبیر اولی کے ساتھ چالیس روز تک نماز پڑھنے کی برکت سے کتنے لوگوں کی زندگی بدل گئی نیز یہ بھی مسلمات میں سے ہے کہ شیطان کا کام یہ ہے کہ ہر وہ چیز اور ہر وہ عبادت جو بندہ کو خدا سے قریب کردے اور عبد و معبود میں جوڑ پیدا کردے اس سے ہٹانے اور باز رکھنے کی کوشش کرتا ہے اور اگر ساری طاقت استعمال کرنے کے باوجود وہ اس عبادت سے روک نہیں سکا تو کم ازکم اس میں نقص پیدا کرنے کی ضرور کوشش کرتا ہے اور اس کو مرتبہ کمال سے ہٹا کر نچلے طبقہ میں پہنچانے کی کوشش کرتا ہے اور اگر فساد پیدا ہوجائے یا سہو پیش آجائے تو بہت ہی خوش ہوتا ہے اور اس کے لئے وہ مختلف تدابیر و حیلے اختیار کرتا ہے بعض تدبیروں میں یہ نمازی پھنس کر نماز ہی کو خراب کرڈالتا ہے یا سہو شک میں مبتلا ہوکر نقصان پیدا کرلیتا ہے ان تدبیروں میں بعض ایسی ہیں کہ نمازی اس کو سمجھ لیتا ہے اور اس کو زائل کرنے کی کوشش کرتا ہے مثلاً دنیا کا خیال تجارت کا خیال بیوی بال بچوں کا خیال شراب و خنزیر کا خیال پیشاب پاخانہ کا خیال وغیرہ وغیرہ یہ سب خیالات و وساوس شیطان ہی دل میں ڈالتا ہے اور ذہن کو اس میں الجھاتا ہے تاکہ نماز صحیح طور پر ادا نہ ہوسکے لیکن شیطان کی بعض تدبیریں ایسی ہیں کہ اچھے اچھے نمازی بلکہ

اچھے اچھے علماء اس کو سمجھ نہیں پاتے اس لئے کہ ایسے حسین انداز میں شیطان پیش کرتا ہے کہ وہ اس کے حسن دلفریب میں پھنس کر اس کی قبح کو فراموش کر جاتا ہے اور احساس تک نہیں ہوتا اور اس کی وجہ سے کبھی فساد صلوٰۃ کبھی سہو کبھی شک میں مبتلا ہو جاتے ہیں مثال کے طور پر کسی فقہی مسئلہ کو پیش کر دیتا ہے کبھی کسی حدیث کے تعارض کو پیش کر دیتا ہے کبھی کسی آیت کی تفسیر وتوضیح میں الجھا دیتا ہے کبھی دو جزئیہ کے انطباق میں پھنسا دیتا ہے کبھی تصور شیخ میں لگا دیتا ہے اور پوری نماز امام کے پیچھے ادا کر جاتے ہیں مگر بعد میں پوچھیں کہ امام نے کون کون سی سورت پڑھائی تو ایک دم سکوت طاری ہو جاتا ہے اور اگر تنہا ہوں تو پتہ ہی نہیں چلتا کہ کتنی رکعتیں ہوئیں قعدہ کیا یا نہیں پہلی رکعت میں کون سی سورت پڑھی یہ سب نماز کو خراب کرنے یا نقصان پیدا کرنے یا مرتبہ کمال سے اتارنے کی تدبیریں ہیں جو شیطان پیش کرتا ہے اور ہم قبول کر لیتے ہیں اور کمال تو یہ ہے کہ اس حسین دھوکہ کے شکار جو علماء ہیں ان کو اگر بتلاؤ تو تسلیم کرنے کو تیار نہیں اور فوراً اجل صحابی حضرت عمر فاروقؓ کا واقعہ استدلال میں پیش کر دیں گے کہ وہ تو سامان لشکر کی تدبیر نماز میں کیا کرتے تھے ہم نے اگر دو فقہی جزئیہ میں تطبیق دے دیا یا دو حدیثوں میں تعارض کو دور کر دیا تو کیا برا کیا لیکن ان حضرات کی نظر شاید فارسی کے اس شعر پر نہیں ہے کہ:

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر گرچہ بودن در نوشتن شیر وشیر

نیز ان کی نظر حضرت عمر فاروقؓ کے اس واقعہ پر نہیں ہے کہ نماز کی حالت میں

تیر نکالا گیا اور احساس تک نہیں ہوا اور یہ کیفیت صرف استغراق فی اللہ سے حاصل ہوئی تھی نیز حضرت فاروق اعظمؓ کا وہ درجہ تھا کہ لشکر کی تیاری آپ کی نماز میں خلل انداز نہیں ہوتی تھی بلکہ وہ بھی نماز کو کامل کرنے والیوں میں سے ہو جاتی تھی اس لئے کہ وہ تدبیر اللہ جل شانہ کے الہامات میں سے آپ کے دل میں ڈالی جاتی تھی اور جو شخص خود کسی امر کی تدبیر کی طرف متوجہ ہو خواہ وہ امر دینی ہو یا دنیاوی اس کے برخلاف ہے نیز ذاتی مراتب کو بھی ملحوظ رکھیں اور غور کریں کہ حضرت خضر کے لئے تو کشتی توڑنے اور بے گناہ بچے کے مار ڈالنے میں بڑا ثواب تھا اور دوسروں کے لئے نہایت درجہ کا گناہ ہے غرضیکہ یہ سب شیطان کی تدبیریں ہیں اس طریقہ سے وہ نماز کو خراب کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے حالانکہ یہ مسلمات میں سے ہے کہ شیطان خصوصاً مسلمان اور نمازیوں کا دشمن ہے جب یہ ہمارا دشمن ہے تو ہمارا فریضہ ہے کہ ہم بھی اس کو اپنا دشمن سمجھیں چنانچہ ارشاد باری ہے اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَکُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْہُ عَدُوًّا. شیطان تمہارا دشمن ہے لہٰذا اس کو دشمن ہی بنائے رکھو دوست نہ بناؤ۔ خداوند قدوس کے اس ارشاد کے بموجب ہمارے لئے لازم وضروری ہے کہ ہم نماز جیسی اہم عبادت میں خصوصاً اور دوسری عبادتوں میں عموماً اس کے ان تمام تدبیروں کو خاکستر کر دیں اور اس کو خائب وخاسر منہ کالا کر کے لوٹا دیں چنانچہ شیطانی وساوس اور اس کے ہتھکنڈوں سے بچنے کی بہت سی تدبیریں ہیں ہزاروں محققین علماء نے تجویز کی ہیں کہ ان پر عمل کرنے سے شیطانی ونفسانی مکر سے محفوظ رہ کر اپنی عبادت کو صحیح طور پر ادا کر سکتا ہے چنانچہ ان پر وساوس کے

دور کرنے کا علاج اور نفس وشیطان کی خلل اندازی سے بچنے کی تدبیر کے تحت ایک محقق عالم لکھ رہے ہیں ملاحظہ ہو چند اقتباسات پیش ہیں۔

دوسری ہدایت عبادت میں خلل انداز چیزوں کے تفصیلی ذکر اور ان کے علاجوں کے بیان میں اس میں تین افادے ہیں۔ پہلا افادہ نفس وشیطان دونوں نماز میں خلل انداز ہوتے ہیں نفس تو اس طرح سے کہ سستی کرتا ہے اور اپنا آرام چاہتا ہے اور ارکان نماز کے ادا کرنے میں جلدی کرتا ہے تاکہ جلدی فراغت حاصل کر کے سو رہے یا آرام کرے اور اپنی محبوب چیزوں میں مشغول ہو جائے الخ اور شیطان وسوسہ ڈال کر خلل اندازی کرتا ہے اور نماز میں سستی اور اس سے بے پروائی اور اس کو چنداں کارآمد نہ جاننا اس کے بدترین وساوس سے ہیں اور یہ وسوسہ فرض کے استخفاف اور انکار کی وجہ سے بہت جلدی کفر تک پہونچا دیتا ہے اور آدمی کو کافر کر دیتا ہے۔

اور اس کا ادنیٰ وسوسہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور کی ہم کلامی اور مناجات کی لذت سے اس طرح غافل کر دیتا ہے کہ رکعتوں یا تسبیحوں کی گنتی کو اچھی طرح جاننا چاہے تو نہیں جان سکتا لہٰذا ایسا نہ ہو کہ کوئی غلطی یا سہو واقع ہو جائے یہ شیطان کا مکر ہے اور رکعتوں اور تسبیحوں اور متشابہات کا یاد دلانا تو اس کا مقصود ہے بلکہ نمازی کو اس کے اعلیٰ مرتبہ سے ادنیٰ کی طرف اتارنا مقصود ہوتا ہے یہاں تک کہ کشاں کشاں اپنے اصلی مقصود تک پہونچتا ہے اور اس مردود کا اصلی مقصد یہی انکار اور کفر ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس کا وہ مقصد پورا نہ ہو تو لاچار ہو کر بمقتضائے **اذا فاتک اللحم**

فاشرب المرقه یعنی جب گوشت ہاتھ سے جاتا رہا تو شوربا ہی سہی وہی پی لو۔ آہستہ آہستہ گاؤ خر برزبان تسبیح و در دل گاؤ خر یعنی زبان پر تسبیح ہوتی ہے اور دل میں گاؤ خر کا خیال مرکوز ہو جاتا ہے۔

ان چند معروضات کے بعد اب اصل سوال کے بارے میں عرض ہے کہ:

(۱) جو عبارت اس میں پیش کی گئی ہے اس کا ماخذ کیا ہے کس نے کس کتاب میں یہ بات لکھی ہے اس کے مصنف کا نام عبارت کی تفصیل بقید صفحہ و مطبع پیش کر سکتے ہیں؟

(۲) صراط مستقیم جو حضرت مولانا اسماعیل شہید علیہ الرحمۃ کی تصنیف ہے جو اصل فارسی میں ہے لیکن عام طور پر کتبخانوں میں اس کا ترجمہ اردو میں ملتا ہے اس کا بھی نام صراط مستقیم ہے کتب خانہ اشرفیہ راشد کمپنی دیوبند سے چھپی ہے اس میں ص ۹۷ پر ایک عبارت ہے اس میں تحریف کر کے توڑ مروڑ کر بعض حضرات پیش کرتے ہیں جس سے مقصود حضرت شہید علیہ الرحمۃ کی ذات کو بدنام کرنا ہے لیکن جو اصل بات ہے وہ درج ذیل ہے غور کر کے ہر ذی فہم وسلیم الطبع خود فیصلہ کر سکتا ہے کہ اس عبارت سے مصنف کیا بتلانا چاہتے ہیں اصل عبارت یہ ہے۔ اور جو شخص خود کسی امر کی تدبیر کی طرف متوجہ ہو خواہ وہ امر دینی ہو یا دنیاوی بالکل اس کے برخلاف ہے اور جس پر یہ مقام کھل جاتا ہے وہ جانتا ہے ہاں بمقتضائے ظلمات بعضہا فوق بعض یعنی اندھیرے میں جو درجے ہیں بعض سے بعض اوپر ہیں زمانہ کے وسوسے سے اپنی بی بی کا خیال

بہتر ہے اور شیخ یا اسی جیسے اور بزرگوں کی طرف خواہ جناب رسالت مآب ہی ہوں اپنی ہمت کو لا دینا بلی اور گدھے کی صورت میں مستغرق ہونے سے برا ہے کیونکہ شیخ کا خیال تو تعظیم اور بزرگی کے ساتھ انسان کے دل میں جم جاتا ہے اور بیل اور گدھے کے خیال کو نہ تو اس قدر چسپیدگی ہوتی ہے نہ تو اس قدر تعظیم بلکہ حقیر اور ذلیل ہوتا ہے اور غیر کی یہ تعظیم اور بزرگی جو نماز میں ملحوظ ہو وہ شرک کی طرف کھینچ کر لے جاتی ہے۔

اس عبارت پر غائرنہ نظر ڈالیں اس کے بعد آپ خود فیصلہ کریں کہ مصنفؒ کیا کہنا چاہتے ہیں (۱) مصنفؒ صرف ہمت کے بارے میں فرما رہے ہیں کہ وہ برا ہے یہ نہیں فرمایا کہ کتا بلی اور گدھے کا خیال آجائے تو نماز نہیں ٹوٹتی اور اگر حضور ﷺ کا خیال آجائے تو نماز ٹوٹ جائے گی یہ محرفین کی طرف سے عبارت اختراع کی گئی ہے اور حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ کی طرف اس کو منسوب کر دیا ہے۔

(۲) آپ صراط مستقیم منگالیں اور ص ۹۵ سے لے کر ۹۸ تک مکمل غور سے مطالعہ کریں انشاءاللہ غلط فہمی دور ہو جائے گی۔

(۳) حضرت مصنفؒ ہمت کے لگا دینے کو برا کہہ رہے ہیں جس میں اختیار کو دخل ہوتا ہے یعنی بالقصد و بالاختیار خیال کو دوسری طرف لگا دینا اور خدا کی طرف سے ہٹا لینا یہ برا ہے اور اگر بلا اختیار اور بلا قصد خیال خدا کی طرف سے ہٹ کر دوسری چیز میں لگ جائے تو اس کے بارے میں حضرت مصنفؒ ساکت ہیں۔ کچھ نہیں فرما رہے ہیں لیکن ایسے موقع پر نمازی کو چاہئے کہ فوراً خیال کو بدلے اور خدا کی طرف

لگادے جس کے ہم سب مامور ہیں۔

(۴) نیز غیر اللہ میں دل ودماغ کو مشغول کرنے کو برا کہنے کی وجہ بھی بیان کردی ہے نیز گائے بیل اور حضور ﷺ اور دیگر مشائخ میں وجہ فرق کو بھی بیان کردیا ہے کیونکہ شیخ کا خیال تو تعظیم اور بزرگی کے ساتھ انسان کے دل میں چمٹ جاتا ہے اور گدھے اور بیل کے خیال کو نہ تو اس قدر چسپیدگی ہوتی ہے اور نہ تعظیم بہرحال ہر مسلمان کے دل میں حضور ﷺ کی جتنی محبت ہے اس کا تقاضا یہی ہے کہ جب ان کی یاد آئے تو بس اسی میں غرق ہوکر اس شعر کا مصداق بن جائے۔

جب ان کی یاد آئی تو آتی چلی گئی　　　ہر نقش ماسوا کو مٹاتی چلی گئی

بہرحال ایک محسن محبوب کے ساتھ جو ہمارا تعلق ہوتا ہے اس پر قیاس کر کے اس کو سمجھ سکتے ہیں بایں وجہ اس امر کو نماز میں منع کیا گیا یہی حال تصور شیخ کا ہے یعنی شیخ کی طرف خیال کو لگانے کو بھی برا فرمایا کسی صورت کو ذہن میں جمانے اور حاصل کرنے کو تصور کہتے ہیں خواہ وہ صورت جاندار کی ہو یا غیر جاندار کی جس کی تفصیل حضرت مدنی قدس سرہ کے مکتوبات ج ۴ ص ۸۳ میں موجود ہے اس عمل و شغل سے بہتوں کو نفع ہوتا ہے یعنی بعض اکابرین متأخرین نے اس کو ناجائز قرار دیا ہے چنانچہ حضرت مدنی قدس سرہ فرماتے ہیں یہ طریقہ تصور شیخ اسلاف کرام سے جاری ہے اور مثمر نتائج قویہ چلا آتا ہے مگر بعد کے لوگوں نے افراط وغلو سے کام لیا اور ایسی ایسی چیزیں ملانی شروع کردیں جو ضرر دینے والی اور صراط مستقیم سے دور کرنے والی ہے اسی طرح فتاویٰ رشیدیہ اور

حضرت نانوتویؒ کے مکاتیب میں بھی محظورات اور ممنوعات کی تفصیل موجود ہے اسی واسطے امام غزالی وغیرہ محققین نے عوام واغنیاء کے لئے ایسے اشغال کی تعلیم سے منع فرمایا ہے تفصیل کے لئے شریعت وطریقت کا تلازم مصنفہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہ کا مطالعہ کریں ص ۱۷۸ سے ۱۹۱ تک یہی مضمون ہے غرضیکہ اس تصور سے اس وجہ سے منع کیا گیا ہے کہ نماز جیسی اہم عبادت میں شیخ کی طرف ذہن وخیال کے لگانے کو عوام باعث خیر وبرکت سمجھتی ہے جس کی وجہ سے ان تعبد اللہ کا نک تراہ الحدیث پر عمل نہیں ہو پاتا۔ بات اگر چہ طویل ہوگئی لیکن امید ہیکہ اس سے انشاء اللہ غبار خاطر کا فور ہو جائے گا اور ذہن صاف ہو جائے گا۔ واللہ الموافق

دلائل:

(۱) حدثنا مالک بن الحویرث عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم صلوا کما رایتمونی أصلی. (سنن الدار قطنی: ج: ۱ ص: ۲۸۰. دار الایمان سھارنپور).

(۲) ان تعبد اللّٰہ کانک تراہ.

بخاری شریف: حدیث جبرئیل: ج: ۱ ص: ۱۲. یاسر ندیم دیوبند.

مسلم شریف: حدیث جبرئیل: ج: ۱ ص: ۲۷. یاسر ندیم دیوبند.

مشکوٰۃ شریف: حدیث جبرئیل: ص: ۱۲. مکتبہ ملت دیوبند.

چین والی گھڑی پہن کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟

سوال: چین والی گھڑی پہن کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب:

چین والی گھڑی پہننا ہر حال میں جائز ہے بشرطیکہ اس سے مقصود زینت نہ ہو، چین گھڑی کی حفاظت کے لئے ہے اس کے استعمال میں کوئی مضائقہ نہیں۔ کما فی کتب الفقہ والفتاویٰ (۱)

دلائل:

(۱) **ولا يكره فى المنطقة حلقة حديدٍ ونحاسٍ وعظمٍ إذا لم يرد به التزين (الدر المختار مع الشامى ص: ۳۶۰/۶، كراچى)**

البحر الرائق ص: ۱۹۰/۸. سعيد.

الفتاوىٰ التاتار خانية ۱۲۲/۱۸. زكريا.

تبيين الحقائق ص: ۱۵/۶. امدادية.

بقى الكلام فى بند الساعة الذى يربط ويعلقه الرجل بزرثوبه والظاهر أنه كبند السجدة الذى يربط. (شامى ص: ۹۰/ج: ۹. زكريا)

سجدہ میں دونوں پاؤں زمین پر رکھنے کی تحقیق

سوال: سجدہ کی حالت میں زمین سے دونوں پیروں کے اٹھ جانے کے سلسلہ میں مختلف عبارتیں ہیں۔ **یفترض وضع اصابع القدم ولو واحدة نحو القبلة والالم تجزو الناس عنها غافلون در مختار قال الشامی ج ۱ ص ۵۲۱. بعد نقل العبارات فصار فی المسئلة ثلٰث روایات الاولٰی فرضیة وضعها الثانیة فرضیة احدهما والثالث عدم الفرضیة وظاهرها انه سنة**۔ قول اول وثانی سے فرضیت کی بناء پر نماز کا نہ ہونا واضح ہے اور قول ثالث سے سنت کا ثبوت ہوتا ہے، جس سے نماز کا ہو جانا مستفاد ہوتا ہے نیز **ومنها السجود بجبهته وقدمیه ووضع اصابع واحدة منها شرط الخ در مختار وافاد انه لو لم یقع شیئًا من القدمین لم یصح السجود الخ** درمختار ج۱ص۴۱۶ مذکورہ بالا عبارت سے سجدہ کا صحیح نہ ہونا مستفاد ہوتا ہے نیز طحطاوی ص۲۵۴ اور ص۱۲۶ کی عبارت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ نماز نہ ہوگی آخر مفتٰی بہ قول ان اقوال میں کون سا ہے اور کس پر فتویٰ دیا جائے؟

الجواب:

سجدہ کی حالت میں جو سات اجزاء (اعضاء) زمین پر رکھے جاتے ہیں ان

میں اطراف قدمین بھی ہیں۔امرت ان اسجد علی سبعة أعظم علی الجبهة والیدین والرکبتین واطراف القدمین متفق علیه مراقی الفلاح ص ۱۲۷. (۱)

لیکن پاؤں کی دس انگلیوں میں سے کم از کم ایک انگلی کا زمین پر رکھنا شرائط میں سے ہے۔ووضع إصبع واحدة منهما شرط (درمختار ج۱ص۴۱۶)(۲)اور اذافات الشرط فات المشر وط ضابطہ کے تحت اگرایک انگلی بھی زمین پر نہ رکھی گئی تو نماز صحیح نہ ہوگی لو لم یضع شیئًا من القدمین لم یصح السجود (شامی ج۱ ص۴۱۶)(۲) یہی حکم اس صورت میں بھی ہے جب دونوں پاؤں کی انگلیاں تین تسبیح کے بقدر زمین سے اٹھی رہیں یا زمین پر شروع سے اخیر تک رکھی ہی نہیں گئیں چونکہ کم از کم ایک انگلی کا رکھنا شرائط میں سے ہے لہٰذا سجدہ ہی نہیں ہوگا اور جب سجدہ نہیں ہوگا تو نماز نہیں ہوگی۔(طحطاوی ص۱۲۷)اور وضع قدمین سے مراد وضع اصابع ہی ہے اور وضع اصابع سے مراد انگلیوں کا قبلہ کی طرف متوجہ کرنا ہے تاکہ ان پر مکمل اعتماد ہو سکے لہٰذا اگر اصابع کے بجائے ظاہر قدمین کو زمین پر رکھ دیا اور تمام انگلیوں کو یا کم از کم ایک انگلی کو قبلہ کی طرف متوجہ نہیں کیا تو سجدہ صحیح نہیں ہوگا۔والمراد بوضع القدمین علی ما ذکر فی الخلاصة وضع اصابعهما والمراد لو ضع الاصابع توجیههما نحو القبلة لیکون الاعتماد علیها حتی لو وضع ظهر القدمین ولم یوجه اصابعها او احداهما نحو القبلة لا یصح سجودهٗ .یہ تفصیل قابل حفظ ہے

عام طور پر لوگ اس تفصیل سے نا آشنا ہیں چونکہ بالعموم لوگوں کے ذہنوں میں صرف یہ ہے کہ پاؤں رکھنا ضروری ہے چاہے جس طرح زمین پر رکھ دیا جائے ان کو یہ نہیں معلوم کہ وضع قدمین سے مراد وضع اصابع ہے اور وضع اصابع سے مراد توجیہ اصابع الی القبلۃ ہے اور کل اصابع نہیں تو علی الاقل ایک انگلی کا رکھنا صحتِ سجدہ کے شرائط میں سے ہے ورنہ سجدہ نہیں ہوگا وہذا مما یجب حفظہ واکثر الناس عنہا غافلون (شامی)

دلائل:

(۱) طحطاوی علی المراقی ص: ۲۲۹. دار الكتاب.

(۲) شامی ص:۱٦۷ ج:۲، اشرفیه.

حديث مسلمٍ: باب أعضاء السجود. ص: رقم الحديث: ۴۹۱.

حديث الترمذی: باب ماجاء فی السجود علی سبعة أعضاء ص: ٦۲ ج: ۱، رقم الحديث: ۲۷۱.

حلبی کبیری ص:۲۸۳ دار الكتاب.

جماعت ثانیہ کا حکم

سوال: مسجد جماعت میں جماعت ثانیہ کن کن شرطوں کے ساتھ کی جاسکتی ہے؟

الجواب:

مسجد جماعت میں جماعت ثانیہ اس شرط سے کی جاسکتی ہے کہ دوسری

جماعت محراب سے ہٹ کر کی جائے تاہم اس کا عادی نہ ہونا چاہئے۔

وقدمنا فی باب الاذان عن آخر شرح المنية عن ابی یوسف انه اذا لم تكن الجماعة على الهيئة الاولٰی لا تكره والا تكره وهو الصحيح وبالعدول عن المحراب تختلف الهيئة كذا فی البزازية وفی التاتار خانيه عن الولو الجية وبهٖ ناخذ) .شامی ج ا ص ۳۷۱. (۱) كذا فی شرح المنية ص ۶۱۵. (۲) والبزازيه ج ا ص ۵۶). (۳)

دلائل:

(۱) عبارة المتن شامی ۲/ ۲۸۹. زكريا. ۱/ ۵۵۳. كراچی.

(۲) منية المصلى ۶۱۵. دار الكتاب.

(۳) البزازية ۱/ ۵۶. رشيدية.

البحر الرائق ص: ۳۴۶/ج: ۱. سعيد.

بدائع الصنائع ص: ۲۵۳ / ج: ۱، دار الكتاب العلمية.

اعلاء السنن: ۴/ ۲۶۱. بيروت.

انسانوں کا فرشتہ کی اقتداء میں نماز کا حکم

سوال: کچھ لوگ میدانِ کارزار میں تھے نماز کا وقت ہو گیا ایک فرشتہ آیا اور اس نے

لوگوں کی امامت کی سوال یہ ہے کہ فرشتہ کی امامت صحیح ہے یا نہیں اور اس کے پیچھے نماز پڑھنے والوں کی نماز درست ہوئی یا نہیں؟

الجواب:

فرشتہ کی امامت درست نہیں ہے لہٰذا اس کے پیچھے پڑھنے والوں کی فرض نماز درست نہیں ہوئی۔ **وتصح امامة الجنی لانه مكلف بخلاف امامة الملک فانه متنفل وامامة جبرئيل لخصوص التعليم مع احتمال الاعادة من النبی** ﷺ (الدر المختار مع رد المحتار ج۲ ص۳۷۲)۔(۱)

دلائل:

(۱) **شامی ص ۵۵۴ ج: ۱، کراچی.**

قال ابن العربی المالکی أنه تعالیٰ مجده لما أمر جبرئيل بتعليمه النبی صلی الله عليه وسلم صار جبرئيل مكلفاً وصارت الصلاة واجبة عليهم. (حاشية الترمذی ص ۳۹ ج: ۱) بلال.

البحر الرائق ص: ۱/۳۷۶. سعيد.

تبيين الحقائق ص: ۱۴۲/ ج: ۱، امدادية.

برطانیہ میں عشاء اور صبح صادق کی ابتداء کب سے مانی جائے

سوال: یہاں برطانیہ میں مدت سے یہ بات مشہور ہے کہ شفق اور صبح صادق کا مشاہدہ

کرنا مشکل ہے لہٰذا کسی نے اس طرف زیادہ توجہ نہیں کی اور اب بھی یہی حال ہے سردیوں کے موسم میں یعنی نومبر، دسمبر، جنوری میں تو کسی حد تک یہ بات صحیح ہوسکتی ہے مگر اور مہینوں کے لئے یقیناً ایسا نہیں ہے۔ بہرحال مشاہدہ کو بالائے طاق رکھ کر محض محکمہ موسمیات سے حاصل کردہ اوقات غروب شفق نوٹیکل اور اسٹرائیکل ٹوائی لائٹ اور طلوع صبح صادق یعنی نوٹیکل اینڈ آسٹرائیکل ٹوائی لائٹ پر اکتفا کرتے چلے آرہے ہیں یعنی محکمہ موسمیات والوں سے غروب آفتاب کے بعد یا طلوع آفتاب سے پہلے سورج کے زیر افق ۱۸ درجہ جانے کے بعد یا طلوع سے ۱۸ درجہ پہلے کے اوقات منگواتے ہیں اور اس کے مطابق عشاء اور فجر پر عمل کرتے ہیں برطانیہ میں زیادہ تر مسجدوں میں ۱۲ درجہ کے مطابق ٹومیکل ٹوآئی لائٹ منگوا کر وقت عشاء اور فجر کی ابتداء مان کر عمل کیا جاتا ہے۔ مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوگا کہ برطانیہ میں عمومی طور پر مشاہدہ کرنے کے بجائے محکمہ موسمیات کے تخریج کردہ اوقاتِ غروب وطلوعِ شفق ۲۱ درجہ یا ۱۸ درجہ کے مطابق وقت عشاء طلوع فجر کی ابتداء مانتے ہیں۔ دراصل انگلینڈ میں بسنے والے مسلمانوں نے ابتداء میں عشاء کی نماز اور صبح صادق کے لئے اپنے اپنے یہاں کے لئے اصول گاہوں سے وقت منگائے تھے۔ تو اصول گاہوں نے ۱۲ درجہ کے مطابق وقت نکال کر بھیجا تھا پھر ایک دوسرے کے نقشِ قدم پر عمل کرتے ہوئے آہستہ آہستہ بعد میں آنے والے

تمام مسلمان عشاء کی نماز ادا کرنے میں ۱۲ درجہ والے ٹائم پر مکمل عمل پیرا ہوگئے اور پورے انگلینڈ میں ۱۲ درجہ کا ٹائم رائج ہوگیا مگر جن مہینوں میں ۱۲ درجہ کے حساب سے بھی سورج غروب ہونے کے بعد بہت ہی دیر سے عشاء کا وقت ہوتا تھا اور عشاء کی نماز کے لئے بہت ہی انتظار کرنا پڑتا تھا جس میں لوگ بے پناہ حرج میں مبتلا ہوئے تھے۔ تو علماء کرام نے مفتیانِ کرام کی طرف رجوع کیا تو حضرات مفتیان کرام نے دفع حرج کی خاطر شفق احمر غائب ہونے پر ایک گھنٹہ کے بعد عشاء کی نماز ادا کرنے کا فتویٰ دیا جس کی وجہ سے ایک یا سوا گھنٹہ سے عشاء کی نماز ادا کرتے رہے۔

مگر سن عیسوی ۱۹۸۲ء میں پھر یہ بات چلی کہ عشاء کی نماز کے لئے اور صبح صادق کے لئے ۱۲ درجہ کا ٹائم غلط ہے بلکہ ۱۸ درجہ کا ٹائم صحیح ہے تو پھر تمام مسلمانوں نے اپنی اپنی جگہوں کے لئے ۱۸ درجہ کا ٹائم منگوا کر اس کے مطابق عشاء اور فجر کے لئے عمل شروع کر دیا۔ مگر چونکہ ۱۸ درجہ کے مطابق عشاء کی نماز کے لئے حد سے زیادہ انتظار کرنے کی زحمت میں مبتلا ہوگئے اس لئے کہ ۱۸ درجہ کے حساب سے عشاء کی نماز کے لئے سورج غروب ہونے کے بعد دو ڈھائی تین ساڑھے تین گھنٹوں تک کا بھی انتظار کرنا پڑتا تھا اور یہ انتظار عوام کے لئے ناقابلِ برداشت ہوگیا تھا۔ اس لئے ایک سال عمل کرنے کے بعد پھر سے ۱۲ درجہ پر عمل کرنا شروع کر دیا اس لئے کہ ۱۸ درجہ کے حساب سے پورے سال عشاء کی نماز سورج غروب ہونے کے دو ڈھائی گھنٹوں کے

بعد پڑھنی پڑتی تھی اور اسی طرح سے ان دنوں میں روزہ کے لئے سورج کے طلوع ہونے سے دو تین گھنٹہ قبل سحری بند کرنا پڑ گئی تھی۔ بلکہ بعض مہینوں میں تو وقت عشاء اور صبح صادق کے درمیان بہت ہی تنگ وقت رہتا ہے ان تمام دشواریوں کے پیشِ نظر ۱۸ درجہ پر ایک دو سال عمل کرنے کے بعد اکثریت ۱۲ درجہ پر عمل پیرا ہو گئی۔

۱- دوسری بات یہ ہے کہ مشاہدہ اور مذکورہ درجوں میں اوقات کے اندر تعارض ہو جائے تو مشاہدین کو صحیح مانا جائے گا یا محکمہ موسمیات کے تخریج کردہ اوقات کو؟

۲- شفق احمر کی غیبوبت پر وقت عشاء کی ابتداء مان کر عمل کیا جائے تو کوئی حرج ہے؟

۳- غروب آفتاب کے بعد شفق احمر اور شفق احمر کے بعد شفق ابیض عمومی طور پر کتنے وقفہ سے غائب ہوتی ہے؟ ہر ایک کا فاصلہ الگ الگ تحریر کیا جائے۔

۴- اگر کوئی عالم دین یا دیندار شخص اپنے مشاہدے کی شہادت دے تو ان کی شہادت قابلِ قبول ہے یا نہیں؟

۵- بقیہ درجوں کے مطابق یا مشاہدہ کے مطابق عشاء کی نماز کا وقت شروع کرنے میں اور اس طرح فجر کی ابتداء ماننے میں حرج درپیش ہو تو پورے سال غروب آفتاب کے سوا گھنٹہ بعد اور طلوع آفتاب سے ڈیڑھ گھنٹہ پہلے عشاء اور فجر کی ابتدا مان کر عمل کئے جانے میں شرعی طور پر کوئی ممانعت تو نہیں؟ جبکہ ہمارے ملکوں میں عشاء کی ابتداء کے اوقات گھنٹہ سوا گھنٹہ بعد اور فجر کی ابتداء طلوع آفتاب سے سوا گھنٹہ پہلے

ہوجاتی ہے نیز ہم نے اپنا مشاہدہ بھی اوپر ذکر کردیا۔

حرج کی صورتیں

عشاء دیر سے پڑھنے میں اور صبح صادق جلدی ماننے سے وقت کی تنگی کے سبب نہ تو پورا سونا ملتا ہے اور نہ آرام ملتا ہے جس کی وجہ سے نیند تو خراب ہوگی ہی صحت پر بھی اثر پڑے گا اور عبادات میں کوتاہی اور کاہلی پیدا ہوگی نیز عشاء اور فجر کی قضا کا بھی احتمال ہے جماعت میں لوگ کم آتے ہیں اسی طرح دنیوی معاملات میں بھی بڑی دقت درپیش ہوتی ہے مثلاً وقت پر کام پر جانے میں حرج اور بھی دیگر باتیں یا تو رزق حلال حاصل کرے یا نمازیں قضا کرے، رہا نیند کے لئے فجر کی نماز کے بعد وقت نکالے تو ان لوگوں کے لئے تو مسئلہ کا حل ہوگا جو بے روزگار ہیں، لیکن اکثریت جو کام کرتی ہے ان کے لئے مسئلہ کا حل اس طرح نہیں ہوسکتا لوگ سستی کی وجہ سے بغیر نماز پڑھے ہی سو جائیں گے اور نماز کے لئے اٹھ نہ سکیں گے بلکہ جان بوجھ کر نماز چھوڑ کر سو جانے کا اندیشہ ہے اور یہی ہوتا بھی ہے۔

(۱) لا عبرة بقول المؤقتين۔ (شامی ص:۳۹۰/ج:۲۔ کراچی)

(۲) إن الشرط في وجوب الصوم الرؤية لا يؤخذ بقولهم۔ (الدر المختار مع الشامی ص:۳۸۷/ج:۲۔ کراچی)

(۳) وابتداء وقت صلاة عشاء والوتر من غروب الشفق

علی الاختلاف تقدم۔(حاشیۃ الطحطاوی علی المراقی ص۱۷۸ادارالکتاب)۔

(۴) قولہ تعالیٰ: واشھدوا شھیدین من رجالکم: نص فی رفض الکفار والصبیان ۔(الجامع لأحکام القرآن للقرطبی ص۳۸۹ج:۳،دار إحیاءالتراث)۔

(۹۷)۔عشاء وفجر کی ابتداء میں درجات کے اعتبار سے اختلافات

اسماء	صبح صادق	صبح کاذب	صبح صادق	شفق
شرح چغمینی	۱۵	۱۸	ابن شاطر ۱۹	۱۷
ایضاح القول ۹	۱۸	۱۸	ابوعلی مراکشی ۲۰	۱۶
حل الہندوسیین مقاصد العمدۃ	۱۶/۱۷	۱۹	ابوعبداللہ ۱۹	۱۸
			ابن اقام متوفی	۱۹
مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی	۱۵	۱۸	۶۸۵ھ ۱۹	
			قاضی زادہ موسیٰ بن محمد متوفی	
			۸۹۹ھ x	۱۸

مگر چند جگہوں کے مسلمان اب تک ۱۸ درجہ کے مطابق عشاء کی نماز ادا کرتے ہیں اور انتظار کی ساری صعوبتیں برداشت کرتے چلے آرہے ہیں مگر ان کے لئے سب سے بڑی نا قابلِ برداشت دشواری یہ کھڑی ہوگئی ہے کہ مساجد کے چند مصلی بارہ درجہ پر عمل کرنے پر مصر ہیں اور یہ ۱۸ درجہ پر عمل کرتے ہیں تو آپس میں تناؤ شروع

ہو گیا ہے چونکہ جو لوگ ۱۲درجہ پر عشاء کی نماز ادا کرتے ہیں وہ بہت جلد عشاء کی نماز سے فارغ ہو جاتے ہیں اور ان کو انتظار میں رہنا پڑتا ہے یہ ان کے لئے بڑی آزمائش ہے اس لئے آپس میں لڑائیاں جھگڑے فساد ہوتے ہیں حتیٰ کہ بعض جگہوں پر ایک ہی مسجد میں دو جماعتیں شروع ہوگئی ہیں اور یہ بڑا المیہ ہے جس طرح بحمد للہ چاند کے بارے میں صحیح العقائد مسلمانوں میں باہم اتفاق ہو گیا ہے اسی طرح عشاء کی نماز اور صبح صادق میں بھی باہم اتفاق ہو جائے تو بہت ہی بہتر ہوگا مگر ہماری یہ تمنا اسی وقت پوری ہوسکتی ہے جبکہ حضرات مفتیان کرام اس معاملے میں جلد از جلد رہنمائی فرمائیں۔

ہمارے ملکوں میں تو ۱۸درجہ پر عشاء اور صبح صادق سوا گھنٹہ پر ہوتی ہے جبکہ انگلینڈ میں ہمیشہ دو تین بلکہ بعض مہینوں میں غروب کے ساڑھے تین چار گھنٹوں کے بعد عشاء کا وقت ہوتا ہے اور طلوع آفتاب سے ساڑھے تین چار گھنٹہ قبل صبح صادق ہوتی ہے۔

(محکمہ موسمیات سے ۱۸ڈگری کے مطابق وقت معلوم کرنے پر) جبکہ بعض مہینوں میں رات بھی مشکل سے ۸ ساڑھے آٹھ گھنٹے کی ہوتی ہے اس طرح عشاء کی نماز پڑھنے اور سحری بند کرنے میں بہت ساری دشواریاں درپیش ہیں البتہ جن راتوں میں شفق بالکل غائب نہیں ہوتی ہے اسے ڈھائی مہینوں میں سوا گھنٹے عمل کرنے کی حضرات مفتیانِ کرام کی طرف سے سہولت دی گئی ہے۔مگر ان ڈھائی مہینوں کے علاوہ پورے سال ۱۸ درجہ پر عمل کرنے میں بہت وقت اور پریشانیاں تھیں بنا بریں مسلمانوں نے ۱۸درجہ پر عمل ترک کر کے ۱۲درجہ پر پھر اپنا عمل شروع کر دیا تعجب یہ ہے

کہ ہمارے ملکوں میں ۱۸ درجے کے حساب سے سورج کے غروب سے عشاء کا وقت سوا گھنٹہ بعد اور صبح صادق کا وقت طلوع آفتاب سے سوا گھنٹہ پہلے سے ہوتا ہے اور یہاں انگلینڈ میں ۱۸ درجہ کے مطابق اتنا زیادہ وقت کیوں؟ یہ بات ہمارے لئے باعثِ حیرت ہے کہ سورج کو ۳۶۰ درجہ ۲۴ گھنٹوں میں عبور کرنے میں فی درجہ چار منٹ لگتے ہیں۔ اب عشاء کی نماز کے ۱۸ درجہ اور صبح صادق کے ۱۸ درجہ کل ۳۶ درجوں کے لئے ۴/۵/۶/۷/۸/ گھنٹہ خرچ ہوجاتے ہیں تو پھر بقیہ ۳۲۴ درجوں کے لئے تو صرف سولہ سے بڑھ کر ۲۰ گھنٹے ہی باقی رہ جاتے ہیں۔

اتنے سارے درجوں کو عبور کرنے کے لئے سورج کو مذکورہ تفصیل کے مطابق تو صرف فی درجہ ۴ منٹ سے بھی کم وقت ملتا ہے تو پھر اتنے کم گھنٹوں میں ۳۲۴ درجہ کس طرح عبور ہوتے ہوں گے یہ ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔

مشاہدہ: اس سال ہم نے ستمبر اور اکتوبر کی چند تاریخوں میں مشاہدہ کیا تو ایک گھنٹہ اور زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ دس منٹ پر غروب آفتاب کے بعد شفق احمر غائب ہوئی اور ایک گھنٹہ بیس منٹ اور زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ ۲۵ پر شفق ابیض کے غروب کا مشاہدہ کیا اور جتنا وقت شفق ابیض کے غروب میں لگا بعینہ اتنا ہی وقت سورج طلوع ہونے سے قبل صبح صادق ہونے میں لگا یعنی ایک گھنٹہ ۲۰/۲۵/ منٹ جب ہم نے یہ مشاہدہ کیا تو ان تاریخوں میں محکمہ موسمیات والوں نے ۱۲ درجہ کے وقت سے جو وقت ۱۲ درجہ کے مطابق یا ۱۸ درجہ کے وقت سے دیا تھا وہ غلط ثابت ہوا یعنی ۱۸ درجہ کے وقت سے

شفق احمر کم سے کم دس منٹ پہلے اور شفق ابیض ۳۱ منٹ سے پہلے غروب ہو چکی اور اسی طرح صبح صادق ۳۰ منٹ بعد طلوع ہوئی۔

اب حل طلب مسئلہ یہ ہے کہ آیا ۱۲ درجہ کے اختتام پر یا ۱۸ درجہ کے اختتام پر وقت عشاء کی ابتداء مانی جائے یا مشاہدہ کو اولیت دی جائے۔ دونوں کا فرق اوپر دیا ہوا مشاہدہ ہے۔ علمائے عرب ومراکش وقت صبح صادق ۱۸/۱۹/۲۰/درجہ پر مانتے ہیں۔ مزید تفصیل ملاحظہ ہو (احسن الفتاویٰ: ۲/۱۶۴) سے آگے تک۔

نوٹ: جب درجات میں اختلاف ہے تو درجوں کو معیار وقت بنانا صحیح ہے؟

(۱) یُرِیْدُ اللّٰهُ اَنْ یُّخَفِّفَ عَنْكُمْ وَ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا

(۲) یُرِیْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْیُسْرَ وَ لَا یُرِیْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ

(۳) وَ مَا جَعَلَ عَلَیْكُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ

(۴) وَّ جَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ۰۰

(۵) لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا

(۶) "كفاية الاخبار فی حلّ غاية الاختصار" کی جلد اول ص ۱۶۰ پر علامہ تقی الدین دمشقی فرماتے ہیں: "ومتی یخرج وقت المغرب؟ فیه قولانِ الجدید الاظهر انه یخرج مقدار طهارة وستر عورة واذان وامامة وخمس رکعت ولا اعتبار فی ذلک الاوسط المعتدل".

الجواب:

(۱) مشاہدہ کو اوّلیت دی جائے اور اسی کا اعتبار کیا جائے۔

محکمہ موسمیات کے تخریج کردہ اوقات اگر اصول شرعیہ کے مطابق ہوں تو اس کے اعتبار میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن اس کو مؤید کے درجہ میں رکھا جا سکتا ہے بنیاد واصول کے درجہ میں نہیں۔ یہودیوں نے اپنے خفیہ محنتوں کے ذریعہ آج پوری امت کو شکار کرہی لیا ہے رہی سہی عبادات پر بھی وہ ہاتھ صاف کرنا چاہتے ہیں اس لئے امت کے خواص کو چوکنا وہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔

(۲) شفق احمر کی انتہاء پر ضرورۃً وقت عشاء کی ابتداء ماننے میں کوئی مضائقہ نہیں کمافی کتب الفقہ۔

(۳) شفق احمر کے بعد شفق ابیض کے غروب کے سلسلہ میں آپ کا مشاہدہ تقریباً درست ہے اس لئے اس کے اعتبار میں کوئی حرج نہیں۔

(۴) اگر عالم دین ودیندار شخص کی شہادت مقبول نہ ہوگی تو پھر کس کی مقبول ہوگی؟ کیا محکمہ موسمیات کے منافق وفجار وکفار کی بات مقبول ہوگی؟ جن حضرات کے نزدیک علماء دیندار کی شہادت غیر معتبر ہے وہ اپنا احتساب کریں۔

(۵) ضرورت کے تحت ماننے میں کوئی مضائقہ نہیں بشرطیکہ وقت بھی ہوجائے چاہے صاحبین ہی کے مسلک کے مطابق ہوتا ہو۔ الحاصل شرعی اصول مدِ نظر رہے محکمہ موسمیات کوئی قانون شرعی نہیں۔

دلائل:

(۱) یرید اللّٰہ أن یخفف عنهم وخلق الإنسان ضعیفاً. (سورة

النساء رقم الآية: ۲۸).

(۲) يـريـد الـلـه بهم اليسر ولا يريد بهم العسر. (سورة البقرة رقم الآية ۱۸۵)

(۳) ومـا جـعـل عليهم في الدين من حرجٍ. (سورة الحج رقم الآية ص: ۷۸)

(۴) وجعلنا نومكم سباتا. (سورة النبأ رقم الآية: ۹)

(۵) لايكلف الله نفساً إلا وسعها. (سورة البقرة رقم الآية ۲۸۶)

(۶) أحسن الفتاویٰ ص: ۱۶۴ ج: ۲. زكريا.

(۷) كفاية الآخبار في غاية الاختصار (ص ۱۶۰ ج: ۱)

رفع یدین وعدم رفع کی تفصیلی بحث اور بیس رکعت تراویح کا مسئلہ

سوال: نماز میں رفع یدین کرنے والی حدیث صحیح سند سے ہے یا نہ کرنے والی حدیث صحیح سند سے ہے اگر دونوں صحیح سندوں سے ہیں تو تطبیق کی کیا صورت ہوگی؟

حضور ﷺ سے تراویح کتنی رکعت ثابت ہے آٹھ رکعت کا بھی ثبوت ہے یا نہیں اگر ہے تو صحیح سند ہے یا نہیں؟

الجواب:

حضور اکرم ﷺ سے رفع الیدین اور ترک رفع دونوں ثابت ہیں، البتہ رفع

کی احادیث معنیً متواتر ہیں، جبکہ ترک رفع یدین کی احادیث عملاً متواتر ہیں، یعنی ترک رفع الیدین پر تواتر بالتعامل پایا جاتا ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ عالم اسلام کے دو بڑے مراکز یعنی مدینہ طیبہ اور کوفہ کے تقریباً سبھی حضرات بلا استثناء ترک رفع الیدین پر عامل رہے ہیں، مدینہ طیبہ کے ترک رفع الیدین پر تعامل کی دلیل یہ ہے کہ علامہ ابن رشد نے بدایۃ المجتہد میں لکھا ہے کہ امام مالک نے ترک رفع الیدین کا مسلک تعامل اہل مدینہ کو دیکھ کر اختیار کیا تھا، اور اہل کوفہ کے تعامل کی دلیل یہ ہے کہ محمد بن نصر مروزی شافعی تحریر فرماتے ہیں کہ **"ما اجمع مصر من الامصار علی ترک رفع الیدین ما اجمع علیه أهل الکوفة"** اس سے تواتر بالتعامل ثابت ہوتا ہے اس کے باوجود حنفیہ ثبوت رفع کے منکر نہیں، البتہ یہ ضرور ہے کہ ان کے یہاں روایات صحیحہ کی روشنی میں راجح وافضل عدم رفع ہے (یہ بعض حضرات کا غلو ہے جو یہ کہہ دیتے ہیں کہ رفع ثابت ہی نہیں اور ممکن ہے یہ غلو ان بعض غالی حضرات کے جواب میں ہو جو عدم رفع کے ثبوت کے منکر ہیں)۔

جن روایات سے رفع الیدین کا ثبوت ملتا ہے ان کی تعداد اگر چہ بہت ہے لیکن ہم یہاں پر تقابلی مطالعہ کے لئے صرف ایک روایت بطور نمونہ سپرد قرطاس کرتے ہیں جو صحیح بھی ہے اور مشہور بھی، اور اگر یہ کہہ دیا جائے کہ ثبوت رفع پر مایہ ناز روایت ہے تو کوئی بے جا بات نہ ہوگی وہ روایت یہ ہے **"عن ابن عمر قال رأیت رسول اللہ ﷺ اذا افتتح الصلوة یرفع یدیه حتی یحاذی منکبیه واذا**

رکع واذا رفع رأسه من الرکوع اللفظ للترمذی واخرجه ایضا الامام البخاری فی صحیحه" (۱/۱۰۲)باب رفع الیدین اذا کبر واذا رکع واذا رفع ومسلم فی کتابه (۱/۱۶۸)باب استحباب رفع الیدین حذو المنکبین الخ۔

وابوداؤد: (۱/۱۶۴)باب رفع الیدین وابن ماجه فی سننه باب رفع الیدین اذا رکع واذا رفع راسه من الرکوع وعلیه الرزاق فی مصنفه. (۱)

اس روایت کے ثبوت کے ہم منکر نہیں، بلاشبہ اصح مافی الباب ہے، لیکن اس کے باوجود حنفیہ نے اس کو ترجیح نہیں دی، جس کے چند وجوہ ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

(۱) حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت اتنی متعارض ہے کہ ان میں سے کسی ایک کو ترجیح دینا بہت مشکل ہے جس کی تفصیل ابھی آ رہی ہے کہ یہ روایت چھ طرق سے مروی ہے۔

(۲) امام مالک علیہ الرحمہ نے موطاء میں حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے "ان رسول الله ﷺ کان اذا افتتح الصلوة رفع یدیه حذو منکبیه واذا رفع رأسه من الرکوع رفعه کذالک أیضا الحدیث" (مؤطا امام مالک: ۱۵۹ افتتاح الصلوٰۃ)۔(۲)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں صرف دومرتبہ رفع مذکور ہے (۱) تکبیر تحریمہ کے وقت۔ (۲) رکوع سے اٹھتے وقت، اور رکوع میں جاتے وقت رفع یدین کا ذکر نہیں۔

(۲) صحاح ستہ میں یہی حدیث اس طرح آئی ہے کہ اس میں تکبیر تحریمہ اور رکوع اور رفع من الرکوع تینوں مواقع پر رفع یدین کا ذکر ہے۔

(۳) بخاری ج اص ۱۰۲ باب رفع الیدین اذا قام من الرکعتین میں بھی ابن عمرؓ کی روایت ہے اس سے چار جگہ رفع یدین کا ثبوت ملتا ہے۔

(۱) تکبیر افتتاح۔ (۲) رکوع۔ (۳) رفع من الرکوع۔ (۴) قاعدہ اولی سے اٹھتے وقت۔

(۴) امام بخاری علیہ الرحمہ نے جزو رفع الیدین میں حضرت ابن عمرؓ کی روایت ذکر کی ہے اس میں سجدہ میں جاتے وقت بھی رفع الیدین کا ذکر ہے۔

(۵) حافظ بن حجر نے فتح الباری ج ۲ ص ۱۸۵ بحوالہ امام طحاوی ابن عمر کی روایت ذکر کی ہے۔

اس میں "**عند کل خفض ورفع ورکوع وسجود وقیام وقعود وبین السجدتین رفع الیدین**" کا ذکر موجود ہے وغیر ذلک۔

حضرات حنفیہ کی تائید حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت سے ہوتی ہے "**عن علقمة قال قال عبد الله ابن مسعودؓ الا اصلی بکم صلوة رسول الله ﷺ**

فصلی فلم یرفع یدیه الا فی اول مرة"(ترمذی: ۱/۱۳۵، ابوداؤد: ۱/۱۰۹)

(۲) حدیث براء بن عازب "ان رسول الله ﷺ کان اذا افتتح الصلوة رفع یدیه الی قریب من أذنیه ثم لا یعود"۔(ابوداؤد: ۱/۱۰۹، طحاوی شریف: ۱/۱۱۰، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱/۲۳۶)

اس کے علاوہ حدیث عبداللہ بن عباسؓ، وعباد بن زبیرؓ، وجابر بن سمرہؓ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے اس باب میں اصل دو روایتوں کا تعارض ہے۔(ا) حدیث عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ۔(۲) حدیث عبداللہ بن مسعود، اب جب دونوں روایتوں کا تقابل کرتے ہیں تو روایت عبداللہ بن مسعودؓ بچند وجوہ راجح معلوم ہوتی ہے۔

(ا) یہ اوفق بالقرآن ہے کیونکہ ارشاد باری ہے "قوموا لله قانتین" اس کا تقاضا یہ ہے کہ نماز میں حرکت کم سے کم ہو لہٰذا جن احادیث میں حرکت کم ہوگی وہ اس آیت کے زیادہ مطابق ہوگی۔

(۲) حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت میں کوئی اضطراب نہیں نہ ان کا عمل اس کے خلاف ہے جبکہ حضرت عبداللہ بن عمر کی روایت میں شدید اختلاف ہے اور خود ان کا عمل اپنی روایت کے خلاف ہے۔

(۳) احادیث کے تعارض کے وقت آثار صحابہ کو فیصل بنایا جاتا ہے اور جلیل القدر صحابہ مثلاً حضرت عمر وحضرت علی وحضرت عبداللہ بن مسعود رضوان اللہ علیہم اجمعین وغیرہم سے ترک رفع ہی کا ثبوت ملتا ہے "وغیر ذلک وجوه کثیرة رجحان

روایة ابـن مسعود والعمل بها" تفصیل کے لئے "نیل الفرقدین فی مسئلۃ رفع الیدین" کا مطالعہ کریں۔

حضور پاک ﷺ کا ارشاد ہے کہ "فـانـه مـن یعـش منکم فسیری اختـلافاً کثیـرا وایـاکـم ومـحـدثات الامور فانها ضلالة فمن ادرک ذلک مـنـکـم عـلیـه بسـنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین عضو علیها بالنواجذ" (ہٰذا حدیث حسن صحیح ترمذی شریف: ۱/۱۰۸)

"وأیـضـا قـال ﷺ اقتـدوا بالذین من بعدی أبی بکر وعمر" (ترمذی شریف: ۱/ ۲۲۹)

یہ دو روایتیں اس بات کی دلیل ہیں کہ حضرات صحابہ کا عمل بھی قابل تقلید ہے، اور اگر کسی عمل کو سارے صحابہ کی تائید حاصل ہو پھر کیا کہنا، اس کے لائق عمل ہونے میں تو پھر کوئی شبہ ہی نہیں، اب اس کے بعد ذرا غور فرمائیں بخاری شریف میں ہے "عـن عبـد الـرحـمـن بـن عبـد الـقـاری قـال خرجت مع عمر بن الـخـطـاب لیـلة فـی رمضان الی المسجد فاذا الناس اوزاع متفرقون یـصـلـی الـرجـل لـنـفسـه ویصلی الرجل فیصلی بصلاته الرهط فقال عـمـرانـی اری لـو جـمعت هولاء علی قاری واحد لکان أمثل ثم عزم فجمعهم علی ابی بن کعبؓ ثم خرجت معه لیلة اخری والناس یصلون بصلاة قارئهم قال عمر نعم البدعة هذه الخ" (بخاری شریف: ۱/۲۶۹)

اسی وجہ سے ائمہ اربعہ اس پر متفق ہیں کہ تراویح کی نماز بیس رکعت ہے، اسی وجہ سے ابن تیمیہ نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے۔"قد ثبت ان ابی ابن کعب کان یقوم بالناس عشرین رکعة فی قیام رمضان ویوتر ثلاثا کثیر من العلماء ان ذلک هو السنة لانه امامهم بین المهاجر والانصار ولم ینکره منکر الخ" (۲۳/۱۱۲،۱۱۳)"وقال فی مقام آخر فالقیام بعشرین هو الافضل وهو الذی عمل به اکثر المسلمین" (فتاوی ابن تیمیہ: ۲۲/۲۷۲)

امام نوویؒ فرماتے ہیں "ثم استقر الامر علی عشرین فانه المتوارث" ابن قدامہ مغنی میں لکھتے ہیں "وهذا کالاجماع" اورحافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ "ولکن اجتمعت الصحابة علی ان التراویح عشرون رکعة"۔

باقی حضور ﷺ سے کوئی تحدید وتوقیت مروی نہیں، جیسا کہ ابن تیمیہ نے بھی تصریح کی ہے، خلاصہ کلام یہ ہے کہ تراویح کی نماز باجماع صحابہ ومحدثین وائمہ بیس رکعت ہے۔ تفصیل کے لئے رکعات تراویح، مصابیح التراویح، تحقیق التراویح کا مطالعہ فرمائیں۔

دلائل:

عن ابن عمر قال رأیت رسول اللّٰہ. صلی الله علیه وسلم. إذا افتتح الصلاة یرفع یدیه حتی یحاذی منکبیه وإذا رکع وإذا رفع رأسه من الرکوع. (اللفظ للترمذی ص ۵۹ ج: ۱) مختار اینڈ کمپنی.

وفی بخاری شریف: ص ۱۰۲/ج: ۱ یاسر ندیم. (وفی

المسلم ص: ۱٦۸ /ج: ۱) فیصل.

وفی ابوداؤد ص ۱۰۴ ج: ۱. مکتبه بلال. وفی ابن ماجه ص: ٦۱ ج: ۱. باب رفع الیدین.

إذا رکع وإذا رفع رأسه من الرکوع. مکتبه ملت دیوبند.

إنّ رسول الله. صلی الله علیه وسلم. کان إذا افتتح الصلاة رفع یدیه حذو منکبیه وإذا رفع رأسه من الرکوع رفعهما کذالک أیضاً "الخ". (مؤطا امام مالک ص: ۲۰۴. باب افتتاح الصلاة). الشرکة القدس. القاهره

عن علقمة قال قال عبد الله ابن مسعود ألا أصلی بکم صلاة رسول الله. صلی الله علیه وسلم. فصلی فلم یرفع یدیه إلّا فی أوّل مرّة. (ترمذی شریف ص: ۵۹ ج: ۱) ممتاز اینڈ کمپنی (وفی النسائی ص ۱۲۰ ج: ۱) مکتبه بلال. (وفی أبوداؤد ص ۱۰۹ ج: ۱) مکتبه بلال.

عن البراء أنّ رسول اللّٰه. صلی الله علیه وسلم. کان إذا افتتح الصلاة رفع یدیه إلی قریب من أذنیه ثمّ لا یعود. (أبوداؤد ص: ۱۰۹ ج: ۱) بلال.

(وفی طحاوی شریف ص: ۱٦۲ ج: ۱) یاسر ندیم کمپنی.

(وفی مصنف ابن ابی شیبه ص: ۴۱۴/ج: ۲) رقم الحدیث: ۲۴۵۵. دار قرطبه بیروت.

اقامت (تکبیر) میں حیعلتین پر دائیں بائیں گھومنے کا مسئلہ

سوال: تکبیر میں حیعلتین پر دائیں بائیں گھومنا چاہیے یا نہیں؟

الجواب:

اقامت میں بھی مثل اذان کے حیعلتین پر دائیں بائیں گھومنا مسنون ہے چونکہ فقہاء اقامت کو مثل اذان لکھتے ہیں اور جو مواقع اختلاف ہیں ان میں محققین فقہاء نے تحویل وجہ کو ذکر نہیں فرمایا بلکہ تحویل وجہ میں اقامت کو مثل اذان کے قرار دیا ہے جیسا کہ علامہ شامی لکھتے ہیں والاقامة کالاذان فیما مر الخ در مختار واراد بما مر احکام الاذان العشرة المذکورة فی المتن وهی سنة للفرائض وانه یعاد ان قدم علی الوقت وانه یبدء باربع تکبیرات وعدم الترجیع وعدم اللحن والترسل والالتفات والاستدارة وزیادة الصلوٰة خیر من النوم فی اذان الفجر وجعل اصبعه فی اذنیه ثم استثنی من العشر ثلاثة احکام لا تکون فی الاقامة فابدل الترسل بالحدر والصلوٰة خیر من النوم بقد قامت الصلوٰة وذکر انه لا یضع اصبعیه فی اذنیه فبقیة الاحکام السبعة مشترکة الخ (ردالمحتار ج۱ص۳۶۰)

اسی طرح علامہ حلبی نے بھی اپنی جامع مانع کتاب کبیری میں اقامت میں حیعلتین پر گھومنے کو سنت متوارثہ قرار دیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں ویحول وجهه يمينًا عند حی على الصلوٰة وشمالا عند حی الفلاح فی الاذان والاقامة لانه يخاطب بهما الناس فيواجههم وهو المتوارث كبيری ج ا ص ٣٦٠.

صاحب درمختار علامہ علاؤ الدین الحصکفی نے بھی اپنی متداول کتاب الدر المنتقی میں اس کی تصریح کی ہے فرماتے ہیں (ويحول وجهه) فيهما كذا جزم به المصنفؒ وتبعه فی البحر تبعًا للقنيه الدر المنتقی على هامش مجمع الانهر ج ا ص ٧٦.

اسی طرح فتاوی عالمگیری سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے ويستقبل بهما القبلة وترک الاستقبال جائز ويكره كذا فی الهداية واذا انتهی الصلوٰة والفلاح حول وجهه يمينًا وشمالًا وقدماه على مكانهما سواء صلی وحده او مع الجماعة وهو الصحيح الخ (عالمگیری ج ا ص ٥٦)

اسی طرح حضرت تھانوی قدس اللہ سرہ نے بھی اس کو مسنون قرار دیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں التفات یمین ویسار جیسا اذان میں مسنون ہے ویسا ہی اقامت میں اور ایسے ہی بچہ کے کان میں ويلتفت فيه وكذا فيها مطلقًا الخ (امداد الفتاویٰ جلد اول ص ١٠٨ بحوالہ شامی ج ا ص ٢٥٩)

حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب نے بھی راجح اور معمول بنانے کے لائق

اسی کوقرار دیا ہے لہٰذامن احیٰی سنتی عند فساد امتی فله اجر مأة شهید کی بشارت کی رو سے تمام مسلمانوں کو چاہئے کہ اس سنت کو زندہ کرنے کی سعی کریں اور یہ سعی بھی حدود شرعیہ میں رہ کر ہو۔

نماز کے بعد دعا جہراً مانگے یا سراً

سوال: اگر امام ربنا آتنا فی الدنیا الخ دعا کو بجائے زور سے مانگنے کے دل میں مانگے تو کیسا ہے دعا جہراً مانگنا افضل ہے یا سراً؟ اور جہراً دعا مانگنا جائز ہے یا نہیں مقتدیوں کی خواہش ہے کہ امام کچھ دعا جہراً مانگے۔

الجواب:

دعا بالسر افضل ہے بہ نسبت دعا بالجہر کے کما قال اللہ تعالیٰ فی القرآن المجید اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً ا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ (۱) وفی الطحطاوی علی المراقی ص ۱۸۹ (۲) ومن الادب فی الدعا ان یدعوَ بخشوع وتذلل وخفض صوتٍ ای بان یکون بین المخافة والجهر کما فی الاذکار عن الاحیاء یکون اقرب الی الاجابة اور جناب مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری مدظلہ العالی نے اپنی کتاب فتاویٰ رحیمیہ میں (۳) مسلک السادات الی سبیل الدعوات کے حوالہ سے یہ عبارت نقل فرمائی ہے الدعاء سرًا افضل من الجهر لقولهٖ تعالٰی اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً ا لانه اقرب الی الاخلاص ویکره رفع

الصوت به فی الصلوٰة وغیرها ان عبارتوں سے واضح طور پر معلوم ہوگیا کہ دعا بالسر دعا بالجہر سے افضل واولیٰ ہے لہٰذا مقتدیوں کا دعا بالجہر پر اصرار کرنا غلط ہے البتہ کبھی کبھار جہراً دعا کرلے تو کوئی مضائقہ نہیں، جائز ہے مگر اس پر مداومت کرلینا مکروہ ہے۔

دلائل:

(۱) أدعوا ربّکم تضرّعاً وخفية الخ. (سورة الاعراف: ۵۵)

(۲) (حاشية الطحطاوی علی المراقی ص۳۱۷) دار الکتاب.

والسّنه أن یخفی صوته بالدعاء. (هندیه ص۲۹۳ ج: ۱) زکریا وکذا فی الفقه علی المذاهب الأربعة ص ۱ ۱ ۵ ج: ۱) سلمان عثمان اینڈ کمپنی.

اعلم انّ الاخفاء معتبر فی الدعاء، ویدلّ علیه وجوه الأوّل هذه الآیة ""ادعوا ربّکم تضرعاً وخفية.... والحجة الثانیه أنّه تعالیٰ أثنی علی زکریا فقال "إذا نادی ربّه نداء خفیا أی اخفاه عن العباد وغیره..) (تفسیر کبیر للامام الفخر الرازی ص۱۳۰ / ج: ۱، دار إحیاء التراث العربی).

وکذا فی الفتاویٰ الرحیمية: ص۷۰ ج:٦، دار الاشاعت کراچی.

باب الاذان والاقامة

اذان کے بعد اپنے گھروں میں نماز پڑھنے کا اعلان کرنا کیسا ہے؟

سوال: ایک مسجد ہے جو مرکزی حیثیت رکھتی ہے۔ ضلع کے اعتبار سے حکومت کی نگاہ میں اور عوام الناس کے بھی نگاہ میں موجودہ حالات کے پیش نظر اس مسجد میں اذان تو ہو رہی ہے لیکن اس میں اذان کے بعد یہ اعلان کر دیا جاتا ہے کہ تمام حضرات سے درخواست ہے کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے۔ گھر ہی پر نماز ادا کر لیں مسجد میں تشریف نہ لائیں۔ اعلان کی وجہ یہ ہے کہ لوگ زیادہ تعداد میں آ رہے تھے اب اعلان کی وجہ سے کچھ کمی آئی ہے۔ تو کیا ایسا اعلان کرنا موجودہ دور میں درست نہیں ہے؟ یا اس سے شرعی اعتبار سے کوئی خرابی لازم آ رہی ہے؟

الجواب

حالات حاضرہ میں وبائی امراض کے پیش نظر عالم اسلام نے جو رویہ اختیار کیا ہے اس کی نظیر کسی صدی میں نہیں ملتی، چونکہ وبائی امراض کا پھیل جانا یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ بلکہ پہلے زمانے میں لوگ عمومی وبائی بیماری سے بچنے کے لئے مساجد کی طرف رجوع کیا کرتے تھے۔ لیکن احتیاطی تدابیر اختیار کرنا شریعت مطہرہ کے خلاف نہیں ہے، حالات حاضرہ میں اگر حکومت کی طرف سے پابندی اور احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کی

ہدایت دی جارہی ہے تو اس کی پابندی کرنی چاہئے۔ ماہر اطباء کی رائے میں یہ ضروری بھی ہے۔لہٰذا اگر اذان کے بعد مائک سے گھر میں نماز پڑھنے کا اعلان کیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ چونکہ حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے دور مبارک میں بھی کبھی کسی عذر کے پیش نظر یہ اعلان کیا جانا ثابت ہے۔(۱)صلوا فی رحالکم۔ لیکن اگر بار بار اعلان کے بجائے پنج وقتہ نمازیوں کو ایک بار اس کی ہدایت دیدی جائے تو بار بار اعلان سے بہتر ہے اور یہ روح شریعت کے مطابق بھی ہے۔

دلائل

(۱) حدثنا شريک، وهشيم، عن يعلى بن عطاءٍ عن عمرو بن الشريد، عن أبيه، قال كان في وفد ثقيف رجل مجذوم. فأرسل اليه النبي صلى الله عليه وسلم إنا قد با يعناک فارجع.

(مصنف ابن أبي شيبة: باب من كان يتقى المجذوم رقم الحديث: ۲۴۵۴۲)

عن ابن عمر، أنه نادى بالصلاة في ليلة ذات برد وريح و مطر، فقال في آخر ندائه: ألا صلوا في رحالكم، ألا صلوا في الرحال. ثم قال: إن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يأمر المؤذن، إذا كانت ليلة باردة، أو ذات مطر في السفر، أن يقول. ألا صلوا في رحالكم. (الصحيح لمسلم. باب

الصلوٰۃ فی الرحال فی المطر. رقم الحدیث: ٦٩٧ .

(صلوا فی الرحال) أی فی البیوت والمنازل. قال الطیبی: أی: الدور والمساکن، رحل لرجل منزله ومسکنه، ثم قال: إن رسول الله صلی الله علیه وسلم کان یأمر المؤذن إذا کانت أی: وقعت (لیلة) بالرفع (ذات برد) صفتها: أی صاحبه بردشدید و (مطر) أی کثیر، وفی روایة للشافعی زیادة وریح. یقول (آلا صلوا) أمر إباحة. (فی الرحال) للعذر. (مرقاة المفاتیح ج:٣ ص:٨٣٤. دار الفکر. بیروت).

وکان هذا کالطاعون الأول: عم البلاد، وافنی العباد، وکان الناس به علی خیر عظیم، من إحیاء اللیل، وصوم النهار، والصدقة والتوبة فهجرنا البیوت ولزمنا المساجد، رجالنا، وأطفالنا، ونسائنا. مکأن الناس به علی خیر. (شفاء القلب المحزون فیما یتعلق بالطاعون و(٥٧٨٠) متحدثا عن طاعون (٥٧٦٤) مخطوط).

وفی شرح المنیة الأشبه أن صوتها لیس بعورة. وإنما یؤدی إلی الفتنة کما علل به صاحب الهدایه وغیره فی مسألة التلبیة ولعلّهن إنما مُنعن من رفع الصوت بالتسبیح فی الصلاة لهذا

المعنى ولا يلزم من حرمة رفع صوتها بحضرة الأجانب أن يكون عورة كما قد مناه. (البحر الرائق ج: ١ ص:٢٨٥. دار الكتاب الاسلامى).

اختلف العلماء فى صوت المرأة فقال بعضهم إنه ليس بعورة .لأن نساء النبى كن يروين الأخبار للرجال. وقال بعضهم إن صوتها عور ة وهى منهية عن رفعه بالكلام بحيث يسمع ذلك الأجانب إذا كان صوتها أقرب إلى الفتنة من صوت خلخالها. وقد قال الله تعالىٰ. (ولا يضر بن بأرجلهن ليعلم ما يخفين من زينتهن).

فقد نهى الله تعالىٰ عن استماع صوت خلخالها. لأنه يدل على زينتها فحرمة رفع صوتها أولىٰ من ذلك. ولذلك كره الفقهاء أذان المرأة لأنه يحتاج فيه إلى رفع الصوت. (الفقه المذاهب الأربعة ج:٥ ص:٥٣. كتاب الحدود. دار الكتاب العلمية بيروت).

والتصفيق للنساء قال فى تاج المصادر: التصفيق فى الحديث مأخوذ من صفق إحدى اليدين على الأخرى. لا ببطونهما. ولكن بظهور أصابع اليمنى على الراحة من اليد اليسرى. (مرقاة المفاتيح ج:٢ ص:٧٨٥. دار الفكر. بيروت).

اذان کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا

سوال : اذان کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا پڑھنا کیسا ہے اگر کوئی ہاتھ اٹھا کر دعا پڑھے تو وہ شریعت کی نظر میں کیسا ہے بعض حضرات ہاتھ اٹھا کر دعا پڑھنے والوں پر اعتراض کرتے ہیں ان کے اعتراض کی کیا حیثیت ہے؟

الجواب:

اذان کے بعد بلا رفع یدین دعا مانگنا افضل ہے علامہ انور شاہ کشمیری نے بھی اذان کی دعا میں عدم رفعِ یدین کو مسنون قرار دیا ہے کذا فی فیض الباری ج۲ص ۱۶۷۔(۱)

المسنون فی هذا الدعاء أن لا ترفع الأيدی لانه لم يثبت عن النبی ﷺ رفع الخ اور یہی حضرت تھانوی قدس سرہ کی تحقیق ہے۔(۲) لٰہذا دعاء ماثورہ بلا رفع یدین پڑھنا چاہیے اور جو لوگ عدم رفع یدین پر اعتراض کرتے ہیں ان کا اعتراض محتاج دلیل ہے۔

دلائل:

(۱) المسنون فی هذا الدعاء أن لا ترفع الايدی لأنّه لم يثبت عن النبی. صلی اللّٰه عليه وسلم رفعها. (فيض الباری: ۳۱۴ ج:۲. باب الدعاء عند النداء) دار الكتاب بيروت.

(۲) وكذا فی إمداد الفتاویٰ ص ۱۶۳ ج: ۱ زکریا بک ڈپو قديم نسخه.

وكذا في فتاوىٰ محمودیّة ص: ۴۳۲ ج: ۵ مكتبه شيخ الإسلام.

أحسن الفتاوىٰ: ص: ۲۹۸ ج: ۲ زكريا.

تکبیر مقتدی کھڑے ہو کر سنیں یا بیٹھ کر؟

سوال: تکبیر مقتدی کھڑے ہو کر سنیں یا بیٹھ کر؟

الجواب:

اس مسئلہ کی تفصیل یہ ہے جیسا کہ عالمگیری (۱/۵۷) (۱) اور بدائع الصنائع (۲) (۱/۲۰۰) میں پر مذکور ہے کہ امام اگر جانب غرب سے مسجد میں داخل ہو مثلاً جدار قبلہ میں یا اس کے آس پاس حجرہ ہو یا دروازہ ہو تو جوں ہی امام پر نظر پڑے سب کھڑے ہو جائیں اور اگر امام مقتدی کی پشت کی طرف سے آئے مثلاً حوض یا وضو خانہ سے تو امام جس جس صف پر پہونچتا جائے صف کھڑی ہوتی جائے یہاں تک کہ جب امام مصلیٰ پر پہونچے تو سارے مقتدی کھڑے ہو چکے ہوں ان دونوں صورتوں میں تکبیر کھڑے ہو کر سنے، تیسری صورت یہ ہے کہ امام محراب کے قریب ہو مثلاً عصر کی نماز پڑھا کر کتاب سنانا شروع کردے یا وعظ شروع کردے اور سارے مقتدی اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے رہیں حتیٰ کہ مغرب کا وقت آجائے، اذان ہو اس کے بعد تکبیر ہو تو جب مکبر حی علی الصلوٰۃ یا حی علی الفلاح پر پہونچے تب سارے لوگ کھڑے ہوں صرف اس

صورت میں تکبیر کا کچھ حصہ بیٹھ کر کچھ کھڑے ہو کر سننا ہے نیز کتب فقہ میں یہ بھی مذکور ہے کہ حی علی الصلوٰۃ پر کھڑے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے بعد تک نہ بیٹھا رہے لہٰذا اگر شروع اقامت ہی سے کوئی کھڑا ہو جائے تو بھی کوئی حرج نہیں۔ یہ سب مسائل درمختار اور اس کی شرح طحطاوی میں ج ا ص ۲۱۵ پر مذکور ہیں۔ نیز امام محمدؒ نے کتاب الصلوٰۃ میں اس کی تصریح کی ہے کہ امام ابوحنیفہؒ سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص شروع اقامت سے کھڑا ہو جاتا ہے اس کا کیا حکم ہے؟ فرمایا لاحرج کوئی حرج نہیں۔ نیز حضرات فقہاء نے اس کو نہ واجبات میں شمار کیا ہے نہ سنن مؤکدہ میں بلکہ ہلکا سا مستحب ہے۔

حضرت رسول پاک ﷺ کے دور مبارک میں صحابہ کرام پہلے سے صف بستہ کھڑے ہو جاتے تھے حالانکہ سرکار دو عالم ﷺ حجرہ مبارکہ میں تشریف فرما ہوتے اس پر آپ نے فرمایا کہ جب تک میں حجرہ سے باہر نہ آجاؤں تم لوگ کھڑے نہ ہوا کرو پھر یہ معلوم ہو گیا تھا کہ صحابہ کرام صف بنا کر بیٹھ جاتے اور مؤذن کی نگاہ حجرہ شریفہ پر رہتی جونہی سرکار دو عالم ﷺ تشریف آوری کے لئے پردہ ہٹاتے مؤذن کھڑا ہو کر تکبیر شروع کر دیتا اور تمام صحابہ کھڑے ہو جاتے جب سرکار ﷺ مصلی پر پہنچتے تو سارے صحابہ کو صف بستہ کھڑا ہوا پاتے یہ صورت حضور ﷺ کے زمانہ میں نہیں تھی کہ آپ ﷺ تو مصلیٰ پر تشریف فرما ہوں اور سارے صحابہ اپنی اپنی جگہ بیٹھے رہیں اور مکبر تنہا کھڑا ہو کر تکبیر کہے اور جب وہ حی علی الصلوٰۃ پر پہنچے تب سارے صحابہؓ کھڑے ہوتے ہوں۔ (بذل المجہود ا/۳۰۷)

دلائل:

(۱) إن كان المؤذن غير الإمام وكان القوم مع الإمام في المسجد فإنّه يقوم الإمام والقوم إذا قال المؤذن حيّ على الفلاح عند علمائنا الثلاثة وهو الصحيح فامّا إذا كان الإمام خارج المسجد فإن دخل المسجد من قبل الصفوف فكلّما جاوز صفّا قام ذلك الصفّ وإليه مال شمس الأئمة الحلواني والسرخسي وشيخ الإسلام خواهر زاده وإن كان الإمام دخل المسجد من قدامهم يقومون كما رأوا الإمام. (هنديه ص۵۷ ج: ۱، مكتبه رشيديه)

(۲) وكذا في البدائع الصنائع ص۲۰۰. ۲۰۱/ ج: ۱. دار الكتاب بيروت. (وزكريا بک ڈپو ص۴۶۸ /ج: ۱).

(۳) وفي بذل المجهود ص۳۶۴. ۴۶۵ / ج:۳. مركز الشيخ أبي الحسن الندوي).

اقامت کے وقت مقتدی کب کھڑے ہوں؟

سوال: زید کہتا ہے کہ مقتدیوں کو حی علی الفلاح کے وقت کھڑا ہونا چاہئے اس سے پہلے

کھڑا ہونا درست نہیں اور جو کھڑا ہوجاتا ہے اس کو بٹھا دیتا ہے اور کہتا ہے کہ فقہ حنفی کے اندر بھی ایسا ہی لکھا ہے جیسا کہ طحطاوی کے اندر ہے کہ اس سے قبل کھڑا ہونا مکروہ ہے کیا یہ صحیح ہے، نیز مقتدی کو کس وقت کھڑا ہونا چاہئے۔

الجواب:

مسئلہ مذکورہ کو بعض حضرات نے اپنا مخصوص شعار قرار دے لیا ہے اور اس پر اتنا زور دیتے ہیں کہ جس کی حد نہیں حتی کہ طعن و تشنیع، سب و شتم، پر آمادہ ہوجاتے ہیں حالانکہ حدیث پاک میں آیا ہے "**سباب المسلم فسق و قتاله كفر**" (مشکوٰۃ شریف)۔(۱)

مگر بعض حضرات ان چیزوں کو آلہ طہارت سمجھتے ہیں اور بسا اوقات آبرو ریزی پر اتر آتے ہیں۔ حالانکہ فخر دو عالم ﷺ کا اس کی حرمت کے سلسلہ میں ارشاد موجود ہے فرمایا **كل مسلم على المسلم حرام دمه وماله وعرضه** .(۲)

کتب فقہ کے تتبع اور اس پر نظر بصیرت ڈالنے کے بعد مسئلہ کی یہ نوعیت ظاہر نہیں ہوتی تفصیل اس مسئلہ کی یہ ہے کہ اگر امام نماز پڑھانے کے لئے سامنے سے آئے مثلاً جدار قبلہ میں یا اس کے آس پاس کوئی حجرہ ہو دروازہ ہو وہاں سے آئے تو فقہاء نے لکھا ہے جیسے ہی امام پر نظر پڑے سب کھڑے ہوجائیں اور اگر امام مقتدیوں کی پشت کی طرف سے نماز پڑھانے آتا ہے مثلاً مسجد کے مشرقی جانب میں حوض ہے یا وضو خانہ ہے وہاں سے آئے تو امام جس جس صف پر پہونچتا جائے وہ صف کھڑی

ہوتی جائے یہاں تک کہ امام صاحب جب اپنے مصلیٰ پر پہونچیں تو تمام مصلی کھڑے ہو چکے ہوں۔

اور اگر امام صاحب محراب کے قریب ہوں مثلاً عصر کی نماز پڑھا کر کسی کتاب کے سنانے یا وعظ وتقریر میں مصروف ہو گئے تا آنکہ مغرب کی نماز کا وقت آ گیا اور تمام نمازی اپنی اپنی جگہ عصر کے بعد مغرب تک بیٹھے رہے اور اذان کا وقت آ گیا اذان ہوئی تو اس صورت میں سب بیٹھے رہیں اور جب مکبر حی علی الصلوٰۃ اور ایک قول کے مطابق حی علی الفلاح پر پہونچے تب سب کھڑے ہو جائیں نیز یہ بھی کتب فقہ میں مذکور ہے کہ حی علی الصلوٰۃ پر کھڑے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے بعد تک نہ بیٹھا رہے لہٰذا اگر شروع اقامت سے ہی کھڑا ہو جائے تو بھی کوئی حرج نہیں یہ مسائل در مختار اور اس کی شرح طحطاوی وغیرہ میں مذکور ہیں۔

ومن الادب القيام اى قيام القوم والامام ان كا حاضرا بقرب المحراب حين قيل اى وقت قول المقيم حى على الفلاح لانه امربه فيجاب وان لم يكن حاضرًا يقوم كل صفٍ حين ينتهى اليه الامام فى الاظهر (مراقى الفلاح ص ١٥١) وفى الطحطاوى على مراقى الفلاح تحت قوله يقوم كل صف الخ. (٣)

وفى عبارة بعضهم فكلما جاوز صفًا قام ذلك الصف الخ وان دخل من قدامهم قاموا حين رأوه ص ١٥١ وهكذا فى البحر ج ا

ص ۳۰۴ والقیام حین قیل حی علی الفلاح لانه امر به فیستحب المسارعة الیه اطلقه فشمل الامام والماموم ان کان الامام بقرب المحراب والا فیقوم کل صف ینتهی الیه الامام وهو الاظهر وان دخل من قدام وقفوا حین یقع بصرهم علیه الخ (هٰکذا فی بدائع الصنائع للعلامة الکاسانی، ج ۱ ص ۱۰۰ و ج ۱ ص ۲۰۱). (۴)

اورحی علی الفلاح پر کھڑے ہونے کا جو اوپر مطلب بیان کیا گیا ہے بحرالرائق کی درج ذیل عبارت سے بھی وہی مفہوم ہوتا ہے فرمایاو القیام حین قیل حی علی الفلاح لانه امر به فیستحب المسارعة الیه (بحرالرائق ج اص ۳۰۴)اور حی علی الفلاح پر کھڑا ہونا اس لئے افضل ہے کہ لفظ حی علی الفلاح میں کھڑے ہونے کا امر ہے اس لئے قیام میں مسارعت کرنی چاہئے۔

اس لئے معلوم ہوا کہ جن حضرات نے حی علی الفلاح یا قد قامت الصلوٰۃ پر کھڑے ہونے کو مستحب فرمایا ہے ان کے نزدیک استحباب کا مطلب یہ ہے کہ اس امر کے بعد بیٹھا رہنا خلافِ ادب ہے نہ کہ یہ اس سے پہلے کھڑا ہوجانا خلافِ ادب ہے کیونکہ پہلے کھڑے ہونے میں تو اور زیادہ مسارعت پائی جاتی ہے۔ نیز امام محمدؒ نے کتاب الصلوٰۃ میں لکھا ہے کہ میں نے امام اعظمؒ سے دریافت کیا کہ ایک شخص بیٹھا رہتا ہے اور حی علی الصلوٰۃ پر کھڑا ہوتا ہے اس کا کیا حکم ہے جواب دیا کوئی حرج نہیں۔

پھر میں نے پوچھا ایک شخص شروع اقامت سے کھڑا ہوجاتا ہے کیا حکم ہے

فرمایا لاحرج اس میں بھی کوئی حرج نہیں اس سے معلوم ہوا کہ مسئلہ کی اتنی اہمیت نہیں جتنی اہمیت بعض علاقوں میں دیدی گئی ہے بلکہ ہلکا سا مستحب اور ادب قرار دیا ہے جس سے اور بھی اہمیت کم معلوم ہوتی ہے۔

حضرت نبی اکرم ﷺ کے دور مبارکہ میں حضرات صحابہ کرامؓ پہلے سے صف بستہ کھڑے ہوجاتے تھے حالانکہ اس وقت نبی اکرم ﷺ حجرہ مبارکہ سے باہر تشریف بھی نہیں لاتے جیسا کہ مسلم شریف ج۱ ص۲۲۰ میں یہ روایت موجود ہے۔(۵)

عن ابی هریرۃؓ یقول اقیمت الصلوٰۃ فقمنا فعدلنا الصفوف قبل ان یخرج الینا رسول اللہ ﷺ .

اس پر حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ جب تک میں حجرہ سے باہر نہ آجاؤں تم لوگ کھڑے نہ ہوا کرو جیسا کہ یہ روایت مسئلہ مجوثہ عنہا کے سلسلہ میں استدلالاً صاحب بدائع نے بھی ذکر کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔**فان کان ای الامام خارج المسجد لا یقومون مالم یحضر لقول النبی ﷺ لا تقوموا فی الصف حتی ترونی.** (بدائع الصنائع ج۱ ص۲۰۰) نیز اس روایت کی تخریج امام بخاری علیہ الرحمہ نے بھی بخاری جلد اول ص۸۸ باب متٰی یقوم الناس اذا رأوا الامام عندالاقامۃ کے تحت کی ہے۔ (۶)

آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد پاک لاتقوموا حتی ترونی کے بعد صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا یہ معمول بن گیا تھا کہ جب مسجد میں آتے تو صف لگا کر بیٹھ جاتے

اور مؤذن کی نظر حجرہ شریفہ کی طرف رہتی جونہی آنحضرت ﷺ نے تشریف آوری کے لئے پردہ اٹھایا اور مؤذن نے دیکھا فوراً کھڑے ہوکر تکبیر شروع کردی اور تمام صحابہؓ کرام کھڑے ہوجاتے، جب آنحضرت ﷺ مصلی پر پہونچتے تو سب کو کھڑا ہوا پاتے چنانچہ اس روایت کی تخریج علامہ زرقانی نے شرح مؤطا میں بھی کی ہے۔ **ان بــــلالاً كـان يـراقب خروج النبی ﷺ فاوّل ما يراه يشرع فی الاقامة قبل ان يـراه غـالـب الـنـاس فثم اذا رأوه قـامـوا فـلا يقوم مقامه حتى تعتدل صـفـوفهم** . یہ صورت نہیں تھی کہ حضور اقدس ﷺ تو مصلی پر تشریف فرما ہیں اور سب صحابہ اپنی اپنی جگہ بیٹھے رہیں اور مکبر تنہا کھڑا ہوکر تکبیر کہے اور جب حی علی الصلوٰۃ پر مکبر پہونچے تب سب حضرات کھڑے ہوں یہ تفصیل بذل المجہود شرح ابی داؤد میں بھی موجود ہے۔ فلیراجع للتفصیل۔ (۷)

اور طحطاوی کی جس عبارت سے غلط فہمی پیدا ہوتی ہے وہ یہ ہے۔ **واذا اخــذ الـمـؤذن فـی الاقـامة ودخـل رجـل فـانه يقعد ولا ينتظر قائمًا كما فی المضمرات قهستانی طحطاوی ص ۱۵۱ .**

اس عبارت کا جو مفہوم مراد لیا گیا ہے وہ اس جگہ مراد نہیں ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ امام کے آنے سے قبل مؤذن نے اقامت شروع کردی اس وقت کوئی آدمی آیا تو اس کو چاہئے کہ بیٹھ جائے کھڑے ہوکر انتظار نہ کرے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ امام موجود ہو اور تکبیر کہی جارہی ہو اس وقت کوئی آئے تو اس کو کھڑا رہنا مکروہ

ہے چونکہ یہ مفہوم احادیث کے بھی خلاف ہے نیز فقہ حنفی کی دوسری معتمد ومتداول کتابوں کی تصریح کے بھی خلاف ہے جیسا کہ اس کی تفصیل ماسبق میں گذر چکی ہے۔ نیز علامہ طحطاوی نے بھی درمختار کی شرح میں وہی تفصیل بیان کی ہے جو دوسری کتبِ فقہ میں مذکور ہے۔ تو کیسے ہم کہہ دیں کہ مصنف علیہ الرحمہ کی مراد اس عبارت سے مفہوم اول ہے نیز مفہوم اول تمام متون وشروح حنفیہ کے مخالف ہونے کی وجہ سے قابل ترک ہے۔ امید ہے کہ اس تفصیل سے تمام شکوک زائل ہو جائیں گے اور مسئلہ منقح ہو کر سامنے آجائے گا۔ نیز حضرت تھانوی نوراللہ مرقدہ نے بھی اس مسئلہ پر گفتگو کی ہے جی چاہ رہا تھا کہ استبراکاً اسے نقل کردوں مگر خوفِ طوالت کی وجہ سے اس کو ترک کردیا ہے صحیح طلب والے اگر دیکھنا چاہیں تو دیکھ لیں۔ (امداد الفتاویٰ جلد ا ص ۱۱۹)۔(۸)

دلائل:

(۱) سباب المسلم فسوق: (مشکوۃ المصابیح ص ۴۱۱/ج:۲) مکتبه ملت دیوبند.

(۲) كل مسلم على المسلم: (مشكوٰة المصابيح ص ۴۲۲/ ج:۲) مکتبه ملت دیوبند.

(۳) ومن الأدب القيام أى قيام القوم والإمام.... (حاشية الطحطاوى على المراقى ص۱۷۴) دار الكتاب ديوبند.

(۴) القيام حين قيل حيِّ على الفلاح لأنّه أمربه فيستحب المسارعة اليه أطلقه.... (البحر الرائق ص ۳۰۴). سعيد (وفى البدائع الصنائع ص ۲۰۰. ۲۰۱ ج: ۱) دار الكتاب العربيه بيروت.

(۵) عن أبى هريرةؓ يقول أقيمت الصلاة فقمنا فعدّلناالصفوف قبل أن يخرج إلينارسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم. (مسلم شريف ص ۲۲۰ ج: ۱، ياسر نديم اينڈ كمپنى).

(۶) فان كان أى الإمام خارج المسجد لا يقومون مالم يحضر لقول النبى صلى الله عليه وسلم. لا تقوموا فى الصف حتى ترونى. (البدائع الصنائع ص ۲۰۰ ج: ۱) دار الكتاب العربيه بيروت. (وذكر هذا الحديث فى بخارى شريف: ص۸۸ ج: ۱)، كتب خانه اشاعت الإسلام.

(۷) إنّ بلالاً كان لا يقيم حتى يخرج النبى. صلى الله عليه وسلم أخرجه مسلم... إنّ بلالاً كان يراقب خروج النبى. صلى الله عليه وسلم فأوّل ما يراه يشرع فى الاقامة قبل ان يراه غالب الناس، ثمّ إذا رأوه قا موفلا يقوم فى مكانه حتى تعدل صفوفهم. (بذل المجهود ص ۳۶۴) مركز الشيخ أبى

الحسن الندوی. (وکذا فی عمدة القاری ص ۲۱۴ ج:۴) زکریا.

(۸) وکذا فی امداد الفتاویٰ ص ۱۸۴ / ج: ۱) زکریا بک ڈپو قدیم نسخه.

باب الامامت

داڑھی کٹانے والے کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

سوال: جو شخص داڑھی کٹاتا ہے اس کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب:

لحیہ کی مقدار شرعی ایک قُبضہ ہے ایک قُبضہ تک پہنچنے سے پہلے کٹوانا یا ایک قبضہ ہو جانے کے بعد ایک قبضہ سے کم کروانا کسی کے نزدیک بھی مباح نہیں درمختار و فتح القدیر میں ایسے شخص کے متعلق بہت سخت الفاظ موجود ہیں غرضیکہ جو شخص مقدار شرعی داڑھی نہ رکھتا ہو کٹواتا ہو وہ فاسق ہے اور فاسق کی اقتداء درست نہیں فاسق کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے۔

قال اصحابنا لا ينبغي ان يقتدى بالفاسق الا فى الجمعة لانه فى غيرها يجدا مامًا غيره وبعد اسطر قال تكره امامته بكل حال بل مشى فى شرح المنية على ان كراهة تقديمه كراهة تحريم لما ذكرنا قال ولذا لم تجز الصلوة خلفه اصلا عند مالك ورواية عن احمد (در مختار ج ۱ ص ۵۲۳). (۱)

دلائل:

(۱) الدر المختار: ۱/۵٦۰. مكتبه كراچى.

بـأن تـقـديـمـه لـلإمامة تعظيمه وقد وجب علهم إهانة شرعاً.
(الدر المختار: ١/٥٦٠. مكتبه كراچى)

(٣) تـكـره إمامة الفاسق العالم لعدم إهتمامه بالدين وأجاز الإمامة لـمثـلـه يـقوله عليه السلام. ولا يؤمن فاجر مؤمناً اّلا أن لقهره بسـلـطـان يـخـاف سيـفـه أو سوطه. (الفقه الإسلامى وأدلته: ١٢٠٥/٢. مكتبه دار الفكر.

ولـذاكـره إمـامة الـفـاسـق العالم لعدم اهتمامه بالدين فتجب إهـانتـه شـرعـاً فـلا يـعـظـم بتـقـديمـه الإمـامة. وتـحتـه فى الـطـحطاوى. والمراد الفاسق بالجارحة لا بالعقيدة. (حاشية الطحطاوى: ٣٠٢. ٣٠٣. دار الكتاب ديوبند).

مرد کے لئے صرف عورتوں کی امامت کرنا کیسا ہے؟

سوال: عورتوں کے لئے مرد کی امامت جائز ہے یانہیں؟ ایک آدمی ہے جو اپنے گھر کی چند عورتوں کو جمع کر کے امامت کرتا ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ وہ خود اکیلا ایک کمرے میں ہوتا ہے اور عورتیں دوسرے کمرے میں یا اسی کمرے میں پردہ کے پیچھے ہوتی ہیں اس طرح سے وہ اپنے گھر کی عورتوں کی امامت کرتا ہے کیا یہ طریقہ درست ہے یانہیں؟

الجواب:

مرد عورت کی امامت کرسکتا ہے جائز ہے مرد ایک کمرہ میں ہو اور عورتیں دوسرے کمرہ میں اس طرح بھی امامت جائز ہے بشرطیکہ امام ومقتدی کے درمیان دو صف کی مقدار سے زائد فاصلہ نہ ہواسی طرح امام کی آواز صاف سنائی دیتی ہو کذا فی الطحطاوی علی المراقی۔ (۱)

دلائل:

(۱) ونية الرجل الإمامة شرط لصحة اقتداء النساء به. (حاشية الطحطاوی ص: ۲۹۰) دار الكتاب

إمامة الرجل للمرأة جائزة إذا نوى الإمام إمامتها. (الهندية ص: ۱۴۳ ج: ۱، زكريا)

إمامة الرجل للمرأة جائز اذا نوى الامام امامتها. (الفتاوىٰ التاتارخانيه ص: ۲۷۸/ ج: ۲) زكريا.

صرف عورتوں کی جماعت کا حکم

سوال: عورتوں کا مردوں کے ساتھ مل کر نماز ادا کرنا یا صرف تنہا عورتوں کا جماعت سے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

عورتوں کا جماعت سے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ **ویکره تحريمًا جماعة النساء ولو في التراويح** (درمختار(۱) ج ا ص ۳۸۰ کذا فی مجمع الانہر ص ۱۰۸)۔

دلائل:

(۱) شامي ص: ۳۰۵/ ج: ۲. زكريا.

(۲) مجمع الأنهر ص: ۱۰۸ ج: ۱. قديم. الفتاوىٰ الهندية ص: ۸۵/ ج: ۱. رشيديه.

طحطاوي على المراقي ص: ۱۶۶. دار الكتاب.

العناية على هامش فتح القدير ص: ۳۶/ ج: ۱ دار الفكر.

التاتار خانية ص: ۲۶۴/ ج: ۲. زكريا.

البحر الرائق ص: ۶۳۴/ ج: ۱. سعيد.

عالم فاسق اور جاہل متقی میں کون امامت کا اہل ہے؟

سوال : ایک مسجد میں دو شخص ہیں دونوں نماز پڑھانے کے اہل ہیں ایک عالم فاسق ہے اور دوسرا جاہل متقی ہے۔

الجواب:

اگر جاہل متقی نماز کے احکامات سے واقف ہے تو اسی کو امام بنایا جائے عالم

فاسق کوامام نہ بنایا جائے وکـره امامة الجاهل اذ لو كان عالمًا تقيًا لا تكره امـامتـه لان الـكـراهة لـلـنـقـائـص ولذاكره امامة الفاسق العالم لعدم اهتـمامه بالدين .فتـجـب اهـانته شرعًا فلا يعظم بتقديمه. (۱) (مراقی الفلاح ص۳۰۲ کذافی ردالمحتار ج۲ ۱ص۳۷۶)۔(۲)

دلائل:

(۱) طحطاوی ص:۳۰۳ دار الكتاب.

(۲) وكـراهة تـقـديـمـه بـأنه لا يهتم لأمر دينه وأن فى تقديمه للإمامة تـعـظـيـمه وقد وجب عليهم اهانته شرعاً. (شامی ص ۳۵۶ ج: ۲ أشرفيه).

ويـكره أن يكون الإمام فاسقاً ويكره للرجال أن يصلوا خلفه. (تاتارخانيه ص ۳۴۹ ج: ۱ زكريا).

إن كـراهة تـقـديـم الـفاسق كراهة تحريم لعدم اعتناء ه بأمور ديـنية وتسـاهـلـه فـى الإنسـان بلوا زمه فلا يبعد عنه الإخلال ببعض شروط الصلاة. (حلبى كبيرى ص۵۱۳ دار الكتاب).

وتـجـوز إمـامة الأعـرابـى والـفـاسـق إلا أنها تكره. (الفتاوىٰ الهندية ۱۴۳ ج: ۱ زكريا).

سوال: جن کی امامت صحیح ہے یا نہیں؟ اوراس کے پیچھے نماز پڑھنے والوں کی نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟

الجواب:

جن کی امامت صحیح ہے اوراس کے پیچھے نماز پڑھنے والوں کی نماز صحیح ہوگئی۔

”والجماعة سنّة مؤكدة للرجال واقلها اثنان واحد مع الامام ولو مميز او ملكا أو جنيا فی مسجد او غيره وتصح امامة الجنّی لانه مكلف“ (الدرالمختار مع ردالمختار: ۱/۳۷۳)۔(۱)

دلائل:

(۱) الدر المختار ص۸۲ ج: ۱، أشرفيه.

وتصح إمامة الجنی. (الدر المختار مع الشامی ص: ۵۵۴ ج: ۱، کراچی).

أنه سئل عن الجن هل تصح الصلاة خلفه؟ فقال نعم. لأنهم مكلفون والنبی مرسل إليهم. (آكام المرجان فی أحكام الجان الباب السادس والعشرون ص: ۶۱ دار الكتب العلمية).

شرٹ پہن کر امامت کرنے کا حکم

سوال: کوئی شخص امامت کرے اور وہ خود نماز کی پابندی نہ کرے، پینٹ اور شرٹ پہن کر امامت کرے جبکہ امام صاحب کو کئی بار یعنی دو بار ٹوکا گیا کہ امام صاحب آپ امامت کرتے ہیں، شرٹ پہن کر ٹھیک نہیں ہوتا ہے، جبکہ کرتا پائجامہ گھر پر موجود ہونے پر شرٹ پہن کر امامت کرتے ہیں، لہٰذا یہ امامت شرٹ پہن کر ٹھیک ہے یا نہیں؟

الجواب:

اس صورت میں امام صاحب کے پیچھے شرعاً نماز جائز ہے یعنی نماز ہو جائیگی ہاں امام صاحب کے لئے مناسب یہ ہے کہ لباس (ا) شرعی اختیار کریں تا کہ منصب امامت کی توہین نہ ہو، اور امام صاحب کے لئے خود نماز کا پابند ہونا تو بہر حال ضروری ہے، اگر امام صاحب کے پاس شرٹ کے علاوہ کوئی کرتا نہ ہو تو مقتدیوں کو چاہئے کہ امام صاحب کو اپنی طرف سے شرعی کرتا بنوا کر ہدیہ کر دیں تا کہ امامت کے وقت لازماً پہن لیا کریں، یہ سب باتیں تو ان کی ایمانداری پر دلالت کرتی ہیں کہ نماز کا اتنا تو اہتمام کرتے ہیں، بہت سے لوگ تو یہ بھی نہیں کرتے۔ فجر کی نماز میں دو رکعت سنت مؤکدہ اور دو رکعت فرض، ظہر کی نماز میں چار رکعت فرض اور فرض سے پہلے چار رکعت سنت مؤکدہ اور فرض کے بعد دو رکعت سنت مؤکدہ اور باقی نوافل ہیں ضروری نہیں،

اسی طرح عصر کی نماز چار رکعت ہے اس سے پہلے سنت غیر مؤکدہ ہے واجب نہیں، مغرب کی تین رکعت فرض اور دو رکعت سنت مؤکدہ باقی نفل ہے، عشاء کی نماز چار رکعت فرض دو رکعت سنت مؤکدہ اور تین رکعت وتر باقی نوافل ہیں، سنت غیر مؤکدہ اور نوافل اختیاری ہیں، جی چاہے پڑھے جی چاہے نہ پڑھے، البتہ بہتر یہ ہے کہ پڑھ لیا جائے لیکن اگر کوئی نہ پڑھے تو اس پر طعن و تشنیع جائز نہیں۔

فجر کی نماز اگر قضاء (۲) ہوگئی اور زوال سے پہلے اس کو ادا کیا تو سنت کے ساتھ اس کی قضاء کرنی چاہئے اور اگر زوال کے بعد ادا کیا تو فجر کی سنت کا پڑھنا ضروری نہیں اور اگر ظہر کی نماز چھوٹ جائے اور قضاء ہونے سے پہلے اس کو ادا کیا جائے تو چار رکعت سنت چار رکعت فرض پھر دو رکعت سنت یعنی دس رکعت پڑھنا ضروری ہے، ظہر سے پہلے اور بعد کی سنتیں مؤکدہ ہیں، لہٰذا اس کے چھوڑنے پر گناہ ہوگا، البتہ اگر ظہر کی نماز کا وقت نکل گیا اور نماز قضاء ہوگئی تب صرف چار رکعت کی قضاء ہے، سنت کی قضاء نہیں، کسی بھی نماز کی قضاء ہو جانے کے بعد اس کو ادا نہ کرنا بہت بڑا گناہ ہے اس لئے وقت نکال کر فوت شدہ نمازیں پڑھ لینی چاہئے۔

امامت کے لئے حافظ اور پورا مولوی ہونا شرط اور ضروری نہیں (۳) ہے، البتہ نماز کے مسائل کا جاننا ضروری ہے، اگر امام صاحب نماز کے ضروری مسائل سے واقف ہوں تو ٹھیک ہے، لوگوں کو کراہت کیوں ہوتی ہے؟ لوگ کیا چاہتے ہیں؟ ان کو ہٹانا ہی چاہتے ہیں؟ یا یہ چاہتے ہیں کہ امام صاحب اور دیندار ہو جائیں اگر لوگ امام

صاحب کی اور دینداری چاہتے ہیں تو امام صاحب سے ادب کے ساتھ درخواست کرنا چاہئے کہ بعض چیزیں آپ کی لوگوں کو ناگوار ہوتی ہیں ان کو آپ تبدیل کردیں بے وجہ فتنہ وفساد اچھی بات نہیں ہے، ہاں اگر امام صاحب از خود امامت سے سبکدوش ہو جائیں تو ان کا یہ عمل محمود ہوگا، حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر کسی کی امامت سے لوگ کسی امر دینی کی وجہ سے ناراض ہوں تو امام کو امامت چھوڑ دینی چاہئے، اور اگر لوگوں کی وجہ ناراضگی بغض وعناد اور عداوت ودشمنی ہو تو مقتدیوں کو ان صفات رزیلہ سے توبہ واستغفار کرنا چاہئے۔

ضرور نماز جنازہ پڑھنی چاہئے کیونکہ کلمہ پڑھنے والا مسلمان ہے، اور نماز جنازہ اس کا حق ہے حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ (۴) "صلوا علی کل بر وفاجر" ہر نیک وبد پر نماز جنازہ پڑھو لہٰذا وہ نماز جنازہ کا مستحق ہوگا۔

دلائل:

(۱) والمستحب أن يصلي الرجل في ثلاثة أثواب قميص وازار و عمامة. (هنديه ص:١١٦ ج:١) زكريا جديد (وفي حلبى كبيرى ص٢١٦) سعيد اكيڈمی لاهور. (وفي التاتارخانيه ص:٢٠٣ ج:١). زكريا.

(۲) لم تقض سنّة الفجر الّا إذا فاتت مع الفرض فتقضى تبعاً للفرض سواء قضاها مع الجماعة أو وحده لأنّ الأصل في

السنّة أن لا تقضی لا ختصاص القضاء بالواجب وقيّد بسنّة الفجر لأنّ سائر السنن لا تقضی بعد الوقت الاتبعا ولامقصوداً وقضی التی قبل الظهر فی وقته. (البحر الرائق ص: ۷۴ ج: ۲) وفی مجمع الأنهر ص ۲۱۱. ۲۱۲، ج: ۱) فقيه الامت (وفی الشامی ص: ۶۲۲. ۶۲۳ ج: ۲) اشرفيه.

(۳) أعلم باحكام الصلاة الحافظ مابه سنّة القراء ة ويجتنب الفواحش الظاهرة... أحق بالإمامة. (حاشية الطحطاوی علی المراقی ص: ۲۹۹) دار الكتاب (وفی الشامی ص: ۳۵۰ ج: ۲) اشرفيه (وفی البحر الرائق ص: ۳۴۷ ج: ۱) سعيد.

(۴) ويصلی علی كلّ مسلم مات بعد الولادة، صغيراً كان أو كبيراً ذكراً كان أو أنثی، حرًّا كان أو عبداً إلّا البغاة وقطاع الطريق ومَن بمثل حالهم. (هنديه ص: ۲۲۴ ج: ۱) زكريا جديد (وفی الشامی ص ۱۲۵. ۱۲۶ ج: ۳) اشرفيه (وفی التاتارخانيه ص: ۵۳ ج: ۳) زكريا.

امام کولقمہ کب دے؟

سوال: فرائض میں امام جہری قرأت کررہاہواوروہ کہیں بھول جائے تو مقتدی کو

کب لقمہ دینا چاہئے؟

الجواب:

اس سلسلہ میں ضابطہ یہ ہے کہ اگر امام تین آیت سے کم قرأت کیا ہو پھر بھول جائے اورا آگے کی آیت یا کوئی دوسری سورت یاد نہ آرہی ہو تب لقمہ دینا چاہئے۔ لیکن اگر بقدر جواز صلوٰۃ قرأت کر چکا ہو پھر بھول جائے تو ایسی صورت میں امام رکوع کرلے یا دوسری سورت پڑھے اور مقتدی لقمہ نہ دے کیونکہ بعض ائمہ کے نزدیک اس صورت میں لقمہ دینے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ اس لئے لقمہ دینے والے حضرات مسئلہ کی نزاکت ذہن میں رکھ کر لقمہ دیا کریں۔ ہدایہ شرح بنایہ ج ۲ ص ۴۹۷ میں ہے: (۱)

وینبغی للمقتدی ان لا یعجل بالفتح وللامام ان لا یلجئهم الیه ای الفتح بل یرکع اذا جاء او انه ای او ان الرکوع وهو ان یقرأ مقدار ما تجوز به الصلوۃ او ینتقل الی اٰیة اخری، الی قوله وفی جامع التمرتاشی لو استفتح بعدما قرأ مقدار ما تجوز به الصلوۃ ففتح علیه اختلفوا فیه فقیل یفسد صلوته ولو اخذ الامام تفسد صلوۃ الکل والاصح انه لا یفسد صلوۃ احد، الی قوله وعن ابی حنیفةؒ لا لاحد ان یفتح علی امامه وان فعل فقد اساء ولا تفسده هٰکذا فی الفتاوی الهندیه ج ۱ ص ۹۹.

دلائل:

هندیه ج: ا، ص: ۹۹. رشیدیه. پاکستان.

(۱) بنایه ج: ۲، ص: ۴۹۷. دار الفکر بیروت.

هدایه ج: ا، ص: ۱۳۶. تهانوی دیوبند.
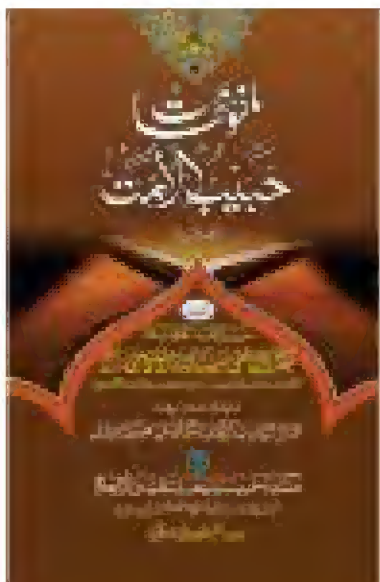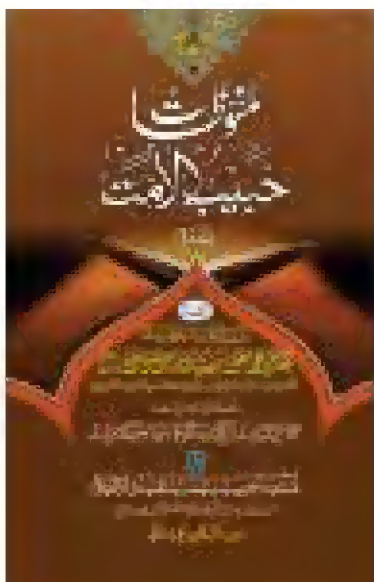
باب الجمعة

مسجد بند ہونے کی صورت میں جمعہ کے دن کونسی نماز پڑھی جائے؟

سوال: ہمارے یہاں مسجد پر تالا لگا دیا گیا۔تو ابھی جمعہ کے دن کونسی نماز پڑھنی ہوگی؟ جبکہ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ جمعہ کی نماز ہی پڑھنی ہوگی۔

الجواب

بلا وجہ شرعی مسجد کو مقفل کر دینا شرعاً درست نہیں ہے۔البتہ کسی شرعی عذر کی وجہ سے ہو تو امر اخر ہے،موجودہ صورت حال میں نمازیوں کی تخفیف و تقلیل ایک مجبوری ہے، جس کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔لہٰذا صورت مسئولہ میں محلے کے لوگوں کو چاہئے کہ چند لوگ ایک ساتھ جمع ہو کر کہیں بھی جمعہ ادا کر لیں۔امام کے علاوہ صرف تین آدمی کا ہونا جماعت کے صحیح ہونے کے لئے کافی ہے۔ نیز جمعہ کے صحیح ہونے کے لئے مسجد کا ہونا شرط نہیں ہے۔حضرت امام ابو حنیفہؒ اور محمدؒ کے نزدیک جہاں جمعہ درست ہے۔ وہاں مختلف جگہوں پہ جماعت ہو سکتی ہے اور اگر شرائط موجود نہ ہوں تو ظہر کی نماز ادا کر لیں۔

دلائل

(۱) "والسادس" "الجماعة" لأن الجمعة مشتقة منها ولأن العلماء أجمعوا على أنها لا تصح من المنفرد. واختلفوا في تقدير الجماعة فعندنا هم ثلاثة رجال. (مراقي الفلاح على نور

الإيضاح مع حاشية الطحطاوی ص: ١١٥. دار الكتاب).

بدائع الصنائع ج: ا ص: ٢٢٦. كراچی.

تبيين الحقائق ج: ا ص: ٢٢٠. بيروت.

النهر الفائق ج: ا ص: ٣٦٠. زكريا.

يصح أداء الجمعة فی مصر واحد بمواضع كثيرة، وهو قول أبی حنيفة ومحمد. وهو الأصح لأن فی الاجتماع فی موضع واحد فی مدينة كبيرة حرجاً بيناً، وهو مدفوع. (البحر الرائق ج:٢ ص:١٥۴).

الدر المختار مع حاشية ابن عابدين ج:٢ ص:١۴۴.

الفقه الاسلامی وأدلته ج:٢ ص:١٣٠٢. دار الفكر المعاصر.

الفتاویٰ الهندية ج: ا ص:١۴۵. رشيديه.

سوال: خطبہ دیتے وقت عصاء لینا کیسا ہے؟

الجواب:

عصا لے کر خطبہ دینا سنت (ا) ہے جیسا کہ علامہ شامی نے قہستانی کے حوالہ سے اس کی تصریح کی ہے ونقل القهستانی عن عيد المحيط ان اخذ العصاء سنة كالقيام الخ ج ا ص ۵۵۳ وہکذا فی الطحطاوی علی المراقی ص ٢٨٠۔

دلائل:

(۱) ولو اعتمد قائماً علی عصا أو قوس کان أیضاً حسناً. (حاشیة الطحطاوی علی المراقی ۵۴۶ باب صلاۃ الکسوف) دار الکتاب.

نقل القهسانی عن عید المحیط أنّ أخذ العصا سنّة کالقیام. (شامی ص:۱۶۳ ج:۲) کراچی.

عن یزید بن البراء عن أبیه. انّ النبی صلی اللہ علیه وسلم خطب علی قوس أو عصا. (مسند احمد بن حنبل ص ۳۰۴ ج:۴ رقم الحدیث: ۱۸۹۱۸)

عن شعیب بن رزیق الطائفی........ فاقمنا بها أیّاماً شهدنا فیها الجمعة مع رسول اللہ. صلی اللہ علیه وسلم. فقام متّکئاً علی عصا أو قوس الخ. (ابوداؤد ص:۱۵۶ ج:۱) مکتبه بلال.

وکذا فی امداد الاحکام ص:۳۶۶ ج:۲، زکریا بک ڈپو.

جوائی میں جمعہ کی تحقیق

سوال:

(۱) غیر مقلدین حضرات جو کہ دیہات میں جمعہ کے جواز کا فتویٰ دیتے ہیں اور

بخاری کے حوالہ سے دلیل پیش کرتے ہیں کہ سب سے پہلے جمعہ کی نماز جواثی نام کے ایک دیہات میں ادا کی گئی آیا یہ صحیح ہے یا غلط اگر صحیح ہے تو احناف دیہات میں جمعہ پڑھنے سے کیوں منع فرماتے ہیں اور اگر غلط ہے تو اس کو بحوالہ کتب فقہ واضح فرمائیں۔

(۲) اور دوسرے یہ کہ جمعہ کی نماز کے جائز ہونے کے لئے جن جن باتوں کو فقہا نے شرط قرار دیا ہے مثلاً مصر کا ہونا حاکم اور قاضی اور بادشاہ یا اس کے نائب کا ہونا وغیرہ یہ سب باتیں تو شاید کسی بھی شہر میں نہ پائی جاسکیں گی تو پھر وہاں جمعہ کی نماز پڑھنا کیوں کر جائز ہے۔

الجواب:

غیر مقلدین دیہات میں جواز جمعہ پر جس روایت سے استدلال کرتے ہیں وہ روایت بخاری شریف جلد اول باب الجمعہ فی القری والمدن میں موجود ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

حدثنا محمد بن المثنی قال حدثنا ابو عامر العقدی قال حدثنا ابراهیم بن طهمان عن ابی حمزة الشعبی عن بن عباسؓ انه قال ان اول جمعة جمعت بعد جمعة فی مسجد رسول اللهﷺ فی مسجد عبد القیس بجواثی من البحرین اور اس روایت کو دوسری سند کے ساتھ امام ابوداؤد نے بھی ج ا ص ۱۵۳ باب الجمعۃ فی القریٰ میں بیان کیا ہے (۱) اور روایت میں بھی قدرے تفاوت ہے: **حدثنا عثمان بن ابی شیبة و محمد بن**

عبد الله المخزمی لفظه قالانا وکیع عن ابراهیم بن طهمان عن ابی حمزة عن ابن عباس قال ان اول جمعة جمعت فی الاسلام بعد جمعة جمعت فی مسجد رسول الله ﷺ بالمدینة لجمعة جمعت بجواثی قریة من قری البحرین قال عثمان قریة من قری عبد القیس .

سب سے پہلے قابل گرفت امر یہ ہے کہ سب سے پہلے جمعہ کی نماز جواثی میں ادا کی گئی یہ بات غیر مقلدین کہاں سے کہتے ہیں یہ تو سراسر کذب ہے اس لئے کہ بخاری وابوداؤد دونوں میں اس کی تصریح ہے کہ جواثی میں بعد میں جمعہ کی نماز ہوئی سب سے پہلے مسجد نبوی میں جمعہ کی نماز ادا کی گئی تو پھر اولیت کا مقام جواثی کو دینا کہاں تک درست ہے البتہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ مسجد النبوی کے بعد سب سے پہلے جواثی میں جمعہ کی نماز ادا کی گئی غیر مقلدین کا کہنا کہ جواثی قریہ (دیہات) تھا یہ بچند وجوہ درجہ صحت سے خارج ہے۔

(۱) قریہ کا اطلاق بسا اوقات شہر پر بھی ہوتا ہے جیسا کہ علامہ ابن الاثیر نے اس کی تصریح کی ہے۔ **وقال ابن الاثیر القریة من المساکن الاجنبیه والضیاع وقد تطلق علی المدن عمدة القاری ج٦ص١٨٦۔(٢)**

پھر جزم کے ساتھ جواثی کے بارے میں دیہات ہونے کا فیصلہ کس حد تک قابل تسلیم ہوسکتا ہے۔

(۲) صاحب المطالع نے تو یہاں تک فرما دیا ہے کہ قریہ وہ مدینہ ہی ہے اور

ہر مدینہ قریہ ہے اس لئے کہ قریہ قریۃ الماء فی الحوض سے ماخوذ ہے اور یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب کوئی آدمی حوض میں پانی جمع کردے تو گویا کہ جس طریقہ پر مدینہ اپنے اندر صفت جامعیت رکھتا ہے اسی طرح قریہ کے اندر بھی یہ صفت ہوتی ہے وقـــال صـاحب المطالع القرية المدينة و كل مدينة قرية لاجتماع الناس فيها مـن قـرية الـمـاء فـي الـحوض اى جمعته الخ (بذل المجهود فی حل ابو داؤد ج٦ ص ٤٤ وعمدة القاری للعینی ج٦ص١٨٦)۔(٣)

(٣) غیر مقلدین بخاری شریف کی جس روایت سے جواثی کو دیہات ثابت کرکے دیہاتوں میں جمعہ کی نماز جائز قرار دیتے ہیں وہ یہ بتلائیں کہ جواثی کا دیہات ہونا ان لوگوں نے کہاں سے ثابت کیا ہے بخاری شریف کی روایت میں تو کہیں بھی اس کی تصریح نہیں ہے کہ جواثی دیہات تھا، اس میں تو فقط اتنا ہے کہ بجواثی من البحرین البتہ ابوداؤد شریف میں جو روایت ہے اس کے اندر اس کے قریہ ہونے کی تصریح ہے قال عثمان قریۃ من قری عبد القیس بہرحال بخاری شریف کی روایت سے جواثی کا دیہات ہونا ثابت نہیں ہوتا اسی وجہ سے امام بخاری علیہ الرحمۃ کے ترجمۃ الباب میں قری کے ساتھ مدن کی بھی تصریح موجود ہے گویا کہ جزم کے ساتھ اس کو قریہ نہیں کہہ سکتے۔

(٤) جواثی کے بارے میں علامہ ابن التین نے شیخ ابوالحسن کا یہ قول نقل کیا ہے کہ وہ مدینہ تھا وحـكـى ابن التين عن شيخ ابی الحسن انها مدينة (عمدة

القاری ج٦ ص ١٨٧)۔(۴)

(۵) ابوعبید البکری نے بھی یہی فرمایا ہے کہ جواثٰی مدینہ تھا وقال ابوعبید البکری ہی مدینۃ بالبحرین بعبد القیس (عینی ج٦ ص ١٨٧)۔(۵)

(٦) امام العصر فخر المحدثین حضرت علامہ انور شاہ کشمیری نے بھی تصریح کی ہے جواثٰی قریہ نہیں تھا بلکہ مصر تھا قلت کیف وجواثٰی لم تکن قریة اصلا بل كانت مصرًا الخ (فیض الباری ج٦ ص ٣٣٠)۔(٦)

(۷) جواثٰی میں ایک قول کے مطابق چار ہزار انسان رہتے تھے اور چار ہزار انسان شہر یا قصبہ یا قریہ کبیرہ میں رہا کرتے ہیں اور چار ہزار کی آبادی پر تو فقہاء احناف بھی جمعہ جائز قرار دیتے ہیں پھر ان کے مخالف یہ روایت کہاں ہوئی اور غیر مقلدین کا استدلال کہاں تام ہوا قیل کان یسکن فیها فوق اربعة الآف نفس والقریة لا تکون کذا لک الخ (بذل المجهود ج٦ ص ۴۵)۔(۷)

(۸) جواثٰی کے مصر و مدینہ ہونے پر امراء القیس کا شعر بھی شاہد بین ہے امرءالقیس کا شعر ملاحظہ ہو۔

ورحنا کأنا من جواثٰی عشیة. نعالی النعاج بین عدل ومحقب

امرءالقیس جواثٰی کے شکار سے واپسی کی حالت کو ان تاجروں کی حالت کے ساتھ تشبیہ دے رہا ہے جو جواثٰی سے مال تجارت سے لدے پھدے واپس ہوتے ہیں اور مختلف قسم کے مال تجارت کی کثرت کے ساتھ واپس ہوتے ہیں کثرت امتعہ

دلالت کرتا ہے کثرت تجار پر اور کثرت تجارت دلالت کرتا ہے جواثی کے مدینہ وشہر ہونے پر اس لئے کہ دیہاتوں میں عموماً اتنے تاجر نہیں ہوا کرتے۔قال العلامة انور شاه الكشميرى وهو الذى يعلم (اى كون جواثىٰ مصرًا) من اشعار الجاهلية فيقول امرء القيس ورحنا كانا من جواثىٰ عشية نعالى النعاج بين عدل محقب فانه يشبه حال رجوعه من الاصطياد بحال التجار عائدين من جواثىٰ مملوئين من انواع الامتعة فعلم انها كانت متجرالهم (فیض الباری ج۲ ص۳۳۰)

وقال الامام الشيخ بدر الدين قلت كثرة الامتعة تدل على كثرة التجار وكثرة التجار تدل على ان جواثىٰ مدينة قطعا لان القرية لا يكون فيها تجار كثيرون غالبا عادة الخ (عمدة القارى ج٦ ص١٨٧ وهكذا فى بذل المجهود ج٦ ص٤٥)

(۹) حاصل کلام یہ کہ جواثی مدینہ مصر شہر تھا قریہ (دیہات) نہیں تھا اور اس کو قریہ کہنا اسی طرح ہے جس طرح کہ مکہ، طائف، مصر کو قریہ کہا گیا ہے حالانکہ وہ سب شہر ہیں اگر غیر مقلدین کے نزدیک قریہ کے معنی دیہات ہی کے ہیں تو پھر ان آیتوں کا کیا جواب دیں گے جن میں مکہ، طائف مصر کو قریہ کہا گیا ہے۔

وَ قَالُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ یعنی مکہ وطائف یہاں پر قریتین سے مراد مکہ اور طائف ہے۔

واسأل القرية التی كنا فيها وهی مصر اس جگہ قریہ سے مراد مصر ہے
وكأی من قرية هی اشد قوة من قريتک التی اخرجتک اهلكناهم
(بذل ج٦ ص ۴۵)

(۱۰) اگر غیر مقلدین بخاری شریف کے مذکورہ بالا روایت سے دیہاتوں میں جمعہ کو ثابت کرتے ہیں تو وہ پھر ان روایتوں کا کیا جواب دیں گے جن میں جواز جمعہ کے لئے مصر جامع یا مدینہ عظیمہ کی تصریح موجود ہے جیسا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روایت ہے لا جمعة ولا تشريق الا فی مصر جامع وفی رواية عن علیؓ لا جمعة ولا تشريق ولا صلوٰة فطر ولا اضحى الا فی مصر جامع او مدينة عظيمة جس کی تخریج ابن عبدالرزاق نے اپنے مصنف میں اور ابن ابی شیبہ نے اپنے مصنف میں کی ہے (عمدۃ القاری شرح بخاری شریف ج٦ ص ۱۸۸، بذل المجہود ج٦ ص ۴۷ الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ج۱ ص ۳۷۹ تعریف المصر والقریۃ)۔

(۱۱) اور اگر بالفرض ومحال ہم مان لیں کہ جواثی قریہ تھا تو اس سے کہاں یہ ثابت ہوتا ہے کہ دیہات میں جمعہ کی نماز جائز ہے یہ بات تو اس وقت ہوتی جبکہ حضور ﷺ کو اس کے قریہ ہونے کی اطلاع ملی ہوتی اور اس پر کوئی نکیر نہیں کی ہوتی اور ان کو اس عمل پر ثابت رکھا ہوتا مگر اس روایت میں کہیں بھی اس کی تصریح نہیں ہے پھر بخاری شریف کی اس روایت سے دیہات میں جواز جمعہ کیسے ثابت ہو سکتا ہے۔

ولئن سلمنا انها قرية فليس فی الحديث انه ﷺ اطلع علی

ذالک واقرهم علیه الخ (عمدة القاری ج٦ ص١٨٧)

(١٢) اگر دیہات میں جمعہ کی نماز جائز ہوتی تو پھر حضورﷺ قباء میں جبکہ ١٤ یا ٢٤ دن مقیم تھے ضرور جمعہ کی نماز وہاں ادا کرتے مگر کسی روایت میں بھی اس کی تصریح نہیں اس کے برعکس روایات میں یہ ہے کہ سب سے پہلے جمعہ کی نماز مدینہ طیبہ میں ہوئی اس سے صاف طور سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ حضورﷺ نے نہ خود دیہات میں جمعہ کی نماز ادا کی ہے اور نہ حکم فرمایا لہٰذا دیہات میں جمعہ کی نماز کیسے درست ہوسکتی ہے۔

واصرح من ذالک ان رسول الله ﷺ لما هاجر الی المدینة اقام فی قبا وهی قریة قرب المدینة الخ اربعة عشر یوما او اربعة عشرین کما فی البخاری علی اختلاف نسخها ووقعت الجمعة فی اثنائها ولم یثبت ان رسول ﷺ اقام الجمعة ولم یأمرهم ان یجمعوا فیها وسار یوم الجمعة یرید المدینة فجمع فی مسجد بن سالم بن عوف بن عمرو بن عوف بن الخزرج وهی محلة من المدینة فکان اول جمعة جمعت فی الاسلام فثبت بهذا ان رسول الله ﷺ لم یصلی الجمعة فی القریٰ ولم یأمرهم بها فیها فعلم بهذا ان القریٰ لیس محل اقامة الجمعة الخ (بذل المجهود ج٦ ص٤٨)

حاصل کلام یہ کہ بخاری شریف کی روایت اپنی جگہ پر صحیح ہے لیکن غیر مقلدین کا یہ کہنا کہ جواثی دیہات ہے یہ غلط ہے جیسا کہ ماقبل کے بیان سے روز روشن کی

طرح عیاں ہے اور احناف کا یہ کہنا کہ جمعہ کی نماز دیہات میں جائز نہیں بالکل صحیح ہے مستدل حضرت علیؓ کی روایت ہے جو کہ ص ۱۰ پر مذکور ہے۔

بادشاہ یا اس کا نائب یا قاضی و حاکم صحت جمعہ کے لئے مقصود لذاتہ نہیں بلکہ یہ فتنہ کے باب کو مسدود کرنے کے لئے ہے جیسا کہ صاحب ہدایہ کی تعلیل سے مفہوم ہوتا ہے **ولا یجوز اقامتها الا للسلطان او لمن امره السلطان لانها تقام لجمع عظيم وقد تقع المنازعة فی التقدم والتقديم وقد تقع فی غيره فلا بد منه تتميما لامرها الخ** (الہدایہ ج ا ص ۱۴۸) لہٰذا اگر مسلمان کی رضامندی سے یہ حکمت حاصل ہو جائے اور کوئی ایسا طریقہ متفقہ طور پر طے ہو جائے جس سے فتنہ اپنا سر نہ نکال سکے اور مسدود ہو جائے تو معنیً یہ شرط مفقود نہ ہو گی بشرطیکہ دوسرے شرائط علی وجہ الاتم متحقق ہوں جیسا کہ درمختار میں اس کی تصریح ہے **ونصب العامة الخطيب غير معتبر مع وجود من ذكر اما مع عدمهم فيجوز للضرورة** (الدرالمختار مع تنویر الابصار ج ا ص ۵۴۰)

قوله فيجوز للضرورة ومثله مالو منع السلطان اهل مصران يجمعوا اضرارًا وتعنتًا فلهم ان يجمعوا على رجل ليصلى بهم الجمعة اما اذا اراد ان يخرج ذالک المصر من ان يكون مصرًا لسبب من الاسباب فلا كما فی البحر الخ (الشامی ج ا ص ۵۴۰ **وهكذا قال شيخ المشائخ قطب الاقطاب مولانا اشرف على تهانوى قدس سره**

نـور الله مرقده فی امداد الفتاوی ج ا ص ۴۲۴ وهکذا فی فتاوی دار العـلـوم ديـوبـنـد ج۵ ص ۱۴۶ وهـكـذا قال العلامه الفهامة انور شاه الكشميری فی كتابه فيض الباری ج۲ ص ۳۳۰) فان قلت وعلى هذا ينبغي ان لا تجب الجمعة على اهل المصر ايضا فی هذا العصر لعدم صدق الحد المذكور فاين القضاة واين اقامة الحدود قلت وقد صرح اصـحـابـنـا ان الـملـك اذا صار دار الحرب يجمع بهم من اتفق عليه الـقـوم وهـكـذا فـی الـمبسـوط والشـامـی ج ا ص ۵۴۱ كما مر انفًا فـليـطـالـع وهـكـذا فـی جـامـع الرموز بـاب الجمعة ج ا ص ۱۱۶ (والسـلـطان الى قوله) والاطلاق مشعربان الاسلام ليس بشرط وهذا اذا امكن استيذانه والا فالسلطان ليس بشرط فلو اجتمعوا على رجل وصلوا جاز كذا فی فتاوی دار العلوم ديوبند ج۵ ص ۱۴۶ .

دلائل:

(۱) حدیث: حدثنا محمد بن المثنى قال حدثنا ابو عامر.... الخ. (ابـوداؤد ج: ا ص: ۵۳. بـاب الـجـمـعة فـی القریٰ). مکتبه بلال ديوبند.

(۲) وقـال ابـن الاثيـر الـقرية من المساكن الاجنبيه والضياع وقد تطلق على المدن. (عمدة القاری ج:٦ ص: ۱۸۶).

(۳) وقال صاحب المطلع القرية المدينة وكل مدينة قرية لا جتماع الناس..... الخ. (بذل المجهود ج: ۲ ص: ۴۴).

(۴) هكذا فى عمدة القارى ج: ۲ ص: ۱۸۶.

(۵) وحكى ابن التين عن شيخ ابى الحسن انها مدينة. (عمدة القارى ج: ٦ ص: ۱۸۷).

(٦) هكذا فى فيض البارى ج: ٦ / ص: ۳۳۰

(۷) بذل المجهود ج: ٦ / ص: ۴۵.

جمعہ کی اذان ثانی کہاں سے دی جائے؟

سوال: جمعہ کی اذان ثانی کہاں سے دی جائے؟

الجواب:

اذان کا مقصد لوگوں کو نماز کی اطلاع ہے وفیہ ایذان لوجوب الجهر بالاذان لإعلام الناسِ (جامع الرموز) لہٰذا نمازی اگر اپنے اپنے کاروبار میں لگے ہوئے ہیں، تو مؤذن کو چاہئے کہ ایسی جگہ سے اذان دے جہاں سے مسجد میں آنے والے نمازیوں کو اطلاع ہو جائے کما فی المبسوط للسرخسی ویؤذن المؤذن حیث یکون اسمع للجیران اورعلامہ(۱) شامی بحوالہ ''السراج

الوہاج'' لکھتے ہیں: وفی السراج وینبغی للمؤذن ان یؤذن فی موضع یکون اسمع للجیران ویرفع صوته ولا یجهد نفسه الظاهر ان هٰذا فی اذان الحی. جیسا کہ پانچوں نمازوں کی اذانیں بلند جگہ سے بلند آواز سے دی جاتی ہیں اور اگر سارے نمازی مسجد ہی میں ہیں جیسے جمعہ کی اذان ثانی تو اس کا حال اقامت کی طرح ہے کہ ایسی جگہ سے اذان دی جائے کہ جہاں سے مسجد کے اندر کے نمازیوں کو اس کی اطلاع ہوجائے کہ اب امام ممبر پر آچکا (۲) ہے اور خطبہ شروع ہونے والا ہے لہٰذا سارے لوگ خطبہ سننے کے لئے تیار ہوجائیں، تلاوت کرنے والے تلاوت بند کردیں، ذکر کرنے والے اپنا ذکر بند کردیں اور نماز پڑھنے والے اپنی نماز مختصر کرکے ختم کردیں، اسی وجہ سے اس اذان میں اسی قدر آواز بلند کرنے کا حکم ہے جس سے مسجد کے اندر کے نمازیوں کو اطلاع ہوجائے کما فی الشامی امّا من اذن لنفسه او لجماعة الحاضرین فالظاهر انه لا یسن له المکان العالی لعدم الحاجة وفی السعایة (۳/ ۳۸) أی اذان لا یستحب فیه رفع الصوت؟ قال هو الاذان الثانی یوم الجمعة الذی یکون بین یدی الخطیب لانه کالاقامة لإعلام الحاضرین صرح به جماعة الفقهاء فاعتبروا یا اولی الابصار.

دلائل:

(۱) وینبغی للمؤذّن أن یؤذن فی موضع یکون أسمع للجیران،

ویرفع صوته ولا یجهر نفسه لأنّه یتضرر، قلت: والظاهر أنّ هذا فی مؤذن الحیّ، امّا من أذّن لنفسه أو لجماعة حاضرین: فالظاهر أنّه لایسن له المکان العالی لعدم الحاجة. (شامی: باب الأذان ص ۱ ۲ / ۲) اشرفیه.

ویؤذّن ثانیاً بین یدیه أی الخطیب علی سبیل السنّة. (شامی ص ۱ ۲ ۱ / ۲) کراچی.

فإذا جلس علی المنبر أذّن بین یدیه واقیم بعد تمام الخطبة بذلک جری التوارث الضمیر فی قوله "بین یدیه" عائداً إلی الخطیب الجالس. (البحر الرائق ص۱۵۷ / ج:۲) سعید.

إذا جلس الإمام علی المنبر أذّن أذاناً ثانیاً بین یدیه أی بین الجهتین المستامنین لیمین المنبر أو الإمام ویساره قریباً منه. (اعلاء السنن ص ۶۹ ج:۸) مکتبه امدادیه.

اذانِ جمعہ کے بعد خرید وفروخت کے احکام

سوال: (الف-۱) جمعہ کے روز خرید وفروخت قطعی حرام یا ناجائز ہے یا جواز کی کچھ گنجائش ہے؟ (ب-۲) نیز یہ حرمت پہلی اذان سے ہے یا دوسری اذان

سے ہے؟ یا زوال کے بعد فوراً بعد سے حرمت شروع ہو جاتی ہے، جیسے مثلاً جامع مسجد میں ایک بجے اذان ہوتی ہے اور زوال ساڑھے بارہ بجے ہے تو حرمت ایک بجے اذان سے شروع ہوگی یا زوال کے بعد سے حرمت شروع ہوگی واضح فرمائیں؟

(۲) بعض جگہ، جگہ کی قلت اور آدمیوں کی کثرت کی وجہ سے بہت سی مسجدوں میں نماز ہوتی ہے مثلاً بمبئی میں کہ یہاں پر کئی مسجد میں نماز ہوتی ہے اور بہت سی جگہ نماز کے اور اذان کے اوقات بھی مختلف ہیں تو زید کو مثلاً وہاں نماز پڑھنا ہے جہاں اذان ڈیڑھ بجے ہوتی ہے اور جہاں اس کی دوکان ہے وہاں ایک بجے اذان ہوتی ہے تو کیا زید ڈیڑھ بجے سے پہلے پہلے تک اپنی دوکان پر خرید و فروخت کرسکتا ہے یا اس کے برعکس کرسکتا ہے کہ جہاں جلدی نماز ہوتی ہے وہاں سے پڑھ کر آگیا اور دوکان کھول رہا ہے تو یہاں اب ڈیڑھ بجے اذان ہو رہی ہے تو اب خرید و فروخت کرسکتا ہے یا نہیں؟

(۳) ایک دوکان پر دو آدمی بیٹھتے ہیں ایک آدمی دوکان پر بیٹھتا ہے وہ وہاں نماز پڑھے گا جہاں ڈیڑھ بجے اذان ہوتی ہے اور ایک آدمی ایک بجے کی نماز پڑھ کر دوکان پر اگر بیٹھتا ہے تو اس طرح گویا پورے دن دوکان کھلی رہی اس طرح جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

(الف-۱) گنجائش نہیں لقولہ تعالیٰ فاسعوا الی ذکر اللہ وذروا

البیع قال الشیخ احمد فی التفسیرات الاحمدیة وامر الشارع للوجوب فثبت وجوب السعی الی ان قال وکذا وجوب ذرء البیع ای ترکه عنده اه (تفسیر احمدی ص ۴۷۵)۔(۱)

ویجب السعی وترک البیع بالاذان الاول الواقف عقیب الزوال لقوله تعالٰی اذا نودی للصلاة من یوم الجمعة فاسعوا الی ذکر الله وذروا البیع .الأیة (مجمع الانهر ج ۱ ص ۱۵۶). (۲) والفتاویٰ الهندیه ج ۱ ص ۱۴۹). (۳)

(ب) ایک قول زوال (دخول وقت) کے بعد کا ہے لیکن مفتیٰ بہ یہی قول ہے کہ حرمت اذانِ اول سے ہے جیسا کہ تمام متون وشروح میں مصرح ہے۔ ویجب السعی الیها وترک البیع بالاذان الاول کنز .وانما اعتبر الاذان الاول لحصول الاعلام به الخ (البحر الرائق ج۳ ص ۱۵۶). (۴) وقیل بالاذان الاول فی الاصح الخ (درمختار ج۱ ص۵۵۲)۔ (۵) والاصح ان المعتبر هو الاول (ہدایہ ج۱ ص۱۵۱)۔ (۶) ویجب السعی وترک الاشتغال بالاذان الاول (کبیری ص۵۱۹ درمختار ج۴ ص۱۳۲)۔(۷)(۸)

(۲) زید کی دوکان کے قریب جو مسجد ہے اسی کا اعتبار ہوگا لہٰذا صورت مسئولہ میں ایک بجے کے بعد بیع وشراء جائز نہیں بلکہ دوکان بند کر کے فوراً جمعہ کی تیاری میں لگ جائے اس کے بعد چاہے جمعہ کی نماز اسی مسجد میں ادا کرے (اوراس کے لئے

یہی اولیٰ ہے قربت کی وجہ سے) یا دوسری مسجد میں وان یجیب بقدمہٖ اتفاقًا فی الاذان الاول یوم الجمعة لوجوب السعی بالنص وفی التاتر خانية انما يجيب اذان مسجده الخ (درمختار ج ا ص ۲۶۸ باب الاذان)۔(۹)

قوله انما يجيب اذان مسجده ای بالقدم وهو متفرع علی قول الحلوانی كما اشار اليه الشارح سابقًا بقوله كما يأتی علی (ج ا ص۲۶۷ رد المحتار ج ا ص۲۶۸) وسئل ظهير الدين عمن سمعه فی ان من جهات ماذا يجب عليه قال اجابة اذان مسجده بالفعل اه (الدر المختار ج ا ص۲۶۸). قوله ماذا يجب عليه فعل الاجابة بالقول او بالفعل تكون الاجابة .

قوله: اجابة اذان مسجده جواب السوال الثانی وقوله بالفعل جواب الاول كما فی البحر عن الفتح اه

حاشية الطحطاوی علی الدر المختار ج ا ص ۱۸۹ وهكذا فی الطحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۱۰۹ وفتح القدير ج ا ص ۱۷۳ باب الاذان) . (۱۰) (۱۱)

(۳) صورت مسئولہ میں ایک بجے دوکان بند کردینا ضروری ہے دوکان کے قریب مسجد میں اذان ہوجانے کے بعد کسی کا بھی بیٹھنا جائز نہیں خواہ نماز اسی مسجد میں ادا کرے یا کسی اور مسجد میں۔ قریبی مسجد میں نماز ہوجانے کے بعد دوکان کھولنا جائز ہے حوالہ تفصیل کے ساتھ سوال ۲ کے جواب میں مذکور ہے۔ فليطالع ثانيًا

لعنان العناية ثانيًا

ضمیمہ جواب ۲ و ۳ حسب تصریح درمختار جمعہ کے دن اذان اول کے بعد اجابت بالقدم واجب ہے اور تاتارخانیہ کے حوالہ سے یہ نقل کیا ہے انما تجیب اذان مسجدہ جس مسجد میں پانچوں وقت کی نماز یا جمعہ ادا کرتا ہو عرف میں اپنی مسجد کا اطلاق اسی پر ہوتا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اجابت بالقدم اسی مسجد کی واجب ہے جہاں جمعہ کی نماز ادا کرنی ہے لیکن جب ایک مسجد دوکان کے قریب ہے اور اس میں جمعہ کی نماز ہوتی ہے اور جہاں زید نماز پڑھنے کا ارادہ رکھتا ہے اس سے پہلے یہاں نماز ہوتی ہے تو احتیاطا احترازًا **عن التهمة والطعن وحقًا واحترامًا للمسجد القريب وسدًا للباب** ایک بجے دوکان بند کردے مسجد قریب میں نماز ختم ہوجانے کے بعد ایک آدمی جس نے مسجد قریب میں نماز ادا کرلی ہے دوکان پر بیٹھ جائے اور دوسرا آدمی جہاں چاہے نماز ادا کرے اور جب چاہے آئے۔

دلائل:

(۱) تفسير احمدی ص ۴۷۵. اشرفيه.

(۲) ويجب السعی وترک البيع بالاذن الاول. (الفتاویٰ الهندية ج: ۱، ص: ۱۴۹ رشيديه)

(۳) مجمع الانهر ج: ۱، ص: ۲۵۳، فقيه الامة.

(۴) البحر الرائق ج: ۲، ص: ۱۵۶، ايچ ايم سعيد.

(۵) در مختار ج: ۱، ص: ۵۵۲. نعمانیه دیوبند.

(۶) هدایه ج: ۱/ ص: ۱۷۲. تهانوی.

(۷) ووجب سعی وترک البیع... اراد به کل عمل ینافی السعی.

(در مختار ج: ۱/ ص: ۵۵۲ نعمانیه دیوبند).

(۸) حلبی کبیر: ص۵۶۰. سهیل اکیڈمی، پاکستان. (۹) در مختار ج: ۱/ ص: ۲۶۸. نعمانیه دیوبند.

(۱۰) فتح القدیر ج: ۱، ص: ۲۱۷. دار إحیاء التراث.

مراقی الفلاح: ص۲۰۳. دار الکتاب.

کنز الدقائق ص۴۵. رشیدیه دهلی.

اردو میں خطبہ ہونے کی ایک دلیل اوراس کا جواب

سوال: امام صاحب خطبہ کے اردو ترجمہ کو خطبہ کے درمیان پڑھتے ہیں ان کو منع کیا تو انہوں نے دلیل پیش کی کہ اگر اردو پڑھنا درست نہ ہوتا تو اس کو کتاب میں نہ لکھتے؟

الجواب:

خطبہ جمعہ کا عربی زبان میں ہونا متواتر ومتوارث سنت ہے جیسا کہ شاہ ولی

اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ محدث دہلویؒ نے شرح مؤطا امام مالک میں اس کی تصریح فرمائی ہے۔(۱) چنانچہ فرماتے ہیں: وأمَّا كونها اى كون الخطبة عربية فلاستمرار أهل المسلمين فى المشارق والمغارب به مع ان فى كثير من الاقاليم كان المخاطبون اعجميين الخ .

اسی طرح امام نوویؒ نے خطبہ کے شرائط میں سے اس کا عربی ہونا لکھا ہے وقال النووى فى كتاب الاذكار (۲) يشترط كونها اى خطبة الجمعة وغيرها عربية .اسی طرح درمختار میں ہے وعلٰى هذا الخلاف الخطبة وجميع الاذكار. یعنی خطبہ اور تمام اذکار واوراد میں بھی یہی اختلاف ہے کہ امام صاحب غیر عربی میں جائز قرار دیتے ہیں اور صاحبین ناجائز لیکن امام صاحب کا رجوع صاحبین کے قول کی طرف منقول ہے۔

لہٰذا غیر عربی، یا عربی مخلوط نظم ونثر پڑھنا مکروہ تحریمی ہے جیسا کہ عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ (۳) میں مذکور ہے اور بدعت ہے جیسا کہ مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے فتویٰ میں موجود ہے اسی طرح عربی میں خطبہ پڑھ کر اس کا ترجمہ ملکی زبان میں قبل از نماز سنانا بھی بدعت ہے جس سے بچنا ضروری ہے البتہ نماز کے بعد ترجمہ سنا دیں تو کوئی مضائقہ نہیں ہے بلکہ بہتر ہے جیسا کہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے تصریح کی ہے۔

باقی رہا امام صاحبؒ کی دلیل کہ (اگر اردو پڑھنا درست نہ ہوتا تو اس کو کتاب میں نہ لکھتے) تو آپ ان سے دریافت کریں کہ خطبہ کی کتاب کے اندر مصنف

کا نام بھی ہوتا ہے کاتب کا نام بھی ہوتا ہے مطبع کا نام بھی ہوتا ہے، مصحح کا نام بھی ہوتا ہے اس کی قیمت بھی لکھی ہوتی ہے آخر یہ سب باتیں بھی تو اس کتاب میں لکھی ہوں گی پھر کیا وجہ ہے کہ ان باتوں کو وہ خطبہ کے درمیان نہیں پڑھتے وجہ تخصیص کیا ہے؟

جس طرح اردو ترجمہ لکھا ہوا ہے یہ سب باتیں بھی لکھی ہوئی ہیں نیز اگر اردو کا محض کتاب میں لکھا ہوا ہونا خطبہ کے درمیان پڑھنے کے لئے صحت کی دلیل ہے تو ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ قرآن پاک بہت سے ایسے بھی تو ہیں جن میں اردو ترجمہ لکھا ہوا ہے لہٰذا آپ کی دلیل کے مطابق اس ترجمہ کو بھی نماز میں پڑھنا درست ہوگا پھر کیوں نہیں پڑھتے کیا وجہ ہے؟ اور اگر نماز میں درست نہیں اور خطبہ میں درست ہے تو وجہ فرق کیا ہے؟ حالانکہ بہت سے فقہاء نے خطبہ جمعہ کو دو رکعتوں کے قائم مقام کہا ہے۔ **كذا في البحر الرائق(۴) وفي البدائع (۵) ثم هي وان كانت قائمة مقام الركعتين الخ .**

اسی وجہ سے حکم ہے کہ **اذا خرج الامام فلا صلوٰة ولا كلام** (۶) نماز درود ذکر تسبیح سلام کلام سب ممنوع ہے امام صاحب کی دلیل کوئی ایسی نہیں جس پر توجہ دی جائے ان کا جواب صرف ایک ہے وہ یہ کہ آپ ایسا خطبہ خرید کر لائیں جس میں اردو ترجمہ لکھا ہوا نہ ہو اور لاکر انہیں دیں اور کہہ دیں کہ اب یہ خطبہ پڑھا کریں مثلاً حضرت مدنی علیہ الرحمہ حضرت تھانوی علیہ الرحمۃ، خطب مولانا اسماعیل شہید علیہ الرحمۃ پھر اس کو اگر وہ نہیں پڑھتے ہیں تو وجہ ترجیح ان سے دریافت کریں۔

صحیح بات وہی ہے جو اوپر بیان کی گئی کہ عربی میں خطبہ سنت متواترہ ومتوارثہ

ہے غیر عربی میں بدعت ومکروہ تحریمی ہے۔ مولانا عبدالحیؒ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مستقل رسالہ ہے (آکام النفائس) اس میں تفصیلی دلائل مذکور ہیں۔

دلائل:

(۱) شرح المؤطا للدهلوی

(۲) كتاب الأذكار

(۳) عمدة الرعاية بهامش شرح الوقاية ۱/۲۰۰. (فيصل).

(۴) البحر الرائق ص: ۱/۱۴۷. (سعيد).

(۵) بدائع الصنائع ص: ۱/۵۸۹. (زكريا).

(۶) الفتاویٰ الهندية ج: ۱ ص: ۱۴۷. رشيدية.

خطبہ جمعہ میں اردو اشعار کا پڑھنا کیسا ہے؟

سوال: ایک قصبہ ہے وہاں کے امام صاحب الوداع اور عیدین کے خطبہ میں اردو اشعار بھی پڑھتے ہیں بہت سے لوگ کہتے ہیں کہ یہ درست نہیں اور بہت سے علماء اس میں شریک رہتے ہیں اور اس کے بارے میں کچھ نہیں کہتے ہیں تو مندرجہ بالا مسئلہ میں قابل حل طلب بات یہ ہے کہ آیا یہ درست ہے یا نہیں؟ اگر نہیں درست ہے تو یہ ناجائز ہے یا مکروہ یا حرام؟ اور جو خطبہ اس طرح پڑھے گئے ہیں ان کی ادائیگی ہوئی یا نہیں؟

الجواب:

خطبہ جمعہ کا عربی زبان میں ہونا متوارث سنت (۱) ہے جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے شرح مؤطا امام مالک میں اس کی تصریح کی ہے۔

واما کونہ ای کون الخطبة عربية لاستمرار اهل المسلمین فی المشارق والمغارب مع ان فی کثیر من الاقالیم کان المخاطبون اعجمیین ج ۱ ص ۱۵۴ اسی طرح امام نووی نے خطبہ کے شرائط میں اس کا عربی ہونا لکھا ہے۔

وقال النووی فی کتاب الاذکار یشترط کونها ای خطبة الجمعة وغیرها عربية اسی طرح در مختار میں ہے: **وعلی هذا الخلاف الخطبة وجمیع الاذکار.**

یعنی خطبہ اور تمام اذکار اور ادعیہ میں بھی یہی اختلاف ہے کہ امام صاحب غیر عربی میں جائز قرار دیتے ہیں اور صاحبینؒ ناجائز فرماتے ہیں لیکن امام صاحبؒ کا رجوع صاحبینؒ کے قول کی طرف منقول وثابت ہے لہٰذا غیر عربی یا غیر عربی مخلوط نظم ونثر پڑھنا مکروہ تحریمی ہے جیسا کہ عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ میں مذکور ہے (۲) اور بہشتی گوہر ص ۸۱ پر خلاف سنت مؤکدہ اور مکروہ تحریمی مرقوم ہے اور بدعت ہے جیسا کہ مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے فتاویٰ میں موجود ہے اسی طرح عربی میں خطبہ جمعہ پڑھ کر اس کا ترجمہ مادری زبان میں کرنا اور لوگوں کو نماز سے قبل سنانا یہ بھی بدعت ہے جس سے احتراز ضروری ہے البتہ نماز کے بعد ترجمہ سنا دیں تو کوئی مضائقہ نہیں ہے بلکہ مستحسن ہے جیسا کہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نے تصریح کی ہے مزید دلائل

دیکھنے کے لئے اور بصیرت پیدا کرنے کے لئے حضرت مولانا عبدالحی صاحب کا مستقل رسالہ یادرکھیں جس کا نام (آکام النفائس) ہے اس میں تفصیلی دلائل وبراہین وحجج موجود ہیں اسی طرح رمضان کے آخری جمعہ میں ایسا خطبہ پڑھنا ممنوع ہے جو لفظ الوداع پر مشتمل ہو اس میں وداع وفراق کے مضامین ہوں چونکہ یہ نہ تو حضور اکرم ﷺ سے ثابت ہے نہ صحابہ کرام سے نہ تابعینؒ سے اور نہ تبع تابعینؒ سے نہ کتب فقہ میں اس کا کہیں پتہ ہے اس لئے یہ بھی بدعت ہے اور قابل ترک ہے حضرت اقدس تھانوی علیہ الرحمۃ نے بھی اس پر نکیر فرمائی ہے اور اسے بدعت قرار دیا ہے آئندہ اس کا خیال رکھا جائے اور حدود شرعیہ میں رہتے ہوئے اس پر نکیر کی جائے ترک کی سعی کی جائے جو علماء شریک رہتے ہیں منع نہیں کرتے ان کا یہ عمل احقاق حق میں کمزوری کو ثابت کرتا ہے حسب استعداد انکار نکیر سے باز نہیں آنا چاہئے بمقتضاء حکم حدیث من رای منکم منکرًا فليغيره بيده ومن لم يستطع فبلسانه ومن لم يستطع فبقلبه وذالک اضعف الايمان او كمال قال عليه الصلوٰة والسلام.

دلائل:

(۱) ولا يشترط كونها بالعربية فلو خطب بالفارسيّة أو بغيرها جاز كذا قالوا والمراد بالجواز هو الجواز فی حق الصلاة بمعنى أنّه يكفى لأداء الشرطيّه وتصحّ بها الصلاة لا الجواز بمعنى الاباحة المطلقة فإنَّه لاشک فی أنّ الخطبة بغير العربيّة خلاف

السّنة المتوارثة من النبى صلى اللّٰه عليه وسلم. فيكون مكروها تحريماً وكذا قرأة الأشعار الفارسيّة والهندية فيها. (حاشية شرح وقايه: ۲۰۰/ج: ۱) فيصل پبليكيشنز.

قال الرافعى: وهل يشترط أن تكون الخطبة كلّها بالعربيّة؟ وجهان، والصحيح اشتراطه، فان لم يكن فيهم من يحسن العربيّة خطب بغيرها. (فتح الملهم شرح مسلم: ص۳۱۷/ج:۵) فيصل پبليكيشنز.

وعلى هذا الخلاف الخطبة وجميع أذكار الصلاة. (شامى: ص:۴۸۴/ج: ۱ صفة الصلاة) كراچى.

وكذافى امداد الفتاوىٰ ص: ۶۴۲. ۶۴۶/۱) زكريا بک ڈپو. قديم نسخه.

وكذا فى الفتاوىٰ المحمودية: ۲۷۹/ ۸. شيخ الاسلام.

باب العیدین

تعددِ عیدین کا حکم

سوال: شہر جون پور درمیان میں گومتی حائل ہونے کی وجہ سے دو حصوں میں منقسم ہے جانبِ شمال میں مسلم آبادی کی تعداد کثیر ہے بخلاف جانبِ جنوب کے وہاں نسبۃً تعداد کم ہے لیکن عیدگاہ جانب جنوب شہر کے باہر ہے جس کی وجہ سے ضعفاء وغیرہ کے پہونچنے میں دشواری کے ساتھ ایک حصہ بالکل خالی ہو جاتا ہے وقتی کسی حادثہ یا ضرورت (بیماری، موت، آگ وغیرہ) پر ایک آدمی کا ملنا بھی مشکل ہے، سوائے عورتوں اور بچوں کے کوئی فرد اس وقفہ میں نہیں مل سکتا نیز بعض محلے ایسے بھی ہیں کہ جہاں سے عیدگاہ کا فاصلہ چار کیلو میٹر ہے۔ ان اعذار کے تحت شہر کے شمالی جانب کے مسلمانوں کی خواہش ہے کہ عیدگاہ کے علاوہ جانب شمال میں بھی چند جگہوں پر عیدین کی نماز قائم کی جائے حسنِ اتفاق جانبِ شمال میں بھی تین بڑی مسجدیں موجود ہیں اٹالہ مسجد لال دروازہ اور ان تینوں مسجدوں میں جمعہ کی نماز ادا کی جاتی ہے اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ عیدگاہ کے علاوہ شہر کی مذکورہ بالا مسجدوں میں عیدین کی نماز قائم کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:

ایک شہر میں بالاتفاق متعدد جگہوں پر عیدین کی نماز قائم کر سکتے ہیں ولا یصلیها وحده ان فاتت مع الامام ولو امكنه الذهاب الى امام اخر، فعل لانها تودّی بمصر واحد بمواضع كثيرة اتفاقًا (در مختار ج ا (ا) ص ا ۵٦) لكن قد كان جواز الجمعة فی المصر الكبير فی مواضع كثير ة لدفع الحرج لان فی اتحاد الموضع حرجًا بينًا لاستدعائهٖ تطويل المسافة على الاكثر كما بين آنفا وهذهٖ العلة تجرى فی العيد علٰى انه صرح فی بعض المعتبرات جوازه اتفاقًا وبهٰذا عمل الناس اليوم اه (مجمع الانہر ج ا ص ۱۷۳)۔(۲)

دلائل:

(ا) شامی ص: ا ٦ ۵ نعمانيه.

(۲) مجمع الأنهر ص ٢٤٦. فقيه الامت.

فاذا فاتت مع الإمام وأمكنه أن يذهب الى إمام آخر فإنه يذهب إليه لأنه يجوز تعدادها فی مصرٍ واحدٍ. (البحر الرائق ص: ١٦٢ ج: ٢. سعيد)

النهر الفائق ص: ۳۷۰/ ج: ا. زكريا.

ولو قدر بعد الفوات مع الإمام على إدراكها مع غيره فعل

للاتفاق علی جواز تعددها. (حاشية الطحطاوی علی المراقی ص: ۵۳۵ دار الکتاب).

شہر کی متعدد مساجد میں عیدین پڑھنے کا حکم

سوال: کل ۱۲ر جولائی ۸۳ء کو شہر جون پور کے کچھ لوگ عید کی نماز اٹالہ مسجد میں پڑھنا چاہتے ہیں جبکہ مسجد مذکور میں عید کی نماز قائم نہیں ہے اس مسئلہ میں شرعی حکم کیا ہے۔ اس کی آپ وضاحت فرمائیں۔

نوٹ: بعینہ اسی سوال کا جواب مولانا ظفر احمد صاحب امام جمعہ وعیدین شہر جونپور سے بھی لیا گیا ہے جو اس سوال کے ساتھ منسلک ہے اسے ملاحظہ فرمائیں۔

سوال: کل ۱۲ر جولائی ۸۳ء کو شہر جون پور کے کچھ لوگ عید کی نماز اٹالہ مسجد میں پڑھنا چاہتے ہیں جبکہ مسجد مذکور میں عید کی نماز قائم نہیں ہے اس مسئلہ میں شرعی حکم کیا ہے۔ اس کی آپ وضاحت فرمائیں۔

الجواب:

اٹالہ مسجد میں بلا عذر (جیسے بارش) نماز عید جائز نہیں ہے۔

صحت ادائے صلوٰۃ عید کے لئے ایک شرط سلطان یا خطیب ہے بلا اذن خطیب اگر کسی نے نماز عید قائم کی تو جائز نہیں ہے۔

وفی السراجیہ لو صلٰی احد بغیر اذن الخطیب لا یجوز در مختار علی ھامش الشامی (۱) ج اول ص ۷۵۲. ومنھا السلطان عادلًا کان او جائرًا ھٰکذا فی التاتار خانیة ناقلًا عن النصاب او من امرہ السلطان وھو الامیر او القاضی أو الخطباء کذا فی العینی شرح الھدایہ حتی لا یجوز امامتھا بغیر امر السلطان وامر نائبہ کذا فی محیط السرخسی رجل خطب یوم الجمعة بغیر اذن الامام والامام حاضر لا یجوز ذالک الا ان یکون الامام امرہ بذالک کذا فی فتاویٰ قاضیخان عالمگیری ج ۱ ص ۲۰۴. (۲)

نماز عید ایک شہر میں تین مقام سے زائد چوتھی جگہ بہ اتفاق امام ابو یوسفؒ وامام محمدؒ رحمہما اللہ جائز نہیں ہے جون پور میں میرے علم کے مطابق اس وقت تین مقامات پر عید کی نماز ہوتی ہے۔ ویجوز اقامة صلوٰة العید فی موضعین اما اقامتھا فی ثلٰثة مواضع فعند محمدؒ یجوز وعند ابی یوسفؒ لا یجوز). کذا فی المحیط عالمگیری ص ۲۱۰). (۳)

خلاصہ تحریر یہ ہے کہ عید کی نماز اٹالہ مسجد میں تین وجہوں سے ناجائز ہے۔ ا عذر نہیں ہے۔۲ اذنِ خطیبِ مصلّٰی عید نہیں ہے۔۳ چوتھی جگہ عید نہیں ہوسکتی ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

حررہ العبد الی اللہ الصمد ظفر احمد صدیقی کان اللہ تعالیٰ لہ

یکم شوال ۱۴۰۳ھ مطابق ۱۲ر جولائی ۸۳ء

الجواب:

مفتیٰ بہ قول کے مطابق ایک شہر میں متعدد جگہوں پر عید کی نماز ادا کی جاسکتی ہے حضرات فقہائے کرام کی تعلیلات کی رو سے بلا تردد اٹالہ میں عید کی نماز قائم کی جاسکتی ہے۔وتصح فی مصر واحد فی مواضع هو الصحيح وهو قول الطرفين نقلا عن الفتح وفى المنح الاصح الجواز مطلقًا خصوصًا اذا كان مصرًا كبيرًا الخ (مجمع الانهر مع ملتقى الابحر ج ا ص١٦٧ وهكذا فى سكب (٥) الانهر ج ا ص١٦٧) وتصح فى مصر فى مواضع كثيرة هو الصحيح وعليه الفتوىٰ الخ وتودىً فى مصر واحد بمواضع كثيرة مطلقًا على المذهب وعليه الفتوٰى) .الدر المختار ج ا ص ا ۵۴) قوله على المذهب فقط ذكر الامام السرخسى ان الصحيح من مذهب ابى حنيفة جواز اقامتها فى مصر واحد فى مسجدين واكثر وبه ناخذ لاطلاق لا جمعة الا فى مصر شرط المصر فقط) .الشامى ج ا ص ا ۵۴) وتودىٰ فى مصر فى مواضع وفى فتح القدير الاصح الجواز مطلقًا خصوصًا اذا كان مصرًا كبيرًا فان فى الزام اتحاد الموضع حرجًا بينًا لاستدعائهٖ تطويل المسافة على الاكثر وذكر فى باب الامامة ان الفتوىٰ علٰى جواز التعدد مطلقًا وبما ذكرناه اندفع فيما فى البدائع من ان ظاهر الرواية جوازها فى

موضعين ولا يجوز في اكثر من ذالک وعليه الاعتماد الخ فان المذهب الجواز مطلقًا الخ). البحر الرائق ج۲ ص ۱۴۲) وغير ذالک تصريحات كثيرة في كتب الفقه لا يخفٰى علٰى من له ادنٰى ممارسة بالفقه . حضرات فقہاء نے بلا قید عذر تعدد جمعہ وعیدین کی اجازت دی ہے جیسا کہ عبارات مذکورہ بالا میں تصریح ہے پھر اس کو کسی قید کے ساتھ مقید کرنا تصریحاتِ فقہاء کے خلاف ہے۔ نیز عید کی صحت کے وہی شرائط ہیں جو نماز جمعہ کی صحت کے شرائط ہیں پھر دونوں میں فرق کی کوئی وجہ نہیں جمعہ کی نماز جب دسیوں جگہ ہوسکتی ہے خود اٹالہ میں ہوتی ہے تو عید کو منع کرنا تصریحاتِ فقہاء کے خلاف ہوگا۔ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب دامت برکاتہم نے عالمگیری کے جس جزئیہ سے استدلال کیا ہے وہ مرجوح ہے جیسا کہ فتح القدیر اور البحرالرائق کی عبارتوں سے واضح ہے جو جواب میں بھی مذکور ہے۔ نیز درمختار کی عبارت کا مفہوم وہ نہیں جو جواب میں مراد لیا گیا ہے جیسا کہ سیاق وسباق عبارات نیز علامہ شامی کی تقریر سے واضح ہے۔ نیز خطیب کا مفہوم متبادر بھی محلِ غور ہے مزید سلطان وخطیب کی تفصیل امداد الفتاویٰ ج۱ص۴۲۴ میں مذکور ہے، ملاحظہ فرمالیا جائے۔

دلائل:

(۱) ص:۱۱۰/ج:۱. الدر المختار دار الكتاب.

(۲) عالمگیری ص:۱۴۵/ج:۱. رشيديه.

(۳) عالمگیری ص: ۱۵۰/ج: ۱. رشیدیه.

(۴) مجمع الانهر ص۲۴۷/ج: ۱. فقیه الامة دیوبند.

(۵) سکب الانهر: ص:۲۴۸/ج: ۱. فقیه الامة.

(۶) شامی ص: ۱۴۴.۴۵/ ج: ۲. کراچی سعید.

(۷) البحر الرائق ص: ۱۴۲/ج: ۲. سعید.

عیدین کی نماز کے بعد دعاء ومصافحہ کا حکم

سوال: عیدین کی نماز کے بعد دعا مانگنا اور مصافحہ کرنا کیسا ہے؟

الجواب:

عیدین کی نماز کے بعد دعا کرنے میں کوئی حرج (۱) نہیں، البتہ مصافحہ نہیں کرنا چاہئے اس لئے کہ حضورﷺ وصحابہ وتابعین سے یہ ثابت نہیں، لیکن اس کا خیال رکھنا چاہئے کہ ایسی صورت نہ پیدا ہو جس سے اختلاف وانتشار ہو۔

(۱) عن أم عطية رضی الله عنها قالت: كنا نؤمر أن نخرج يوم العيد حتى نخرج البكر من خدرها حتى تخرج الحيض فيكن خلف الصف فيكبرن بتكبيرهم ويدعون بدعائهم ويرجون بركة ذلك اليوم وطهارته. (صحيح البخاری ص: ۱۳۲ ج: ۱) باب

التكبير أيام حتى).

(٢) إن الـمـواظبة عـليهـا بعد الصلوات قد يؤدى الجهلة إلى اعتـقـاد سـنيتهـا فى خصوص هذه المواضع وأن لها خصوصية زائدة عـلـى غيـرهـا مع أن ظاهر كلا مهم. أنه لم ينقلها أحد من السلف فى هـذه الـمـواضع لأن الصحابة ماصا فحوا بعد أداء الصلاة، ولأنها من سنن الروافض ثم نقل عن ابن حجر عن الشافعية: أنها بدعة مكروهة لا أصـل لهـا فـى الشـرع. (شـامى ص: ٣٨١ ج:٦، كراچى كتـاب الخظرو الإباحة باب الاستبراء).

باب التراویح

عورتوں کیلئے جماعت کے ساتھ تراویح کی نماز پڑھنا کیسا ہے؟

سوال: (۱) حافظ عورتوں کو جماعت کے ساتھ تراویح پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟

سوال: (۲) اگر پڑھا سکتا ہے تو مردوں میں سے ایک یا دو مقتدی کا ہونا ضروری ہے یا نہیں؟

سوال: (۳) عورتوں کا محرم ہونا ضروری ہے یا نہیں یعنی صرف محرم عورتوں کو پڑھا سکتا ہے یا غیر محرم کو بھی، صرف غیر محرم عورتوں کو پڑھا سکتا ہے یا نہیں یا محرم عورتیں اور غیر محرم عورتیں دونوں ساتھ میں ہوں تو بھی کافی ہے یا نہیں؟

سوال: (۴) حافظ کو عورتوں میں سے اس کی محرم عورت لقمہ دے سکتی ہے یا نہیں یعنی اس کی آواز ستر بنے گی یا نہیں؟

سوال: (۵) حافظ کو عورتوں میں سے اس کی غیر محرم عورت لقمہ دے سکتی ہے یا نہیں؟ اگر ستر ہونے کی بنا پر لقمہ نہیں دے سکتی تو پردہ سے مرد نامحرم عورت سے گفتگو بھی نہیں کرسکتا؟

سوال: (۶) اور حافظ امام اور محرم مقتدی یا غیر محرم مقتدی یا محرم اور غیر محرم مقتدی کے درمیان حائل ہونا ضروری ہے یا نہیں اور اگر حائل ہونا ضروری ہو تو اس کی کیا نوعیت ہوگی؟

الجواب:

(۱) حافظ مرد عورتوں کو جماعت کے ساتھ تراویح پڑھا سکتا ہے جائز ہے جیسا کہ ابتدائے اسلام میں عورتیں مسجد میں جا کر مردوں کی اقتداء میں نمازیں ادا کیا کرتی تھیں لیکن امام کو چاہئے کہ محاذات کا خیال رکھے ورنہ نماز فاسد ہو جائے گی نیز صحتِ اقتداء عورت کے لئے امام کا نیت کرنا ضروری ہے۔

ونية الرجل الامامة شرط لصحة اقتداء النساء به الخ (مراقی الفلاح ص ۱۵۸). (۱)

ويصح اقتداء المرأة بالرجل فی صلوة الجمعة وان لم ينو امامتها وكذا فی العيدين وهو الاصح كذا فی الخلاصه. (عالمگیری (۲) ج ۱ ص ۸۵ الفصل الثالث)

فی بيان من يصلح إمامًا لغيره عالمگیری کی مذکورہ عبارت سے صحت امامت پر استدلال کر سکتے ہیں اقول والحاصل ان كلامن الامام والمقتدی اما ذكر او انثٰی او خنثٰی وكل منهما اما بالغ او غيره فالذكر البالغ تصح امامتهٗ للكل الخ (شامی ج ۱ ص ۳۸۸). (۳)

(۲) کم از کم ایک مرد کا ہونا ضروری ہے ورنہ نماز مکروہ ہوگی اور اگر مرد نہ ہو تو محرم میں سے کسی کا ہونا ضروری ہے، جیسے ماں، بہن، بیوی وغیرہ۔ اس صورت میں بھی کراہت مرتفع ہو جائے گی اور اگر نہ کوئی مرد ہو اور نہ ہی محرم میں سے کوئی ہو تو اس

صورت میں نماز مکروہ ہوگی۔(کذا فی تنویر الابصار مع الدر(۴) المختار ج اص ۳۸۱)

کما تکرہ امامة الرجل لهن فی بیت لیس معهن رجل غیره ولا محرم منه کاخته او زوجته او امته اما اذا کان معهن واحد ممن ذکر او امّهن فی المسجد لا یکره الخ

(۳) صرف غیر محرم کو بھی پڑھا سکتا ہے مگر مکروہ ہے جیسا کہ سوال نمبر۲ کی عبارت تنویر الابصار سے ظاہر ہے کما تکرہ امامۃ الرجل الخ۔

اور اگر غیر محرم عورتوں میں محرم عورتیں ہوئیں تو کراہت ختم ہوجائے گی پھر مرد کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔**اما اذا کان معهن واحد ممن ذکر الخ لایکره الخ.**

(۴) محرم عورت لقمہ دے سکتی ہے محرم عورت کی آواز محرم مرد کے لئے ستر نہیں ہے۔

(۵) فرع صرح فی النوازل بان نغمة المرأة عورة وبنی علیه ان تعلمها القرآن من المرأة احب الی من الاعمٰی قال لان نغمة المرأة عورة ولذا قال علیه السلام التسبیح للرجل والتصفیق للنساء فلا یحسن ان یسمعها الرجل انتهی کلامه وعلی هذا لو قیل اذا جهرت بالقرائة فی الصلوة فسدت کان متجهًا ولذا منعها علیه الصلوة والسلام من التسبیح بالصوت لا علام سهوه الی التصفیق الخ

(فتح القدير(٥) ج ا ص٢٢٧ وفى البحر الرائق(٦) فى باب شروط الصلوة ج ا ص٢٧٠).

وصرح فى النوازل بان نغمة المرأة عورة الخ فلا يجوز ان يسمعها الرجل ومشى عليه المصنف فى الكافى فقال ولا تلبى جهرًا لان صوتها عور ة ومشى عليه صاحب المحيط فى باب الاذان الخ وفى شرح المنية الاشبه ان صوتها ليس بعورة وانما يؤدى الى الفتنة كما علل به صاحب الهدايه وغيره فى مسئلة التلبية وانما منعهن من رفع الصوت بالتسبيح فى الصلوة لهذا المعنى ولا يلزم فى حرمة رفع صوتها بحضرة الجانب ان يكون عورة كما قدمناه الخ .

وفى حاشية منحة الخالق على البحر (٧) الرائق ج ا ص٢٧٠ وقد يقال المراد بالنغمة ما فيه تمطيط وتليين لا مجرد الصوت والا لما جاز كلامها مع الرجال اصلًا لا فى بيع ولا غيره وليس كذالک ولما كانت القرائة مظنة حصول النغمة معها منعت من تعليمها من الرجل الخ وفى كنز الدقائق وكره اذان الجنب واقامته واقامة المحدث واذان المرأة الخ قال صاحب البحر الرائق واما اذان المرأة الخ فلانها منهيّة عن رفع صوتها لانه يؤدى الى الفتنة بحر ج ا ص٢٧٧. (٩)

وکرہ اذان الجنب ویعاد کاذان المرأۃ الخ (ملتقی الابحر ج ا ص۷۸) لان المرأۃ ان رفعت صوتھا فقد باشرت منکر الان صوتھا عورۃ الخ اقول وفیہ کلام لان صوتھا مطلقا لیس بعورۃ والا یستلزم ان یکرہ تکلمھا مع الاجنبی ولیس کذالک بل یکرہ رفع صوتھا تدبر الخ (مجمع الانھر ج ا ص۷۸). (۸)

وصوتھا علی الراجح الخ (الدر المختار ج ا ص۴۷۴)(۱۰) باب شروط الصلوٰۃ قولہ وصوتھا معطوف علی المستثنی یعنی انہ لیس بعورۃ الخ

مذکورہ بالا عبارات فقہیہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر غیر محرم عورت لقمہ دے دے تو نماز فاسد نہ ہوگی البتہ مکروہ ہے اس لئے کہ عورت کے لئے رفع صوت مکروہ ہے اگر چہ صاحب ردالمختار نے راجح اسی کو قرار دیا ہے کہ عورت کی آواز عورت نہیں ہے لیکن عورت کی اذان بالاتفاق مکروہ ہے اور اس کی علت صوت العورۃ عورۃ ہی لکھتے ہیں۔

(٦) عورتیں خواہ محرم ہوں یا غیر محرم حائل کا ہونا ضروری ہے ورنہ محاذات کی صورت میں نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر امام کے پیچھے ہوئی تب نماز ہو جائے گی لیکن بہتر یہ ہے کہ کسی کپڑے کا پردہ بیچ میں ٹانگ دیں تاکہ پورے طور پر پردہ ہو جائے۔

ویقف الواحد ولو صبیا اما الواحدۃ فتتأخر الخ (تنویر الابصار مع الدر المختار ج ا ص ۳۸۱)۔(۱۱) قولہ اما الواحدۃ فتتأخر فلو کان معہ رجل ایضا

یقیمه عن یمینه والمرأة خلفها ولو رجلان یقیمهما خلفه والمرأة خلفهما بحر وتأخر الواحدة محله اذا اقتدت برجل لا بامرائة مثلها الخ (ردالمحتار ج ا ص ۳۸۱)۔(۱۲)

ولا حائل بینهما أقله قدر ذراع فی غلظ الاصبع او فرجة اتسع الرجل الخ (الدر المختار ج ا ص ۳۸۵) وفی الشامی وفی معراج الدرایه ولو کان بینهما فرج اتسع الرجل او اسطوانة قیل لا تفسد وکذا اذا قامت امامه وبینهما هذه الفرجة الخ (ج ا ص ۳۸۵)

الا یری لو کان بین صف النساء وصف الرجال سترة قدر مؤخرة الرحل کان ذالک سترة للرجال ولا تفسد صلوة واحد منهم الخ (عالمگیری ج ا ص ۸۸)

وأدنی الحائل قدر مؤخرة الرحل وغلظه غلظ الاصبع والفرجة تقوم مقام الحائل وادناه قدر ما یقوم فیه الرجل کذا فی التبیین الخ (فتاویٰ هندیه ج ا ص ۸۸).

والمرأة تتناول الاجنبیة والامة والحلیلة والصغیرة المشتهاة والکبیرة التی یتنفر عنها الرجال (هکذا فی الکفایة وهکذا فی مراقی الفلاح طحطاوی ص ۱۸۱)

دلائل:

(۱) حاشیة الطحطاوی: ۲۹۰/ دار الکتاب.

(۲) الفتاویٰ الهندية: ج: ۱/ص: ۸۵. رشيديه.

(۳) الشامی: ج: ۲/ ص: ۳۸۷ اشرفيه.

(۴) الدر المختار ج: ۳۶۸/۲ اشرفيه.

(۵) فتح القدير: ج: ۱/ص: ۲۲۷ احياء التراث، بيروت.

(۶) البحر الرائق: ج: ۱/ص ۲۷۰. ايچ ايم سعيد کراچی.

(۷) وفی حاشية منحة الخالق على البحر الرائق: ج: ۱ ص ۲۷۰ ايچ ايم سعيد کمپنی.

(۸) مجمع الانهر: ج: ۱/ ص: ۱۱۸. فقيه الامت ديوبند.

(۹) البحر الرائق ج: ۱، ص: ۲۷۰ ايچ ايم سعيد.

(۱۰) ابن عابدين: ج: ۲/ ص: ۹۶. اشرفيه.

(۱۱) ابن عابدين: ج: ۲/ص: ۳۶۸. اشرفيه.

(۱۲) ابن عابدين: ج: ۳۸۰/۲. اشرفيه.

(۱۳) الفتاویٰ الهنديه: ج: ۱/ ص: ۸۹. ۸۸. رشيديه.

حبیب الفتاوی

حبیب الفتاوی

حبیب الفتاوی

حبیب الفتاوی
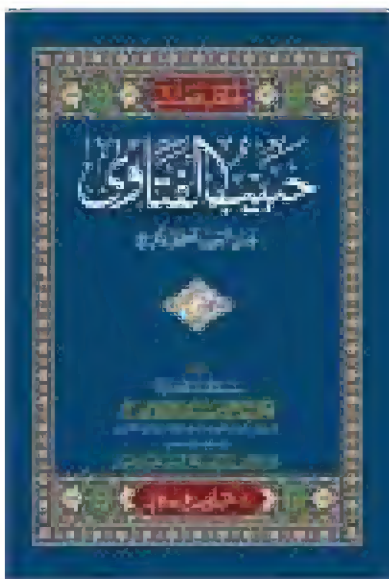
باب سجود السهو

سجدہ سہو میں دونوں طرف سلام پھیرنے کا حکم

سوال: اگر امام نے دونوں طرف سلام پھیر دیا قصداً پھر سجدہ سہو کیا تو نماز ہوگی یا نہیں؟ اگر ہوگئی تو کراہیت کے ساتھ یا بغیر کراہیت کے؟

الجواب:

دونوں طرف سلام پھیر کر سجدہ کرنے کی بھی اجازت فقہ حنفی میں ہے۔"وفی (۱) الهدايه ويأتی بتسليمتين هو الصحيح" لیکن احسن یہ ہے کہ صرف ایک سلام پھیر کر سجدہ سہو کرلے دونوں طرف سلام نہ پھیرے اس لئے کہ بعض فقہاء کے نزدیک سجدہ ثانیہ کلام کے درجہ میں ہے اس لئے دوسرے سلام کے بعد سجدہ درست نہیں ہوگا۔

ويكتفی بتسليمة واحدة قاله شيخ الاسلام وعامة المشائخ وهو الاصح للاحتياط والاحسن ان يسلم عن يمينهٖ وقد قال شيخ الاسلام خواهر زاده لا يأتی بسجود السهو بعد تسليمتين لان ذالک بمنزلة الكلام الخ) .مراقی الفلاح ص ۲۵۲). (۲)

دلائل:

(۱) الهداية ج: ۱ ص:۱۵۷. دار الكتاب.

(٢) متن العبارة حاشية الطحطاوى ص ٢٦٢. دار الكتاب ديوبند.

يجب له بعد سلام واحد عن يمينه فقط. وقول الشامى: يعنى فيكون سلامه مرة واحدة تلقاء وجهه، وغيره من أهل هذا القول على أنه يسلم مرة واحدة عن يمينه خاصة. (شامى ص ٦٥٢ ج: ٢، اشرفيه).

اذا سها بزيادة أو نقصان سجد سجدتين بعد التسلمتين وقيل بعد واحدٍ. كما هو مختار فخر الاسلام، وصاحب الإيضاح وصاحب الكافى وشيخ الاسلام وفى المجتبى، وهو الأصح، وفى المحيط على قول عامة المشايخ: يكتفى بتسليمة واحدة. (مجمع الأنهر ج: ١ ص ٢١٩ فقيه الأمة ديوبند)

واختار فخر الاسلام أنه يسلم واحدة تلقاء وجهه فرقاً بين سلام القطع والسهو وجعله فى المحيط قول عامة المشايخ وفى الكافى قول الجمهور وهو الصواب وإليه أشير فى الأصل وفى المجتبى وهو الأصح وقيل: يسلم واحدة عن يمينه وصححه فى المجتبى أيضاً. (النهر الفائق ج: ١ ص: ٣٢٢) زكريا ديوبند.

باب سجود التلاوة

ٹیپ ریکارڈ، ریڈیو سے آیت سجدہ سننے پر سجدہ تلاوت واجب ہے یا نہیں؟

سوال: ریڈیو یا ٹیپ ریکارڈ یا اس طرح کے آلہ جات سے قرآن سننے کی صورت میں سجدہ تلاوت واجب ہوگا یا نہیں؟ اسی طرح ٹیلی ویژن پر کہ اس میں قاری سامنے ہوتا ہے (یعنی قاری کی تصویر) جیسا کہ حرم مکہ میں ٹیلی ویژن پر تراویح ہونے کی صورت میں ہوتا ہے جس میں آیاتِ سجدہ وغیرہ بھی پڑھی جاتی ہے تو ایسی صورت میں کیا حکم ہے؟ اسی طرح لاؤڈ اسپیکر پر کہ اس میں قاری کا سامنے نہ ہونا ظاہراً معلوم ہوتا ہے مگر حقیقتاً آواز اسی کی ہوتی ہے؟

الجواب:

ریڈیو یا ٹیپ ریکارڈ سے سنی ہوئی آیتِ سجدہ پر سجدہ تلاوت واجب نہیں

ولاتجب (ای سجدة التلاوة) بسماعه من الصدى والطير (درمختار (۱) ج۲ص۵۱۷) قوله من الصدى هو ما يجيبك مثل صوتك فى الجبال والصحارى ونحوها فى الصحاح (درمختار ج۲ص۵۱۷) وهٰكذا فی الهندية (۲) ناقلاً عن الخلاصة ج۱ص۱۳۲۔ ٹیپ وریڈیو سے نکلنے والی آواز صدی کی طرح ہے تو

جس طرح صدی پر سجدہ واجب نہیں اسی طرح ٹیپ وریڈیو سے آیتِ سجدہ سننے پر سجدہ واجب نہیں، ٹیلی ویژن سے آیت سجدہ کے سننے پر سجدہ واجب ہے بشرطیکہ قاری موجود ہو اور اگر اس کی ریل بنا کر اسی کو سناتے ہوں تو اس صورت میں سجدہ واجب نہیں۔

دلائل:

(۱) الدر المختار مع الشامی ۲/۷۰۲. (اشرفیه).

(۲) وإن سمعها من الصدى لاتجب عليه كذا فی الخلاصة. (الفتاویٰ الهندیة: ۱/۱۳۲، رشیدیة)

وإن سمعها من الصداء ويقال بالفارسية بحواک وفی الظهيرة "آواز كوه" لا تجب عليه السجدة. (الفتاویٰ التاتارخانية ص ۲/۴۶۲، زكريا)

كذا فی خلاصة الفتاویٰ. ۱/۱۸۴. (أشرفيه)

كذا فی فتاویٰ قاضی خان ۱/۱۴۱. (دار الكتب العلمية)

باب الجنائز

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ کس نے پڑھائی؟

سوال: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ کس نے پڑھایا اور جماعت کے ساتھ پڑھی گئی تھی؟

الجواب

آپ ﷺ کی نماز جنازہ کسی کی اقتداء میں نہیں پڑھی گئی بلکہ ہر ایک نے الگ الگ نماز پڑھی۔ پہلے بنی ہاشم نے پھر مہاجرین نے پھر انصار نے پھر بقیہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے۔ جب سب مرد فارغ ہوگئے تب عورتوں نے پڑھی۔ پھر جب عورتیں بھی فارغ ہوگئیں۔ تب بچوں نے پڑھی سب سے اخیر میں غلاموں نے نماز جنازہ پڑھی۔ کمافی ابن ماجہ۔

دلائل

عن ابن عباس رضی اللہ عنه فی حدیث طویلٍ.

فلما فرغوا من جهازه یوم الثلثاء وضع علی سریره فی بیته ثم دخل الناس علی رسول الله صلی الله علیه وسلم. ارسالاً یصلون علیه حتی إذا فرغوا ادخلوا النساء حتی إذا فرغوا ادخلوا الصبیان ولم یؤم الناس علی رسول الله صلی الله علیه وسلم أحد. (سنن ابن

ماجه ج: ١ ص:١١٧ . باب وفاته ودفنه صلى الله عليه وسلم).

نـقـل عن على رضى الله عنه أنه قال لم يؤم الناس على رسول الـلـه صلى الله عليه وسلم أحد، لأنه كان امامكم فى الحيات وبعد الممات. (حاشية الطحطاوى ج: ١ ص:١١٧).

وأول مـن صـلى عليه كان أهل بيته على و عباس، وبنوهاشم ثم المهاجرون. ثم الانصار. (حاشية ابن ماجه ج: ١ ص:١١٧).

صلى عليه الناس أفذاذاً لأنه كان آخر العهد به فأرادوا أن يأخذ كـل واحـد بـركتـه مـخـصوصاً دون أن يكون تابعاً فيها غيره. (تفسير القرطبى ج:٤ ص:٢٢٥. دار إحياء التراث العربى).

فـقـد صلى الناس على رسول الله صلى الله عليه وسلم أفراداً لا يـؤمهـم أحـد. وذلك لـعـظـم رسـول الله. صلى الله عليه وسلم. وتنافسهم فى أن لا يتولى إلامامة فى الصلاة عليه أحد وصـلـوا عـليه مر ة بـعـد مرة. (كتـاب الأم لـلشـافعى ج: ١ ص: ٢٨١. باب الصلوٰة على الميت. بيروت)

عن ابن عباس قال: لما صلى على رسول الله. صلى الله عليه وسـلم أدخل الرجال فصلوا عليه بغير إمام ارسالاً حتى فرغوا ثم أدخل النساء فصلين عليه ثم أدخل الصبيان فصلوا عليه ثم

أدخل العبيد فصلوا عليه إرسالاً لم يؤمهم على رسول الله صلى الله عليه وسلم أحد.

(السنن الكبرى للبيهقي (ج: ۴ ص: ۴۹. باب الجماعة يصلون على الجنازة افذاذاً. بيروت)

کورونا میں مرنے والوں کے غسل کا طریقہ کیا ہے؟

سوال: کرونا وائرس کی وجہ سے اگر کسی کا انتقال ہو جائے تو اس کو کس طرح غسل دیا جائے؟

الجواب

میت کو غسل دینا واجب ہے، کیونکہ انسان کے بدن سے روح نکلنے کی وجہ سے ایک قسم کی نجاست اس پر طاری ہو جاتی ہے۔ خواہ اس کے بدن پر ظاہری نجاست ہو یا نہ ہو۔ کرونا وائرس کی وجہ سے اگر کسی کا انتقال ہو جائے تو اس کے غسل کا انتظام بھی کیا جائے گا۔ اور اگر حکومت یا ماہر اطباء کی طرف سے اس کے جسم کے کپڑے اتارنا، یا ہاتھ لگانا منع ہو تو ہاتھ میں کوئی خرقہ کپڑا وغیرہ لے کر اسکو پانی میں بھیگا کر اس کے جسم پر مسح کیا جائے۔ جیسا کہ زخمی جگہوں پر مسح کیا جاتا ہے۔ اور اگر اس کی بھی گنجائش نہ ہو تو تیمّم کی صورت اختیار کی جائے۔ (۱)

دلائل

(۱) والفرض قد سقط بالنية عند الإخراج. (حاشية الطحطاوی علی المراقی ص: ۵۶۹. دار الکتاب دیوبند).

لأن غسله ماوجب لرفع الحدث، بل لتطهره عن تنجسه بالموت. (الدر المنتقی ج: ۱ ص: ۲۶۶. فقیه الأمة. دیوبند).

مستفاد من: أن المسح علی الجبائر واجب عند تعذر الغسل وإنما يسقط إذا کان المسح. يضره لما روينا من الحديث أن النبی علیه السلام. أمر بالمسح علی الجبائر. وظاهر الأمر لوجوب العمل إلا أنه إذا کان. يخاف الضرر فی المسح يسقط لأن الغسل يسقط عند خوف زيادة الضرر فالمسح أولیٰ أن يسقط. (تحفة الفقهاء ج: ۱ ص: ۹۱. باب المسح).

قبر پر ہاتھ اٹھا کر دعاء کا حکم

سوال: قبر پر فاتحہ کے وقت ہاتھ اٹھا کر دعاء کرنا کیسا ہے؟ اگر مستحب ہے تو اس پر عمل کرنا کیسا ہے؟ جبکہ علماء میں اختلاف پیدا ہونے کا اندیشہ ہو کچھ علماء عدم رفع یدین کی وجہ سے قبر والے سے مانگنے کا شبہ بتلاتے ہیں، تو اگر کہیں یہ

اندیشہ وشبہ نہ ہوتو وہاں رفع یدین علی القبر کر سکتے ہیں یا نہیں اگر نہیں تو کیوں؟ اور اگر کر سکتے ہیں تو اس شبہ کا جواب کیا ہوگا؟

الجواب:

تدفین سے فارغ ہونے کے بعد دعاء میں رفع یدین حضور اکرم ﷺ سے ثابت ہے اس لئے رفع یدین میں مضائقہ نہیں البتہ صاحب قبر سے سوال کی ہیئت سے بچنے کیلئے جو جہاں ہو وہیں اپنا چہرہ قبلہ کی طرف کر کے دعاء کرے اس طرح یہ شبہ بھی ختم ہو جائے گا۔ (۱)

دلائل:

(۱) عن عثمان رضی الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ إذا فرغ من دفن الميت وقف عليه، فقال استغفروا لأخيكم ثم سلوا له التثبيت فإنه الأن يسأل. (مشكاة المصابيح ج ۱ ص ۲۶

(۲) عن عائشة رضی الله عنها قالت: ألا أحدثكم عنی وعن رسول الله ﷺ. قلنا.... بلی جاء البقيع فقام فأطال القيام ثم رفع يديه ثلاث مراتٍ. ثم انحرف فانحرفت. (الصحيح للمسلم، كتاب الجنائز، فيصل ديوبند)

(۳) وتكره (الزيارة) للنساء لماقدمنا ويدعو قائمًامستقبل القبلة. (حلبی كبيری ص۶۰۸ لاهور)

بیوی کے مرنے کے بعد بیوی کو دیکھنا، چھونا یا کندھا دینے کا حکم

سوال: بیوی کے مرنے کے بعد بیوی کو دیکھنا، چھونا یا کندھا دینا کیسا ہے؟

الجواب:

بیوی کے انتقال کے بعد شوہر کی حیثیت اجنبی مرد کی ہو جاتی ہے اور اجنبی مرد کے لئے جس طرح اجنبیہ کو دیکھنا جائز نہیں خواہ زندہ ہو یا مردہ اسی طرح بیوی مرنے کے بعد شوہر کے لئے اجنبیہ کے درجہ میں ہو جاتی ہے (کما فی الدر (۱) المختار ج ا ص۳۱۳) ویمنع زوجها من غسلها ومسها وفی الفتاویٰ الهندیه (۲) ج اص۱۶۰ واما ھو یعنی الزوج فلا یغسلها عندنا وفی خلاصة (۳) الفتاویٰ ج اص۲۱۹ الرجل لا یغسل إمرأته بعد موتها عندنا وفی مراقی (۴) الفلاح ص۳۱۳ فانه لا یغسل زوجته لانقطاع النکاح ۔ باقی رہا کندھا دینا تو شوہر بیوی کو کندھا دے سکتا ہے عورت خواہ محارم میں سے ہو یا اجنبیہ، کندھا مرد ہی دے سکتے ہیں عورت کو کندھا دینے کی اجازت نہیں ویسن لحملها اربعة رجال تکریمًا له الخ) . مراقی الفلاح (۵) ص۳۳۱) اخرج به النساء وذٰلک لما اخرجه ابویعلی عن انس قال خرجنا مع رسول الله ﷺ فی جنازة فرأى نسوة فقال اتحملنه قلن لا قال أتدفنه قلن لا قال فارجعن مازورات غیر ماجورات لان الرجل اقوی علیٰ ذٰلک والنساء

ضـعيـفـات ومـظـنـة الفتنة والانكشاف الا اذا لم يوجد رجال كذا فی شرح العينی للبخاری طحطاوی ص ۳۳۱ وهكذا فی الهنديه (٦) ج۱ ص۱۶۲ والخلاصۃ ج۱ص ۲۲۵۔

دلائل:

(۱) الدر المختار مع الشامی ص:۱۰۵/ج:۳ اشرفيه.

(۲) وكذا فی الهنديه ص:۲۲۰/ج:۱. زكريا.

(۳) وكذا فی خلاصة الفتاویٰ ص:۲۱۹/ج:۱. اشرفيه.

(۴) وكذا فی حاشية الطحطاوی ص:۵۷۲ دار الكتاب.

(۵) حاشية الطحطاوی علی المراقی ا لفلاح ص:۶۰۳ دار الكتاب.

(٦) وكذا فی فی الهندية س:۲۲۳/ج:۱. زكريا.

عیدگاہ میں نماز جنازہ پڑھنا کیسا ہے؟

سوال: عیدگاہ میں نماز جنازہ پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب:

وأمـا الـمتـخذ لصلوٰة جنازة او عيد فهو مسجد فی حق جواز الاقتـداء وإن انـفـصلت الصفوف رفقًا بالناس لا فی حق غيرهٖ به يفتیٰ

نهاية فيحل دخوله لجنب وحائض الخ) .

تنویر الابصار ج ۱ ص ۴۴۳)

اس عبارت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ نماز جنازہ عیدگاہ میں جائز ہے اس لئے کہ یہ من کل الوجوہ مسجد نہیں لہٰذا نماز جنازہ کی کراہت جو مسجد سے متعلق ہے اس کو عیدگاہ سے متعلق نہیں کر سکتے لیکن علامہ شامی نے احکامِ مساجد کا تعلق عیدگاہ سے نقل کیا ہے، والمختار ما صححهٔ فى المحيط فى مصلى الجنازة انه ليس لهٔ حكم المسجد اصلًا وما صححه تاج الشريعه ان مصلى العيد له حكم المساجد (ردالمحتار ج ۱ ص ۴۴۲)

اس لئے احوط یہی ہے کہ عیدگاہ میں جنازہ کی نماز ادا نہ کی جائے کسی دوسری جگہ نماز ادا کر لی جائے لیکن اگر بانی عیدگاہ نے عیدگاہ کی تعمیر کے وقت دونوں کی نیت کی ہے کہ صلوٰۃ العیدین کے ساتھ نماز جنازہ بھی ادا کی جائے تو اس صورت میں بالاتفاق صحیح ہے، لہٰذا اگر بانی زندہ ہو تو نیت معلوم کر لی جائے صرف تعامل حجت نہیں اور اگر بانی زندہ نہ ہو تو احوط یہی ہے کہ وہاں نماز جنازہ نہ ادا کی جائے۔

دلائل:

(۱) (تنوير الأبصار على الدر المختار ۱/ ۴۴۲. نعمانيه ديوبند).

لا تكره صلاة الجنازة فى مسجد أعدلها وكذا فى مدرسة ومصلى عيد لأنه ليس لها حكم المسجد فى الأصل إلا فى

جواز الافتداء وان لم تتصل الصفوف. (حاشية الطحطاوی علی المراقی ص۵۹۵. ۵۹۶).
البحر الرائق ج:۲/ ص:۱۸۷.

مقام موت سے دوسری جگہ جنازہ کی منتقلی کا حکم

سوال: زید کا انتقال وطن سے بہت دور ملک کے اندر یا ملک کے باہر ہوگیا اس کے ورثاء کی خواہش واصرار پر یا بغیر اصرار کے زید کی نعش کو اس کے وطن پہونچانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر میت کے جسد کا انتقال جائز نہیں تو اگر کوئی شخص مرنے سے قبل مرض الوفات میں جنازہ وطن پہنچانے کی وصیت کرے تو یہ وصیت واجب العمل ہے یا نہیں؟ جنازہ کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا مطلق ممنوع ہے؟ یا اس میں کچھ گنجائش ہے؟ اگر گنجائش ہے تو اس کی حد کیا ہے؟ اگر جنازہ منتقل کرنے کی گنجائش نہیں تو پھر حضرت سعد بن ابی وقاص کا جنازہ مدینہ طیبہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کا جنازہ مقام حبشی سے مکہ مکرمہ کیوں منتقل کیا گیا؟

حضور اکرم ﷺ کی حیات طیبہ میں اور اس کے بعد صحابہ کرام کی حیات مبارکہ میں جنازہ کی تدفین کے سلسلہ میں کیا معمول رہا ہے؟ اگر کسی مدرسہ میں کسی استاذ یا طالب علم کا انتقال ہوجائے تو منتظمین مدرسہ کی کیا ذمہ داریاں ہیں؟ تجہیز

وتکفین وغیرہ کا خرچ ورثا کے ذمہ ہے یا مدرسہ کے ذمہ؟ اگر ورثاء کی خواہش واصرار پر یا منتظمین مدرسہ نے از خود جنازہ میت کے وطن پہونچادیا تو اس نقل وحمل کے اخراجات کس کے ذمہ ہوں گے ورثہ کے یا مدرسہ کے؟ اگر مدرسہ کے ذمہ ہیں تو کیوں؟ اور یہ صرفہ کس مد میں درج کیا جائے؟ جنازہ کے منتقل کرنے میں موجود یا متوقع منکرات کیا ہیں جن کی شرعا اجازت نہیں۔

الجواب:

ورثاء کی خواہش واصرار پر یا بغیر اصرار کے مطلقا جنازہ کو ایک شہر سے دوسرے شہر یا ایک ملک سے دوسرے ملک منتقل کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ زید کو اسی جگہ دفن کردینا جہاں اس کا انتقال ہوا ہے مستحب ہے۔ "**ویستحب الدفن فی مقبر محل مات فیه أو قتل لما روی عن عائشةؓ انها قالت حین زارت قبر أخیها عبد الرحمان وکان مات بالشام وحمل منها لو کان الامر فیک الی ما نقلتک ولد فنتک حیث مت**" (شرنبلالیہ(۱): ۳۳۷)

"**ان النقل من بلد الی بلد مکروه ای تحریما الخ**"

(طحطاوی علی المراقی: ۳۳۷، (۲) وهکذا فی الدر (۵) المختار والبحر الرائق (۳) کتاب الجنائز)

جنازہ کا ایک شہر سے سے دوسرے شہر یا ایک ملک سے دوسرے ملک منتقل کرنا غیر شرعی صرف رواجی چیز ہے ایسا کرنے والے مکروہ تحریمی کے مرتکب ہیں لہٰذا

ورثاء کو چاہئے کہ جہاں انتقال ہو وہیں دفن کروادیں اگر کسی شخص نے مقام انتقال سے وطن جنازہ پہونچانے کی وصیت کی تو یہ وصیت باطل ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں، جس طرح کوئی شخص یہ وصیت کرے کہ میری نماز جنازہ فلاں شخص پڑھائے تو یہ وصیت باطل ہے۔

أو صی بأن یصلی علیه فلان فالوصیة باطلة فی الاصح (کما فی البزازیه علی هامش الهندیه ج٦ ص ٤٤٠)

"أمر رجلا بأن یحمله بعد موته الی موضع کذا ویدفنه ثمه فالوصیة بالحمل الی موضع کذا باطلة الخ" (کما فی البزازیه علی هامش الهندیه: ٦/ ٤٣٩)

ایک دو میل کی گنجائش ہے، دو میل میں قدرے زیادتی میں بھی کوئی مضائقہ نہیں، چونکہ عموماً مقابر کا فاصلہ آبادی سے اتنا ہوتا ہے اس لئے مسافت کی اتنی مقدار ضرورت میں داخل ہے اور اس سے زائد ضرورت سے خارج ہے "فان نقل قبل الدفن قدر میل او میلین ونحو ذلک ای قریبا من المیلین لا بأس به لان المسافة الی المقابر قد تبلغ هذا المقدار وکره نقله لاکثر منه ای اکثر من المیلین کذا فی الظهیریه أی أکثر من المیلین کثرة فاحشة، أما الزیادة علیها بقدر یسیر فلا تضر الخ" (طحطاوی مع المراقی والشرنبلالیہ: ۳۴۷)

حضرت سعد ابن ابی وقاص ؓ کو ایک شہر سے دوسرے شہر نہیں منتقل کیا گیا چونکہ

ان کا انتقال مدینہ طیبہ سے چار فرسخ کے فاصلہ پر زرعی زمین میں ہوا تھا اور غالب گمان یہ ہے کہ وہاں کوئی قبرستان نہیں تھا اسی وجہ سے لوگ کندھوں پر سوار کر کے مدینہ طیبہ لائے اور مدینہ طیبہ میں دفن کئے گئے ”وسعد بن ابی وقاص مات فی ضیعته علی اربعة فراسخ من المدينة ونقل على اعناق الرجال الى المدينة الخ“ (مراقی الفلاح: ۳۳۷)

اور حضرت عبدالرحمٰن ابن ابی بکر رضی اللہ عنہ کے جنازہ کے انتقال پر حضرت عائشہؓ کی نکیر صراحۃ موجود ہے ”لو كان الأمر الى فيك ما نقلتک ولدفنتک حيث مت الخ“ (شرنبلالیہ: ۳۳۷)

حضور اکرم ﷺ کی حیات طیبہ میں جنازہ کے انتقال مکانی کا کوئی واقعہ خادم کے علم و دانست میں نہیں۔ چنانچہ جو حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین غزوہ احد میں شہید ہوئے تھے ان کو مدینہ طیبہ لا کر جنت البقیع میں دفن کیا جا سکتا تھا لیکن حضور اکرم ﷺ نے سارے شہدائے کرام رحمۃ اللہ علیہم رحمۃ واسعۃ کو جبل احد کے دامن میں دفن فرمایا نیز غزوات میں بہت سے صحابہ شہید ہوئے، اور وہ سب وہیں دفن کئے گئے نیز ازواج مطہرات میں سے حضرت میمونہؓ کا انتقال مقام سرف میں ہوا، جو مکہ مکرمہ سے سو میل کے فاصلہ پر تھا آج طریق مدینہ جو شارع ہجرت کے نام سے موسوم ہے، وہ مقام سرف سے گذرتا ہے، جنت المعلی کے تقدس کے باوجود مقام سرف (مقام انتقال) میں حضرت میمونہ کو دفن کیا گیا ”ان النبی ﷺ تزوجها فی

طریق مکه فقال بعضهم تزوجها حلالاً وظهر امر تزویجها وهو محرم ثـم بـنـی بهـا وهو حلال بسرف فی طریق مکة وماتت میمونة بسرف حیث بنی بها رسول صلی اللہ علیہ وسلم ودفنت بسرف"(ترمذی شریف: (۶)۱۰۴/۱)

جنت البقیع میں تدفین سے متعلق روایات کثیرہ صحیحہ میں فضائل کے باوجود حضرات صحابہ کا بھی معلوم یہی رہا کہ جہاں انتقال ہوا، وہیں دفن کئے گئے چنانچہ مکہ مکرمہ، مدینہ طیبہ، کے علاوہ عراق، شام، دمشق، خراسان، افریقہ، تک میں صحابہ کرام کی قبریں ہیں جس کی نشاندہی حضرات محدثین نے کی ہے، صرف دوصحابی کے جنازہ کے انتقال کی تصریح ملتی ہے جس کا جواب سوال (۴) کے ضمن میں آچکا ہے کہ اس کی تجہیز وتکفین کا نظم کر کے مسنون طریقہ پر غسل دیکر جنازہ کی نماز پڑھ کر سپرد خاک کردیں۔ تجہیز وتکفین کا نظم منتظمین مدرسہ اس طور پر کریں کہ اگر طالب علم کے پاس کپڑے ہوں تو بطور کفن کے اسی کو استعمال کریں اور اگر کپڑے نہ ہوں بلکہ نقد پیسے ہوں تو اس سے کفن خرید کر دیدیں اور اگر نقد پیسے بھی نہ ہوں تو قرض لیکر اس کا نظم کردیں اور وہ قرض اس مال سے وصول کرلیں جو اس کے وطن میں ہے چونکہ تجہیز وتکفین کو شریعت نے میت کے مال میں لازم کیا ہے اور اگر میت بالکل مفلس ہو نہ نقد اس کے پاس موجود ہو نہ کپڑا اور نہ ہی وطن میں اس کا مال ہو پھر منتظمین مدرسہ آپس میں اساتذہ وملازمین یا بہی خواہان مدرسہ سے اس سلسلہ میں تعاون حاصل کریں۔

"مات ولم یترک مالا یسئل من الناس قدر ثوب واحد ویکفن فیه فان

ترک ثوبا واحدا کفن فیه رجلا کان او امرأة ولا یسئل من الناس وان مات عن مال قلیل بلاوصیة قال ابراهیم بن یوسف یکفی فی ثوب واحد وقال ابن مسلمة فی ثلاثة قال الفقیه ان کفن فی واحد جاز''

(البزازیہ علی ہامش الہندیہ: ۴۴۰/۶)

اگر ورثاء کے حکم پر جنازہ منتقل کیا گیا، گو یہ مکروہ تحریمی ہے لیکن نقل وحمل کے اخراجات ورثہ کے ذمہ ہوں گے اور اگر ورثہ کے حکم کے بغیر جنازہ منتقل کیا گیا تو نقل وحمل کا صرفہ ناقلین کے ذمہ ہوگا مدرسہ کے ذمہ نہیں ''ولو حمل الوصی بلا اذن الورثة یضمن ما انفق الخ'' (بزازیہ علی الہندیہ: ۴۴۹/۶)

نقل وحمل جنازہ کا صرفہ مدرسہ کے ذمہ نہیں اس لئے کس مد میں اندراج ہو، اس کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ہے جنازہ کو منتقل کرنے میں چند منکرات ہیں جو شرعا منہی عنہ ہیں۔

(۱) تدفین میں تاخیر جب کہ حتی الامکان تعجیل کا حکم منصوص فی الحدیث ہے چنانچہ ''الجنازۃ اذا حضرت'' ترمذی شریف سے حضرات فقہاء کرام نے جس عجلت کو سمجھا ہے اس کی تصریح موجود ہے کہ اگر جنازہ تیار ہو تو اوقات مکروہہ میں بھی نماز جنازہ پڑھنے کی اجازت ہے ''کما هو مصرح فی الشامی والفتاوی الهندیه''۔

(۲) خطرہ فساد میت، لوگوں کے انتظار میں میت کو گھر میں اتنی دیر تک رکھنا کہ نعش کے خراب ہونے کا احتمال ہو جاتا ہے تو برف کی سلیوں کے ذریعہ پھولنے پھٹنے

سے اسے محفوظ رکھا جاتا ہے انتقال مکان پر اچھی خاصی رقم صرف کی جاتی ہے، جو صرف ضیاع مال ہے اور اس کے لئے سو دقتیں برداشت کی جاتی ہیں جو بے جا ہیں، انتقال مکانی میں عموما جنازہ دوبارہ پڑھا جاتا ہے یہ بھی غیر شرعی عمل ہے جنازہ صرف ایک بار ہے البتہ اگر ولی باقی ہو تو صرف اس کو اجازت ہے اس کا التزام اور اس پر اصرار مستقل ایک غیر شرعی عمل ہے اہل مدارس کے لئے امور مذکورہ بالا کے علاوہ دیگر مسائل بھی ہیں جن سے اہل مدارس واقف ہیں اس لئے اہل مدارس سے درخواست ہے کہ وہ داخلہ فارم پر مطبوعہ ہدایات میں ایک نمبر کا اور اضافہ فرمادیں یا ایک کارڈ بنوالیں جس پر یہ لکھا ہو کہ اگر میرا انتقال ہو گیا تو مجھے میرے وطن منتقل نہ کیا جائے اور اس پر طالب علم اور اس کے باپ یا سرپرست کے دستخط کرا لئے جائیں۔

”هذا ما فهمت من كلام الفقهاء ولعل عند غيري احسن منه“

دلائل:

(۱) شرنبلالية ص:۲۱۳. دار الكتاب. مراقی علی نور الايضاح.

(۲) حاشية الطحطاوی علی المراقی ص:۲۱۴. دار الكتاب.

(۳) وفی التجنيس: القتيل والميت يستحب لهما أن يد فنا فی المكان الذی قتل أو مات فيه فی مقابر اولئک القوم. (البحر الرائق ص:۱۹۵ ج:۲) سعيد.

(۴) البزازية علی الهندية ص:۴۴۰/ج:۶. رشيدية.

(۵) الدر المختار مع الشامی ص:۲۳۷/ج:۲. کراچی.

(۷) البزازية على الهندية ص: ۴۴۹/ج:۶. رشيدية.

(۶) سنن الترمذی ص:۱۷۲/ج:۱. بلال.

میت کے لئے کلوخ کا استعمال کرنا کیسا ہے؟

سوال: تختہ وغیرہ کو بعدد طاق خوشبو دیکر مردہ کو تختہ پر لٹا دیا جاتا ہے اور دستانہ ہاتھ میں لپیٹ کر پہلے بعدد طاق مٹی کے ڈھیلوں سے پائخانہ و پیشاب کے مقام کو صاف کر کے تب پانی سے دھوتے ہیں اور صاف کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ مٹی کے ڈھیلوں سے بعدد طاق ہر دو مقام کو پہلے صاف کرنا سنت ہے۔

الجواب:

باوجود تتبع کثیر کے ڈھیلے سے استنجاء کسی عبارت میں نہیں مل سکا البتہ اتنا ضرور ملتا ہے کہ وضو کرایا جائے اور اگر نجاست نکل جائے تو اس کو دھویا جائے۔ **يمسح بطنه رقيقا وما خرج منه يغسله.** (تنویرالابصار: ۱/۵۷۵،(۱) وہکذا فی الزیلعی: ۱/۲۳۷)۔(۲)

بلکہ حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ نے لکھا ہے کہ کلوخ (ڈھیلے) کا مسنون ہونا کسی دلیل سے ثابت نہیں۔(امدادالفتاویٰ: ۱/۱۲۷)۔(۳)

دلائل:

ویمسح بطنه أولاً ثم یغسله بعد ذلک وجهه لأنه قد یکون فی بطنه شیء یغسله بعد ذلک. (بدائع الصنائع ص: ۳۰۱/ج: ۲، دار الکتاب العربی)

الفتاویٰ الهندیة ص: ۲۱۹/ج: ۱، زکریا.

(۱) تنویر الأبصار مع الشامی ص: ۵۷۵/ج: ۱، نعمانیه.

(۲) حاشیة الزیلعی: ص: ۲۳۷ ج: ۱، امدادیه.

(۳) امداد الفتاویٰ ص: ۲۱۷ ج: ۱، زکریا قدیم.

الجوهرة النبوة ص: ۲۷ ج: ۱، کراچی.

تدفین کے بعد دعا میں ہاتھ اٹھانے کا حکم

سوال: میت کو دفن کرنے کے بعد جب دعاء مغفرت کرتے ہیں تو اس میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا کیسا ہے؟

الجواب:

کتب فقہ وفتاویٰ کی عبارتیں اس بات میں ساکت ہیں رفعِ یدین وعدم رفع کا کوئی تذکرہ نہیں چنانچہ علامہ علاؤالدین حصکفی لکھتے ہیں: والمعهود زیارتها

والدعاء عندها قائمًا الخ) .الدر المنتقی ج ۱ ص۱۸۷) علی ہامش مجمع الانہر (۱) اور یہی علامہ شرنبلالی بھی لکھتے ہیں: والسنة زیارتها والدعاء عندها قائمًا الخ مراقی الفلاح (۲) ص ۳۴۱ وھٰکذا قال العلامه ابن عابدین الشامی قال فی الفتح والسنة زیارتها قائمًا والدعاء عندها قائمًا) .رد المحتار ج ۱ ص ۶۰۴). (۳)

اور بعض روایات واحادیث میں صرف یہ ہے کہ حضور پاک ﷺ تدفین سے فارغ ہوکر قبر کے پاس کھڑے ہوجاتے اور حاضرین کوفرماتے اپنے بھائی کے لئے دعاء استغفار کرو جیسا کہ مشکوٰۃ شریف میں حضرت عثمانؓ کی روایت ہے وعنه قال کان النبی ﷺ اذا فرغ من دفن المیت وقف علیه فقال استغفروا لاخیکم ثم سلوا له بالتثبیت فانه الآن یُسأل (رواه (۵) ابوداؤد، مشکوٰۃ شریف ج ۱ ص ۲۶ باب (۴) اثبات عذاب القبر، بذل المجهود فی حل ابی داؤد ج۴ ص ۱۹۰ باب (۶) الاستغفار عند القبر فی وقت الانصراف .

علامہ عبدالرؤف المناوی صاحب فیض القدیر ج۵ ص۱۵۱ شرح الجامع الصغیر میں فرماتے ہیں وقف علیه ای علی قبره هو واصحابه صفوفًا اه فیض القدیر ج۴ ص ۱۵۱ . غرضیکہ اس روایت کے ضمن میں کسی نے بھی رفع یدین کا تذکرہ نہیں کیا ہے۔ اسی طرح طبرانی کی ایک روایت ہے جس میں مٹی ڈالنے کے بعد قبر کے سرہانے کھڑے ہوکر کچھ پڑھنے کا تذکرہ ہے"وروایة الطبرانی عن ابی امامةؓ قال

امرنا رسول الله ﷺ فقال اذا مات احدٌ من اخوانکم فسویتم التراب علی قبرہٖ فلیقم احدکم علی رأس قبرہٖ" الحدیث، المنهل العذب المورود شرح ابی داؤد ج۹ ص ۷۴. لیکن حضرت عائشه صدیقهؓ فرماتی هیں "ثم انطلقت علی اثرہٖ حتٰی جاء البقیع فقام فاطال القیام ثم رفع یدیه ثلاث مراتٍ ثم انحرف" الحدیث (مسلم شریف ج۱ ص۳۱۳)

قال الامام النووی فیه استحباب اطالة الدعاء وتکریرہ ورفع الیدین فیه الخ. (۱۰) اس سے صاف بات حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے لکھی ہے، وفی حدیث ابن مسعود رضی الله عنه رأیت رسول الله ﷺ فی قبر عبد الله ابن ذی النجادین، وفیه فلما فرغ من دفنهٖ استقبل القبلة رافعًا یدیه أخرجه ابوعوانه فی صحیحهٖ فتح الباری ج۱۳ ص ۳۹۵ باب الدعاء مستقبل القبلة. (۱۱)

"وعن ابن عباسؓ قال مات انسانٌ کان رسول الله ﷺ یعیدهٗ فمات باللیل فدفنوہ لیلًا فلما اصبح اخبروہ الحدیث، وفی فتح الباری لابن حجر العسقلانی فاخبر والنبی ﷺ حین اصبح فجاء حتٰی وقف علٰی قبرہٖ فصف الناس معهٗ ثم رفع یدیه فقال اللّٰهم الق طلحة یضحک الیک وتضحک إلیه". (باب الاذن بالجنازة ج۳ ص ۳۶۱)

ان روایات کو روایات مسکوت عنہا کے لئے بیان مان لینے کی صورت میں تمام روایات ایک درجہ کی ہوجائیں گی، حاصل کلام یہ ہے کہ قبر کے پاس ہاتھ اٹھا کر دعا

کرنا حضور ﷺ سے ثابت ہے اور اگر کوئی ہاتھ نہ اٹھائے تب بھی کوئی حرج نہیں، اپنے اکابرین کے یہاں دونوں طریقہ پر عمل دیکھا گیا ہے، بعض ہاتھ اٹھاتے ہیں بعض نہیں اٹھاتے لیکن رفعِ یدین کی صورت میں اس بات کا خیال رہے کہ ایسی ہیئت نہ پیدا ہو جس سے دیکھنے والوں کو یہ شبہہ پیدا ہوا کہ اہل قبر سے حاجت طلب کر رہا ہے۔

دلائل:

(۱) الدر المنتقیٰ علی هامش مجمع الأنهر ص۱۷۷/ج:۱، فقیه الامت.

(۲) طحطاوی علی المراقی ص۶۲۰ دار الکتاب.

(۳) رد المحتار ص۶۰۴/ ج:۱، نعمانیه.

(۴) أبو داؤد ص:۴۵۹ مکتبة بلال.

(۵) مشکاة المصابیح ص۲۶/ج:۱، مکتبه ملت.

(۶) بذل المجهود ص۲۱۰/ج:۴، رشیدیة.

(۷) فیض القدیر ص۱۵۱/ج:۴. بیروت.

(۸) المنهل العذب المورود ص۴۷/ج:۹، بیروت.

(۹) الصحیح لمسلمٍ ص۳۱۳/ج:۱، دار الاشاعت.

(۱۰) المنهاج للنوی علی هامش مسلمٍ: ص۳۱۳. دار الاشاعت.

(۱۱) فتح الباری ص۴۳۰/ج:۱۲. دار الفکر.

باب الشهيد

وبائی امراض میں مرنے والے کو شہید کہا جا سکتا ہے؟

سوال: کرونا یا کسی وبائی امراض میں اگر کسی کا انتقال ہو جائے تو کیا اس کو شہید کا درجہ ملتا ہے؟

الجواب

احادیث مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وبائی امراض میں اگر کسی مسلمان کا انتقال ہو جائے تو اس کو بھی شہید کا درجہ ملے گا۔ بشرطیکہ وہ مایوس نہ ہو۔ اور ذات پاک پر پوری طرح بھروسہ ہو۔ اور اس پر صبر کرے۔ لیکن یہ اخروی اعتبار سے ہے۔ دنیوی اعتبار سے اس پر بھی عام میت کا حکم نافذ ہوگا۔ یعنی اس کو غسل دیا جائے گا۔ کفن پہنایا جائے گا۔ نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔

دلائل

(۱) عن أبی هريرة. قال: قال رسول الله. صلى الله عليه وسلم (ما تعدون الشهيد فيكم؟) قالوا: يا رسول الله، من قتل فی سبيل الله فهو شهيد قال: (إن شهداء أمتی إذا لقليل) قالوا: فمن هم يا رسول الله؟ قال: (من قتل فی سبيل الله فهو شهيد. ومن مات فی سبيل الله فهو شهيد ومن مات فی

الطاعون فهو شهيد، ومن مات فی البطن فهو شهيد). قال ابن مقسم: أشهد علی أبيک فی هذا الحديث أنه قال: (والغريق شهيد). (الصحيح لمسلم) باب بيان الشهداء، رقم الحديث: ١٩١٥).

عن أبی هريرة رضی الله عنه أن رسول الله. صلی الله عليه وسلم. قال: الشهداء خمسة: المطعون. والمبطون. والغريق. وصاحب الهدم. والشهيد فی سبيل الله. (الصحيح البخاری: باب الشهادة سبع سوی القتل. رقم الحديث:٢٥٥٨).

عن جابر بن عتيک قال: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم. الشهادة سبع سوی القتل فی سبيل الله عز وجل: المطعون شهيد. والمبطون شهيد. والغريق شهيد. وصاحب الهدم شهيد وصاحب ذات الجنب شهيد.

وصاحب الحرق شهيد. والمرأة تموت بجمع شهيدة.

سنن النسائی: باب النهی عن البكاء علی الميت، رقم الحديث: ١٨٤٦.

فالمراد شهيد الآخرة وكذا الجنب ونحوه، ومن قصد العدو فأصاب نفسه والحريق والغريق والمهدوم عليه والمبطون

والمطعون، والنفساء والميت ليلة الجمعة، وصاحب ذات الجنب ومن مات وهو يطلب العلم. وقد عدهم السيوطى نحو الثلاثين. وتحته فى الشامية. (قوله: والمطعون) وكذا من مات فى زمن الطاعون بغيره إذا أقام فى بلده صابراً محتسباً فإن له أجر الشهيد كما فى حديث البخارى. وذكرا لحافظ ابن حجر أنه لا يسأل فى قبره (الدر المختار مع الشامى ج:٢ ص:٢٥٢) كراچى.

وأما حكم الغسل فنقول الشهيد نوعان. نوع يغسل ونوع لا يغسل. أما الذى لا يغسل فهو الذى فى معنى شهداء أحد فيلحق بهم فى حق سقوط الغسل بالحديث الذى رويناه وإلا فيبقى على الأصل المعهود وهو أن الغسل سنة للموتى. (تحفة الفقهاء ج:١ ص:٢٥٨. بيروت).

حیات
حبیب الامت

حیات
حبیب الامت

حیات
حبیب الامت

حیات
حبیب الامت

كتاب الزكوة

سنین ماضیہ کی زکوٰۃ کا حکم

سوال: زید کے پاس ساڑھے چھ تولہ سونا ہے اور اٹھاون تولہ چاندی ہے اور اس کے ذمہ اٹھارہ سال کی زکوٰۃ باقی ہے اور یہ دونوں یعنی سونا اور چاندی اتنی مدت تک علی حالہ باقی رہے اور اب وہ زکوٰۃ ادا کرنا چاہتا ہے تو زکوٰۃ ادا کرنے کی کیا صورت ہوگی اور کتنی زکوٰۃ نکلے گی؟

الجواب:

صورت مسئولہ میں ڈھائی روپیہ سیکڑہ کے حساب سے سنین ماضیہ کی زکوٰۃ نکالیں ضابطہ کے طور پر ڈھائی فیصد یاد رکھیں اس لئے کہ سونا چاندی کی قیمت میں عموماً تفاوت ہوتا رہتا ہے بازار سے نرخ معلوم کر کے ایک سال کا جتنا حساب بنے اس کا اٹھارہ گنا نکال دیں اور ہر سال کی زکوٰۃ مجموعی رقم سے منہا کرتے جائیں۔(۱)

دلائل:

(۱) وتعتبر القيمة يوم الوجوب وقالا يوم الأداء وفي السوائم يوم الأداء إجماعاً وهو الأصح. (شامی ص:۲۸۶ ج:۲) کراچی.

فيعتبر قيمتها يوم الأداء والصحيح أن هذا مذهب جميع أصحابنا. (بدائع الصنائع ص: ۱۱۱ ج:۲ زکریا).

إن أدى قيمتها تعتبر القيمة يوم الوجوب في الزيادة والنقصان. (البحر الرائق ص: ٢٢١ ج: ٢. سعيد).

سئل عن الرجل يكون له الدين الظنون أيزكيه؟ فقال: إن كان صادقاً فليزكه لمامضى. إذا قبضه. (المصنف لابن شيبة ص: ٤٨٦ ج: ٦، المجلس العلمی).

وجوب زکوٰۃ کی مختلف شکلیں

(۱)محوراول

زکوٰۃ کس قسم کے اموال میں واجب ہے؟

وجوب زکوٰۃ کی وہ شرطیں جن کا تعلق محل زکوٰۃ یعنی اموال سے ہے۔

پہلی شرط – ملک تام

ملک تام سے کیا مراد ہے، اس ذیل میں چند سوالات:

پیشگی قیمت کی ادائیگی پر زکوۃ کا حکم

سوال ۱: مال تجارت جس کی قیمت پیشگی ادا کردی گئی ہو لیکن مال کی وصولی اب تک نہیں ہوسکی ہے، وہ قیمت جو ادا کی جا چکی اور وہ مال جو خریدار کے ملک میں آچکا لیکن قبضہ میں نہیں آیا اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

ڈپوزٹ کی زکوۃ کس پر واجب ہوگی؟

سوال ۲: کرائے کی مد میں دی گئی پیشگی رقم یا ڈپوزٹ جو عقد اجارہ کے فسخ ہو جانے یا مدت پوری ہونے پر کرایہ دار کو واپس کیا جاتا ہے اس نقد کی زکوٰۃ کس پر واجب ہوگی، کرایہ دار پر یا مالک مکان پر۔

مدارس کے اموال میں زکوۃ کا حکم

سوال ۳: جس مال کا کوئی معین مالک نہ ہو جیسے مدارس اور اداروں میں جمع ہونے والی رقم ان پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

رشوت اور سودی رقم پر زکوۃ کا حکم

سوال ۴: وہ مال جو کسی شخص کے قبضہ میں بطور حرام آتا ہے مثلاً، رشوت کا مال، بینک کا سود وغیرہ اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

اگر یہ اموال حلال مال میں اس طرح مخلوط ہو گئے ہوں کہ ان میں باہم تمیز مشکل ہو تو اس صورت میں ان مخلوط اموال میں وجوب زکوٰۃ کا کیا حکم ہے؟

دین کی زکوۃ کا حکم

سوال ۵: دین کی زکوٰۃ کس پر واجب ہوگی، دائن پر جس کی ملک ہے لیکن قبضہ نہیں

یا مدیون پر جس کے قبضہ وتصرف میں ہے لیکن اس کے ملک میں نہیں یا دین
کی زکوٰۃ کسی پر واجب نہ ہوگی، کیا اگر مدیون باوجود قدرت کے دین کی
ادائیگی میں ٹال مٹول کر رہا ہو اور اس مال کو تجارت میں لگا کر استفادہ کر رہا
ہو تو، ایسی صورت میں اس مدیون پر زکوٰۃ واجب قرار دی جاسکتی ہے؟

وصولیابی کی امید اور نا امیدی کے اعتبار سے دین کی قسمیں اور وجوب زکوٰۃ
کا حکم اور اگر زکوٰۃ واجب ہوگی تو کب اور وصولیابی کے بعد سابق کی زکوٰۃ بھی دینی
ہوگی یا وصول ہونے کے بعد مستقبل کی زکوٰۃ واجب ہوگی؟

پرائیویٹ فنڈ پر زکوۃ کا حکم

سوال ۶: سرکاری محکموں اور مختلف پرائیویٹ کمپنیوں میں جو لوگ ملازم ہیں ان کی
ماہانہ یافت میں سے ایک حصہ وضع کر کے ان کو محفوظ کھاتے میں جمع کر دیا
جاتا ہے اور کچھ فیصد سرکار یا کمپنی اپنے ملازم کے مستقبل کو پیش نظر رکھتے
ہوئے اپنی طرف سے اس میں اضافہ کرتی ہے اور ریٹائرمنٹ کے وقت وہ
پوری رقم ملازم کو دیدی جاتی ہے، دوران ملازمت بھی بعض خاص قواعد کی
پابندی کرتے ہوئے ملازم کو اپنے اس محفوظ فنڈ سے کچھ حصہ کا اختیار ہوتا
ہے، بعض اوقات ہر دو قسم کی مذکور رقم پر سرکار یا کمپنی انٹرسٹ کے نام سے
بھی کچھ اضافہ جوڑ کر آخر میں وہ مجموعی رقم ملازمین کو ادا کرتی ہے، یہ رقم عام
اصطلاح میں پرائیویڈینٹ فنڈ کہلاتی ہے۔

پرائیویڈ ینٹ فنڈ کی مذکورہ بالا رقوم پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ اگر ہوگی تو کب؟ اور اگر زکوٰۃ وصولیابی کے وقت واجب ہوگی تو سابق کی بھی واجب ہوگی یا آئندہ سال گذرنے پر؟

دوسری شرط-نما

نما کی حقیقت اور اس کی صورتیں تیسری شرط حاجت اصلیہ سے فارغ ہونا۔

حاجت اصلیہ کی تعریف اور اس کا دائرہ۔

حاجت اصلیہ کی تعریف اور اس کا دائرہ:

نمبرا: کیا حاجت اصلیہ کا تعین ہر دور اور ماحول میں اس کے اعتبار سے کیا جائے گا؟

چوتھی شرط-دین سے محفوظ ہونا

کون سا دین مانع زکوٰۃ ہے۔دین کی قسمیں اور ان کے احکام۔

نمبرا: دین طویل الاجل، آج کے دور میں زراعتی قرض۔

تعمیر مکان کے لئے قرض اور اس طرح کے مختلف قرض۔

سرکار اپنے شہریوں کو دیتی ہے جن کے لئے ۵ سال سے لیکر ۳۰-۴۰ سال کی طویل مدت مقرر کی جاتی ہے اس مدت کے دوران قسط وار قرض کی ادائیگی واجب ہوتی

ہے، اس قرض کی مقدار بھی عموما بہت بڑی ہوتی ہے مثلا، زید نے اپنے کسی تجارتی کاروبار کے لئے پانچ کروڑ روپے قرض لئے جسے پچاس قسطوں میں ادا کرنا ہے یعنی سالانہ دس لاکھ روپئے ادا کرنا ہے یا کسی شخص نے ٹریکٹر کی خریداری کے لئے ایک لاکھ روپیہ قرضہ لیا جسے دس سال میں دس دس ہزار سالانہ کے لحاظ سے ادا کرنا ہے، ان صورتوں میں وجوب زکوٰۃ کے لئے اموال زکوٰۃ سے پورے قرض کو منہا کیا جائے گا یا سالانہ واجب الاداء قسط وضع کر کے باقی اموال پر زکوٰۃ واجب قرار دی جائے گی؟

اسلام میں کن اموال میں زکوۃ واجب ہے؟

کمپنیز پر زکوٰۃ:

کسی بھی کمپنی میں متعدد شرکاء ہوتے ہیں اور اپنے اپنے حصہ کے مطابق اثاثے اور آمدنی کے مالک ہوتے ہیں، بعض ایسی صورتیں ہوسکتی ہیں، جس میں کمپنی کا مجموعی اثاثہ اور مالیت کروڑوں روپئے کو پہنچتا ہو جس میں نصاب وجوب زکوٰۃ موجود ہے، لیکن اس کے شرکاء اور حصہ داروں کی تعداد اتنی بڑی ہے کہ کمپنی کی مجموعی مالیت کی تقسیم حصہ داروں پر کیجائے تو ان میں سے کوئی بھی صاحب نصاب نہیں ہوتا یا کچھ لوگ صاحب نصاب نہیں ہوتے، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وجوب زکوۃ میں کمپنی کی مجموعی مالیت کا اعتبار ہوگا یا ہر فرد کے انفرادی حصہ کا؟

ہیرے اور جواہرات:

(ا) ہیرے اور جواہرات کی تجارت کی جاتی ہے، جو لوگ ہیرے اور جواہرات کی تجارت کرتے ہیں بظاہر مال تجارت ہونے کی وجہ سے ان پر تو زکوٰۃ واجب ہوگی ہی لیکن دوسرا سوال یہ ابھرتا ہے کہ جو لوگ انکم ٹیکس اور دیگر سرکاری قوانین کی زد سے بچنے کے لئے نقد روپیوں یا سونے چاندی کی صورت میں اپنے سرمائے کو محفوظ کرنے کے بجائے ہیرے جواہرات لاکھوں روپۓ کے خرید کر محفوظ کر دیتے ہیں، ظاہر ہے کہ حوائج اصلیہ میں نہیں ہیں اور بڑی مالیت رکھتے ہیں، شرعاً ان پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

بعض اوقات خواتین محض تزئین و آرائش کے لئے ہیرے جواہرات استعمال کرتی ہیں ان کا مقصد تمول نہیں ہوتا ہے وجوب زکوٰۃ کے بارے میں ان کا کیا حکم ہوگا؟

اموال تجارت پر زکوٰۃ:

سامان تجارت جو تاجر کے قبضہ میں ہے ادائیگی زکوٰۃ کے دن ان کی مالیت کا تعین کس نرخ سے کیا جائے گا، اپنی لاگت کے حساب سے کریں یا اس دن کی قوت خرید کا اعتبار کیا جائے، پھر یہ کہ تھوک کے بھاؤ کا اعتبار ہوگا یا پھٹکر فروختگی کا اعتبار ہوگا؟

جو لوگ اراضی کی خرید و فروخت کو ایک تجارتی کاروبار کے طور پر کرتے ہیں،

سال پورا ہونے پر نقد رقم کے علاوہ جو اراضی ان کی ملکیت میں ہیں وہ اراضی بھی اموال زکوۃ میں شمار ہوں گی؟ اور ان پر زکوۃ کا وجوب قیمت خرید کے اعتبار سے ہوگا یا متوقع قیمت فروخت کا اعتبار ہوگا؟

شیرز اور بونڈس کی زکوۃ:

مختلف تجارتی کمپنیاں اپنے شیرز فروخت کرتی ہیں، یہ شرکت کی ایک صورت ہے کمپنی قائم کرتے وقت کچھ اکائیاں طے کرلی جاتی ہیں، ہر یونٹ (اکائی) ایک شیر ہوتا ہے اور اس کی ایک خاص قیمت ہوتی ہے کمپنی جو کچھ منافع کمائے گی شیرز ہولڈرس اس میں اپنے حصے کے تناسب سے نفع کے حقدار ہوں گے، شیرز دراصل کسی تجارتی کمپنی کے ایک خاص حصہ کی ملکیت ہے، واضح رہے کہ بعد کو ان شیرز کی خرید وفروخت ہوتی ہے اور کمپنی کے نفع ونقصان اور اس کے ساکھ کے پیش نظر ان شیرز کی قیمت گھٹتی اور بڑھتی ہے۔

پہلا سوال یہ ہے کہ ان شیرز پر ایک تجارتی سرمایہ ہونے کی حیثیت سے زکوۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ دوسرا سوال یہ ہے کہ زکوۃ کی ادائیگی کے وقت ان شیرز کی مالیت کا تعین ان کی بنیادی قیمت کو سامنے رکھ کر کیا جائے گا یا بہ وقت ادائے زکوۃ مارکیٹ میں اس کا جو نرخ ہو اس کا اعتبار کیا جائے گا؟

بونڈس سے مراد یہ ہے کہ اکثر حکومتیں یا مختلف کمپنیز لوگوں سے قرضے مانگتی ہیں اور ان قرضوں کی واپسی کے لئے کچھ مدت (۵) سال دس سال وغیرہ) متعین

کرتی ہیں اور کچھ فیصد سود کا بھی اعلان کرتی ہیں اور بطور ثبوت قرض دہندہ کو سٹرٹیفکیٹ ایشو کرتی ہیں وہی بونڈس ہے، سوال یہاں پر صرف اتنا ہے کہ جو کچھ سود کے نام پر دیا جاتا ہے، اس کی حرمت میں تو کوئی شبہ نہیں؟ قرض دہندہ نے جو سرمایہ بونڈس پر لگایا اس کی زکوٰۃ اسے ادا کرنی ہوگی یا نہیں؟ اور اگر ادا کرنی ہوگی تو سال بہ سال یا بونڈس کیش کرانے کے وقت سبھی گذرے ہوئے برسوں کی یا صرف آئندہ کی؟

نصاب زکوٰۃ

چاندی اور سونے کے نصاب میں سے کون سا نصاب اصل تسلیم کیا جائے؟
آج کے دور میں جبکہ سونے اور چاندی کی نرخ میں زمین وآسمان کا فرق ہے، نصاب حرمت زکوٰۃ (غنا یعنی کسی شخص کو غنی قرار دے کر اس کے لئے زکوٰۃ لینا ممنوع قرار دیا جائے) اور اسی طرح نصاب موجب زکوٰۃ کی کم سے کم مقدار چاندی کے نصاب سے مقرر کی جائے گی یا سونے کے نصاب سے؟

مصارف زکوٰۃ

(۱) کیا یہ صورت درست ہوگی کہ ایک طالب علم جو مستحق زکوٰۃ ہے ادارہ اس کے طعام قیام، تعلیم اور دوسری سہولتوں کا انتظام کرتا ہے، اس کے طعام پر ماہانہ خرچ سو روپئے آتا ہے، اس کی رہائش کے لئے جو مکان فراہم کیا گیا ہے (مکان کی تعمیر عام چندے سے کی گئی ہے) بازاری نرخ کے حساب سے اس کا کرایہ ۲۵ روپئے ماہانہ ہے،

اساتذہ کے شہریہ (ماہانہ تنخواہ) وغیرہ پر جو خرچ آتا ہے اس کو اگر طلبہ کی خدمت یا متعلق انتظامی امور پر مامور ہے ان کا مجموعی شہریہ تقسیم کئے جانے پر فی طالب علم 26 روپے ماہوار پڑتا ہے، اس طرح ایک طالب علم پر کل اخراجات ماہانہ مثلاً ڈھائی سو (250) روپئے آتے ہیں مدرسہ یہ نظام بناتا ہے کہ ہر طالب علم سے ڈھائی سو روپئے ماہانہ لئے جائیں، مستطیع طلبہ اپنے پاس سے یہ اخراجات ادا کریں اور غیر مستطیع طلبہ کی طرف سے مقررہ فیس مدرسہ مدز کوٰۃ سے ادا کرے یا مدرسہ اس رقم کا چیک اس طالب علم کے نام دیدے اور وہ چک وصول کرنے کے بعد مدرسہ میں جمع کردے، کیا یہ صورت جائز ہوگی؟ ذیل میں ایک سوال یہ بھی ہے کہ مہتمم مدرسہ زکوٰۃ دہندگان کا وکیل ہے یا مستحقین زکوٰۃ کا؟

(ا) سوال یہ ہے کہ مدارس کے لئے زکوٰۃ کی وصولی پر جو لوگ مقرر کئے جاتے ہیں وہ ماہانہ تنخواہ پاتے ہیں اور ساتھ ساتھ وہ عملہ جو حساب کتاب کے لئے مقرر ہوتا ہے اسے بھی ماہانہ تنخواہ دی جاتی ہے، یہ محسوس کیا جا رہا ہے کہ ماہانہ تنخواہ پر مقرر کئے ہوئے سفراء و محصلین کے ذریعہ جو آمدنی ہوتی ہے اور ان پر جو خرچ ہوتا ہے ہے اس سے مدرسہ کو نقصان پہنچتا ہے، آمد کا تناسب کم اور خرچ کا تناسب زائد آتا ہے بعض مدارس میں متعین شرح فیصد کمیشن دیا جاتا ہے، اس صورت میں خرچ کے تناسب کے مقابلہ میں آمد کا تناسب بہتر رہتا ہے سوال یہ ہے کہ کیا ایسا کرنا جائز ہوگا اور اسے "العاملین علیها" کے تحت داخل مانا جائے گا؟ اگر کمیشن کی صورت کو جائز قرار دیا

جائے تو کیا شرح فیصد کے تعین کے لئے کوئی خاص حد شرعاً ضروری ہے؟ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ حساب آمد و خرچ کے اندارج پر جو عملہ مقرر ہے کیا اس کی ماہانہ تنخواہ مد زکوٰۃ سے ادا کی جاسکتی ہے جبکہ وہ لوگ دوسرے کام بھی انجام دیتے ہیں؟

مصارف زکوٰۃ

فی سبیل اللہ

مصارف زکوٰۃ کا مسئلہ غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے، اس لئے کہ اس کا تعلق ایک فرض کی ادائیگی سے ہے، اگر زکوٰۃ ایسے لوگوں پر اور ایسے مصارف میں صرف کردی جائے جو شریعت کے اعتبار سے ''مصرف'' نہ ہوں تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی اور اگر مصارف کا صحیح تعین نہ ہو اور وہ لوگ جو شرعاً مستحق ہیں ان کو مصرف زکوٰۃ سے خارج کردیا جائے تو یہ مستحقین کو ان کے حق سے محروم کردینا ہوگا جسے ظلم کہا جائے گا یہ بڑا فساد ہے۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے مصارف صدقات کو خود قرآن کریم میں واضح فرمادیا اور ارشاد فرمایا: اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ الْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَ الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَ فِى الرِّقَابِ وَ الْغٰرِمِيْنَ وَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ ا فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ا (سورہ توبہ: ٦٠)

اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے سیدنا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے

”فاحکم اللہ عز وجل فرض الزکوۃ فی کتابہ ثم اکدھا فقال فریضۃ من اللہ ولیس لاحد ان یقسمھا علی غیر ما قسمہ اللہ عز وجل ذلک ما کانت الاصناف موجودۃ“ (کتاب الام: ۶/۶۰)

تقی الدین بن ابی بکر بن محمد حسینی شافعیؒ نے لکھا ہے:

”فان دفع زکوتہ لیس مستحقھا لفقد الشروط المعتبرۃ لم تبر ذمتہ منھا“ (کفایت الاختیار فی حل غایۃ الاختصار: ۱/ ۳۷۹)

ابن قدامہ حنبلی کہتے ہیں ”ولا یجوز صرف الزکوۃ الی غیر من ذکر اللہ تعالیٰ“ (المغنی: ۲/۶۶۷)

صاحب نیل المآرب نے لکھا ہے: ”اصل الزکوۃ ثمانیۃ اصناف لا یجوز صرفھا الی غیرھم عن بناء المساجد والقناطر وتکفین الموتی ووقف المصاحف وغیر ذالک من جھات الخیر“ (نیل المآرب:۱/۲۶۳)

مرداوی کہتے ہیں: ”لا یجوز لغیر الاصناف الثمانیۃ الماخوذۃ من الزکاۃ مطلقا علی الصحیح من المذھب وعلیہ جماھیر الاصحاب“ (الانصاف: ۳/۲۱)

صاحب محلی نے حضرت عبداللہ بن عباس سے بروایت صحیحہ نقل کیا ہے کہ انہوں نے زکوٰۃ کے بارے میں فرمایا: ”ضعوا ھا مواضعھا“ (المحلی: ۳/۱۴۵)

اور سعید بن جبیر نے فرمایا: "ضعها حیث امر کم الله" (المحلی : ۱۴۵/۳)

قرآن میں مذکورہ مصارف میں ایک مصرف "فی سبیل اللہ" ہے، فی سبیل اللہ کے مصرف کے تعین میں علماء کی آراء میں اختلاف پیدا ہوا ہے اس وجہ سے ایسے مسئلے میں سخت اضطراب پیدا ہو رہا ہے، اس لئے ضرورت ہے کہ آج علماء ان مختلف اقوال اور ان کے دلائل کو سامنے رکھ کر مسلمانوں کے لئے ایک راہ عمل طے کریں تاکہ فی سبیل اللہ کے ابہام کی وضاحت اور اس کے اجمال کی تفصیل پوری طرح متعین ہو جائے۔

فی سبیل اللہ کی وضاحت میں مختلف علماء کے اقوال

اگر ہم فقہ کی کتابوں میں بکھرے ہوئے اقوال کو سمیٹیں تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس سلسلے میں بعض علماء نے غیر معمولی توسع اختیار کیا ہے اور ہر عمل خیر پر مال زکوۃ صرف کرنا جائز قرار دیا ہے۔ بعضوں نے مسلمانوں کی مصالح عامہ کے ساتھ فی سبیل اللہ کو خاص کیا ہے، بعضوں نے اسے صرف جہاد فی سبیل اللہ تک محدود رکھا ہے۔

اب ہم ذیل میں ان تمام اقوال کی تفصیل بیان کرتے ہیں:

(۱) پہلا قول: فی سبیل اللہ کا لفظ تمام ہی قسم کے اعمال خیر اور قدرت وطاقت پر حاوی ہے۔ یہ رائے امام رازیؒ نے امام قفال سے نقل کرتے ہوئے بعض فقہاء کی طرف منسوب کیا ہے، لیکن ان فقہاء کے نام نہیں بتائے، امام رازیؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"واعلم ان ظاهر اللفظ في قوله تعالى وفي سبيل الله لا

یوجب القصر علی کل الغزاۃ فلھذا المعنی نقل القفال فی تفسیر عن بعض الفقھاء انھم أجازوا صرف الصدقات الی جمیع وجوہ الخیر من تکفین الموتی وبناء الحصون وعمارۃ المساجد لأن قولہ فی سبیل اللہ عام فی الکل"(تفسیر الکبیر: ۱۶/۱۱۳)

نواب صدیق حسن خان نے "الروضۃ الندیۃ" میں لکھا ہے کہ "آیت مصارف زکوٰۃ میں مذکور لفظ فی سبیل اللہ کے معنی اللہ کا راستہ ہے اور جہاد اگرچہ اللہ تک پہنچانے والے راستوں میں اہم ترین راستہ ہے، لیکن باب زکوٰۃ میں فی سبیل اللہ کے حصے کو مجاہدین کے ساتھ خاص کرنے کی کوئی دلیل نہیں ہے، بلکہ اس کا صرف کرنا ہر اس عمل پر جو اللہ تک پہنچنے کا ذریعہ ہو جائز ہوگا، آیت کا لغوی معنی یہی ہے اور لغوی معانی پر وقوف واجب ہے اس لئے کہ اس مقام پر شرع سے کوئی نقل صحت کے ساتھ ثابت نہیں"۔

نواب صدیق حسن خان نے اپنے اسی رجحان کے مطابق تمام قرضوں میں زکوٰۃ کے صرف کو جائز قرار دیتے ہوئے علماء کو بھی مصرف زکوٰۃ قرار دیا ہے، اگرچہ وہ غنی ہوں، نواب صاحب لکھتے ہیں "من جملۃ سبیل اللہ الصرف فی العلماء الذین یقومون بمصالح المسلمین الدینیۃ فان لھم فی مال اللہ نصیبا سواء کانوا اغنیاء او فقراء بل الصرف فی ھذہ الجھۃ من اھم الامور لان العلماء ورثۃ الانبیاء وحملۃ الدین وبھم تحفظ بیضۃ الاسلام

وشريعة سيدنا الامام"(الروضۃ الندیۃ: ۱/۲۰۷)

واضح رہے کہ خود نواب صاحب مرحوم نے اپنی تفسیر "فتح البیان" میں مختلف اقوال نقل کرتے ہوئے جمہور کے اس قول کو ترجیح دی ہے، جس میں فی سبیل اللہ سے "وهم الغزاة والمرابطون يعطون من الصدقة ما ينفقون في غزوهم ومرابطهم وان كانوا أغنيا" مراد لیا گیا تھا۔

اس قول کے بارے میں نواب صاحب مرحوم لکھتے ہیں: "والاول أولى لاجماع الجمهور عليه"(فتح البیان: ۴/۱۵۱)

بعض حضرات نے یہ قول امام کاسانی رحمۃ اللہ علیہ صاحب بدائع کی طرف منسوب کیا ہے، اور ان کے اس جملے سے کہ فی سبیل اللہ تمام ہی قربتوں کا نام ہے اس لئے کہ اس میں ہر وہ شخص داخل ہے جو اللہ کی اطاعت میں سعی کر رہا ہو، اس سے یہ غلط فہمی پیدا ہوتی ہے، لیکن ان کا یہ قول اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ وہ شخص محتاج ہو، اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ بناء مسجد وغیرہ جن میں کوئی شخص مصرف نہیں بلکہ کام مصرف ہے وہ اس ذیل میں نہیں آتے اور اگر اشخاص ہی ہوں جو کسی دینی جد وجہد میں مشغول ہوں تو وہ بھی اس شرط کے ساتھ مصرف ہوں گے کہ وہ محتاج ہوں، کاسانی کے پہلے جملے نے جو توسع پیدا کیا تھا اس شرط نے اس توسع کو ختم کر دیا۔

(۲) دوسرا قول "فی سبیل اللہ" مسلمانوں کی مصالح عامہ کو شامل ہے، اس قول کا حاصل یہ ہے کہ ہر طاعت وکار خیر مصرف زکوٰۃ نہیں بلکہ انہیں کاموں پر فی

سبیل اللہ کی مد میں زکوٰۃ صرف کی جاسکتی ہے، جس کا تعلق مسلمانوں کی عمومی مصالح سے ہو، اور جن سے مسلمانوں کے دین اور ان کی جتماعی حیات کی بقا اور ترقی کا تعلق ہو مثلاً جنگ کی تیاری، فوجوں کی غذائیں، فوجی ہاسپٹل، عمومی خیراتی اسپتال وغیرہ، اسی ذیل میں علوم شرعیہ کے مدارس جو مسلمانوں کی عام مصلحت سے تعلق رکھتے ہیں بشمول اساتذہ مدارس کے جو کسی اور ذریعہ آمدنی سے علیحدہ ہو کر بالکل مدارس دینیہ میں تعلیم وتدریس میں مشغول ہوجاتے ہیں یہ رائے عام طور پر علماء سلف میں نہیں پائی جاتی البتہ ماضی قریب میں شیخ محمد رشید رضا مصری اور شیخ شلتوت وغیرہ نے اختیار کی ہے۔

(۳) تیسرا قول: فی سبیل اللہ میں حج بھی داخل ہے۔

امام احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ کی طرف یہ قول منسوب ہے امام احمد سے اس بارے میں روایتیں مختلف ہیں اور فقہاء حنابلہ کے یہاں ترجیحات بھی مختلف نظر آتی ہیں۔ (الانصاف للمرداوی: ۲۳۵)

ابوعبید بن قاسم بن سلام نے بعض صحابہ کی یہ رائے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے

"هذا القول مهجور غير معمول به" (الاموال لابی عبید: ۷۹۹)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے بھی مجموعہ فتاوی میں اس رائے کو اختیار کیا ہے۔

(مجموعہ فتاوی شیخ الاسلام ابن تیمیہ: ۲/۲۷۴)

پھر یہ کہ جس حاجی کو زکوٰۃ دی جائے اس کا فقیر ہونا ضروری ہے یا نہیں؟ پھر حج فرض ونفل کا ایک ہی حکم ہے یا الگ یہ سب بحثیں فقہاء حنابلہ نے اپنی کتابوں میں

کی ہیں۔

فقہاء حنفیہ میں سے محمد بن الحسن کی طرف یہ قول منسوب کیا گیا ہے کہ ایسا شخص جو سفر حج میں نکلا، قافلہ سے بچھڑ گیا اس لئے کہ اس کے اخراجات سفر ضائع ہو گئے یا اس کی سواری اسے دھوکا دے گئی۔

تو یہ حاجی مصرف زکوٰۃ ہے، (شامی ۲/۳۴۳، بدائع الصنائع: ۱/۴۶)

جمہور فقہاء امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، سفیان ثوریؒ، ابوثورؒ، ابن المنذر وغیرہ حجاج کو زکوٰۃ دینا جائز قرار نہیں دیتے۔

(۴) چوتھا قول: علماء، مدرسین، اصحاب افتاء وقضاء اور طلبہ علوم شرعی، جو علم کے لئے وقف ہیں، انہیں زکوٰۃ دینی جائز ہے۔ یہ رائے بعض متأخرین فقہاء کی ہے، جنہوں نے مجاہدین وغزاۃ کے ساتھ قضاء افتاء اور تدریس جیسے عمومی مصالح امت میں مشغول لوگوں کو ملحق قرار دیا ہے، جیسا کہ صنعانی نے سبیل السلام: ۱/۱۴۵ میں اس قول کا تذکرہ کیا ہے اور بعض فقہاء احناف نے طلبہ علوم دینیہ کو باوجود غنی ہونے کے زکوۃ دینا جائز قرار دیا ہے۔ (شامی: ۲/۳۴۰، ۳۴۳)

(۵) پانچواں قول: فی سبیل اللہ سے مراد غزوہ جہاد ہے۔

علماء امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ فی سبیل اللہ میں غزوہ وجہاد داخل ہے اس کے بعد غزوہ کے علاوہ کسی اور کام کے فی سبیل اللہ میں داخل ہونے کے بارے میں فقہائے امت کے درمیان کچھ اختلاف ہے، لیکن فقہا مجتہدین کی بڑی تعداد اسی کی

قائل ہے کہ فی سبیل اللہ میں غزوہ وجہاد کے علاوہ کوئی اور کام داخل نہیں، ائمہ مجتہدین میں امام مالک، امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہم اللہ کا اس بارے میں متفقہ قول یہ ہے کہ فی سبیل اللہ کا مصداق غازی ہی ہیں، عہد صحابہ سے لے کر دور حاضر تک یہی جمہور علماء کا قول رہا ہے، علامہ ابن رشد فی سبیل اللہ کے بارے میں ائمہ مجتہدین کے اقوال نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "قال مالک فی سبیل اللہ مواضع الجهاد والرباط"۔

"وبه قال ابو حنيفة: وقال الشافعی: هو الغازی"۔

"جاز الصدقة، وانما اشترط جاز الصدقة لأن عند أكثرهم انه لا يجوز نقل الزكوٰة من بلد الى بلد الا من ضرورة" (بدایۃ المجتہد: ۲۱۴/۱)

جمہور فقہاء کے نزدیک اس پر اتفاق ہے کہ باوجود کہ فی سبیل اللہ میں صرف غزوہ وجہاد آتا ہے، اس سلسلہ کی کچھ تفصیلات کے بارے میں ان میں باہم اختلاف ہے، بعض فقہاء نے غازیوں اور مجاہدین کے مستحق زکوٰۃ ہونے کے لئے ان کے فقیر ہونے کی شرط لگائی ہے، اکثر فقہاء کے نزدیک یہ شرط نہیں ہے، بعض فقہاء نے یہ شرط لگائی ہے کہ وہی غازی فی سبیل اللہ کے دائرہ میں آئیں گے جو بیت المال سے اجرت لئے بغیر رضا کارانہ طور پر جنگوں میں حصہ لیں غرضیکہ تفصیلات میں کچھ اختلاف ہونے کے باوجود فقہاء کی غالب اکثریت اس بات پر متفق ہے کہ فی سبیل اللہ کا دائرہ غزوہ وجہاد تک محدود ہے۔

پہلے قول کے دلائل

(۱) جو حضرات سبیل اللہ میں تمام نیک کاموں کو داخل کرتے ہیں ان کی سب سے اہم دلیل یہ ہے کہ لفظ "فی سبیل اللہ" عام ہے، لہٰذا کسی دلیل کے بغیر لفظ عام کو اس کے بعض افراد کے ساتھ مخصوص کر دینا درست نہیں ہے، اور یہاں کوئی ایسی دلیل موجود نہیں ہے جس کی بنا پر فی سبیل اللہ کو غزوہ وجہاد کے ساتھ مخصوص کر دیا جائے نواب صدیق حسن صاحب اس دلیل کو پوری قوت کے ساتھ ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں:

"وأما سبيل الله المراد به ههنا الطريق اليه عز وجل والجهاد وان كان اعظم الطريق الى الله عز وجل، لكن لا دليل على اختصاص هذا السهم به بل يصح الصرف بذلك فى كل ما كان طريقا الى الله عز وجل، هذا معنى الآية لغة، والواجب الوقوف على المعانى اللغوية حيث لم يصح النقل هنا شرعا" (الروضة الندية: ۱/ ۲۰۶)

(۲) فی سبیل اللہ: کے عموم پر دوسرا استدلال اس طرح کیا جاتا ہے کہ بعض صحابہ، تابعین اور فقہاء نے حج کو فی سبیل اللہ میں داخل قرار دیا ہے۔ اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ فی سبیل اللہ کا دائرہ غزوہ جہاد تک محدود نہیں ہے بلکہ دوسرے کار خیر بھی اس میں داخل ہیں اور جب غزوہ جہاد سے آگے بڑھ کر حج کو "فی سبیل اللہ" میں داخل

مان لیا گیا تو کوئی وجہ نہیں کہ دوسرے نیک کاموں کو اس سے خارج قرار دیا جائے زکوۃ کے دوسرے کارہائے خیر میں صرف کرنے کے جواز کی ایک دلیل کتب حدیث کی وہ روایت بھی ہے جسے امام بخاری نے الجامع الصحیح کے باب القسامہ میں ذکر کیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک صحابی کو خیبر میں یہودیوں نے قتل کر دیا ان کے قاتل کا پتہ نہیں چل سکا، تو رسول اللہ ﷺ نے اس صحابی کو خون بہا صدقہ کے اونٹوں میں سے دیا۔

(۳) نواب صدیق حسن صاحب نے تمام کاموں میں مشغول افراد کو زکوۃ دینے کے جواز پر یہ استدلال بھی پیش کیا ہے کہ صحابہ کرام ہر سال بیت المال سے عطیہ لیا کرتے تھے، بیت المال میں جمع شدہ مال کا ایک حصہ مال زکوۃ ہوا کرتا تھا اور بیت المال سے عطیہ لینے والے صحابہ میں مالدار و غریب دونوں قسم کے صحابہ تھے۔ ایک ایک شخص کا عطیہ ہزار کو پہنچ جاتا تھا۔ (الروضۃ الندیۃ: ۱/۶)

دوسرے قول کے دلائل

''فی سبیل اللہ'' کے مصداق کے بارے میں دوسرا قول یہ ہے کہ ''فی سبیل اللہ'' سے مراد مسلمانوں کے عمومی مصالح ہیں، جن سے اجتماعی طور پر مسلمانوں کے دین کی بقاو ترقی اور مملکت اجتماعی امور وابستہ ہیں، قدیم مفسرین مجتہدین اور فقہاء کے یہاں یہ قول نہیں ملتا، سب سے پہلے شیخ محمد رشید رضا اور شیخ الازہر شیخ محمد شلتوت نے یہ قول اختیار کیا، اس کے بعد بعض دوسرے حضرات نے ان کی پیروی کی، ان حضرات

کے دلائل کا خلاصہ یہ ہے......۔

(۱) قرآن وسنت میں کوئی ایسی صراحت موجود نہیں ہے جس کی بنا پر ہم فی سبیل اللہ کو کسی خاص کار خیر کے لئے مخصوص کرسکیں، لہٰذا فی سبیل اللہ کا مصداق طے کرنے کا مسئلہ اجتہادی مسئلہ ہے، ہر عالم وفقیہ کو اس کے بارے میں اپنی رائے دینے کا حق ہے، اس مسئلہ کا اجتہادی ہونا اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ماضی اور حال میں فی سبیل اللہ کے مصداق کے بارے میں علماء اور فقہاء کا اختلاف رہا ہے، چنانچہ بعض حضرات نے ''فی سبیل اللہ'' کو غازیوں کے ساتھ مخصوص کیا ہے۔ بعض حضرات نے غازیوں کے ساتھ حج وعمرہ کرنے والوں کو بھی اس میں شامل کیا ہے، بعض نے فی سبیل اللہ کا مصداق طالب علموں کو قرار دیا ہے۔

(۲) ان حضرات کا ایک استدلال صدقہ کے اونٹوں سے خون بہا ادا کئے جانے کی اس حدیث سے بھی ہے جس کا تذکرہ قول اول کے دلائل کے ذیل میں آچکا ہے، استدلال کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دفع نزاع اصلاح ذات البین نیز مقتول کے اولیاء کو خوش کرنے کے لئے زکوۃ کے مال سے خون بہا ادا کیا۔ جب امن برقرار رکھنے کے مقصد سے رفع نزاع کے لئے مقتول کے ورثہ کو خون بہا میں زکوۃ دینا جائز ہے تو یہ بات بدرجہ اولی جائز ہونی چاہئے کہ اسلامی مملکت میں امن وامان کے قیام اور اجتماعی زندگی کی شیرازہ بندی کے لئے زکوۃ کی رقم صرف کی جائے، مصالح عامہ کے کاموں میں زکوۃ خرچ کرکے اسلامی مملکت کو استحکام بخشا جائے۔

(۳) فقہاء کی ایک جماعت نے زکوٰۃ کے آٹھوں مصارف کے لئے صرف زکوٰۃ کی علت یہ قرار دی ہے کہ ان مصارف پر خرچ کرنے سے مسلمانوں کی عمومی حاجت اور منفعت پوری ہوتی ہے، جب متعدد مصارف زکوٰۃ میں زکوٰۃ صرف کرنے کی علت مسلمانوں کی عمومی حاجت ومنفعت ہے تو ہم کیوں نہ اس علت کو عام کرتے ہوئے ان تمام کاموں کو مصارف زکوٰۃ کے دائرہ میں لے آئیں جن میں مسلمانوں کی عام مصلحت اور مسلم سوسائٹی کا اجتماعی مفاد ہو۔

تیسرے قول کے دلائل

(ا) جن حضرات نے غزوہ وجہاد کے ساتھ حج کو بھی فی سبیل اللہ میں شامل کیا ہے ان کا استدلال چند روایات وآثار سے ہے ان روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حج کو فی سبیل اللہ میں شمار کیا، اور جس شخص نے اپنا اونٹ فی سبیل اللہ (راہ خدا) میں محبوس کردیا تھا اسے آپ نے ہدایت دی کہ اپنا وہ اونٹ حج کرنے کے لئے دے دے۔ اس سلسلہ کی ایک روایت مسند احمد میں آتی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ ام معقل رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر ابو معقل سے کہا کہ آپ کو معلوم ہے کہ میرے اوپر حج لازم ہے اور آپ کے پاس ایک جوان اونٹ ہے، مجھے وہ اونٹ دے دیجئے تاکہ میں اس پر حج کرآؤں، ابوالمعقل نے کہا کہ تمہیں یہ بات معلوم ہے کہ میں نے وہ اونٹ فی سبیل اللہ (راہ خدا) میں محبوس کردیا ہے ام معقل نے کہا کہ پھر مجھے

حضور اکرم کے باغ کی فصل دے دیجئے، ابوالمعقل نے فرمایا کہ تمہیں معلوم ہے کہ میری کھجور کی پیداوار میرے بال بچوں کی روزی ہے ام معقل نے کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں بات کروں گی، راوی کہتے ہیں کہ ابو معقل اور ام معقل دونوں چل کر حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے ام معقل نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول! میرے ذمہ حج لازم ہے اور ابو معقل کے پاس اونٹ ہے، ابو معقل نے عرض کیا کہ ام معقل کی بات درست ہے، لیکن میں نے وہ اونٹ فی سبیل اللہ محبوس کر دیا ہے، تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ ام معقل کو وہ اونٹ حج کرنے کے لئے دیدو، کیونکہ حج بھی فی سبیل اللہ (راہ خدا) میں ہے۔

حدیث کی بعض دوسری کتابوں میں اسی طرح کا ایک واقعہ ابوطلیق اور ام طلیق کا آتا ہے۔

(۲) امام بخاری نے تعلیقاً ابواللیث سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حج کرنے کے لئے صدقہ کے اونٹ پر سوار کیا، (حوالہ، صحیح بخاری کتاب الزکوٰۃ باب "قول الله وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل الله" امام احمد، ابن خزیمہ اور حاکم وغیرہ نے اس حدیث کی سند متصل ذکر کی ہے۔

(۳) چند صحابہ کرام سے یہ بات ثابت ہے کہ انہوں نے حج کے لئے زکوٰۃ کا مال دینے کا فتویٰ دیا، صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اپنے مال کی زکوٰۃ سے غلام آزاد کیا جائے گا اور زکوٰۃ کا مال حج میں دیا

جائے گا (صحیح بخاری کتاب الزکوٰۃ باب قول وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل اللہ) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے کہ انہوں نے زکوٰۃ کا مال حج کرنے والوں کو دینے کا فتویٰ دیا، اس طرح کے متعدد آثار حافظ ابن حجر نے بخاری کی شرح میں نقل کیا ہے، یہ احادیث وآثار اس بات کے ثبوت ہیں کہ جہاد کے ساتھ حج بھی فی سبیل اللہ میں داخل ہے، ائمہ مجتہدین میں سے امام محمد بن حسن رحمہ اللہ امام احمد اسحاق بن راہویہ سے بھی یہ قول منقول ہے۔

چوتھے قول کے دلائل

بعض متأخرین فقہاء نے علماء ومدرسین، اصحاب افتاء اور طلبہ علوم دینیہ کو بھی غازی کے ساتھ ملحق کر کے مصارف زکوٰۃ میں شامل کیا ہے، ان حضرات نے اپنے اس قول پر کوئی قابل ذکر دلیل ذکر نہیں کی ہے، مصنف سبل السلام اس نقطہ نظر کی ترجمانی کرتے ہوئے لکھتے ہیں: عمدۃ الاحکام کے شارح نے لکھا ہے کہ غازی کے ساتھ وہ لوگ بھی ملحق کئے جائیں گے جو مسلمانوں کی کسی عمومی مصلحت مثلاً قضاء، افتاء وتدریس انجام دے رہے ہیں خواہ وہ لوگ مالدار ہی ہوں۔" (سبل السلام: ۱/۱۴۵)

پانچویں قول کے دلائل

عہد صحابہ سے لیکر دور حاضر تک جمہور علماء کی رائے یہی ہے کہ فی سبیل اللہ سے صرف غزوہ وجہاد مراد ہے، دوسرے نیک کام زکوٰۃ کے مصرف فی سبیل اللہ میں

داخل نہیں ہیں، سچی بات یہ ہے کہ اسلام کے ابتدائی تین صدیوں میں یہی علماء کا متفقہ قول تھاہاں معدود چند افراد ایسے ضرور تھے جنھوں نے فی سبیل اللہ میں حج کو بھی شامل کیا تھا۔

ان حضرات کی سب سے قوی دلیل یہ ہے کہ قرآن وسنت میں اور صحابہ کرام کی زبان میں جب فی سبیل اللہ مطلق بولا جاتا ہے تو اس سے مراد غزوہ وجہاد ہی ہوتا ہے، شیخ المفسرین ابن جریر طبری لکھتے ہیں: ”واما قوله فی سبیل الله فانه یعنی النفقة فی نصرة دین الله وطریقه وشریعته التی شرعها لعباده لقتال اعدائه وذلک هو الغزو“(تفسیر ابن جریر: ۱۶۵/۱۰)

ابن الاثیر لکھتے ہیں:

”السبیل فی الاصل الطریق ویذکر ویونث والتانیث فیها اغلب وسبیل الله عام یقع علی کل عمل خالص سلک به طریق التقرب الی الله تعالی باداء الفرائض والنوافل وانواع التطوعات واذا اطلق سبیل الله فهو فی الغالب واقع علی الجهاد وحتی صار لکثرة الاستعمال کأنه مقصور علیه“ (النهایة فی غریب الحدیث: ۳۳۶/۲)

ابن جوزی لکھتے ہیں:

”اذا أطلق ذکر سبیل الله فالمراد به الجهاد“ (فتح الباری: ۴۸/۷)

ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

"سبیل اللہ عند الاطلاق ھو الغزو" (فتح الباری: ۷/۴۸)

حافظ ابن حجر عسقلانی تحریر فرماتے ہیں:

"المتبادر عند اطلاق لفظ "فی سبیل اللہ الجھاد" (فتح الباری: ۷/۲۹)

"المتبادر الی الافھام ان سبیل اللہ تعالی ھو الغزو اکثر ما جاء فی القرآن العزیز کذلک" (المجموع: ۶/۲۱۲)

ابن قدامہ حنبلی المغنی میں لکھتے ہیں:

"کل ما فی القرآن من ذکر سبیل اللہ انما ارید بہ الجھاد، فیجب حمل ما فی ھذہ الآیۃ (یعنی آیۃ الصدقات) علی ذلک لأن الظاھر ارادتہ" (المغنی: ۶/۴۳۷)

تمام فقہی مسالک کے اصحاب علم وتحقیق فقہا کا مطالعہ یہی ہے کہ "فی سبیل اللہ" شریعت کی ایک اہم اصطلاح ہے، سبیل اللہ لغوی معنی کے اعتبار سے اگرچہ عام ہے اس میں ہر کار خیر داخل ہے کتاب وسنت میں بھی اسی عام لغوی معنی میں سبیل اللہ کا استعمال ہوا ہے، لیکن کتاب وسنت میں سبیل اللہ کا استعمال جب قرائن کے بغیر مطلق طور پر ہوتا ہے تو اس سے غزوہ جہاد ہی مراد ہوتا ہے قدیم مفسرین وفقہاء کے علاوہ دور جدید کے بعض علماء نے بھی کتاب وسنت میں فی سبیل اللہ کے استعمالات کا تتبع کر کے

''فی سبیل اللہ'' کے اس مخصوص معنی کو ثابت کیا ہے کتب حدیث میں ابواب الجہاد کی حدیثوں کا مطالعہ بھی اسی نتیجہ تک پہنچاتا ہے۔

(۲) جمہور فقہاء کی طرف سے استدلال میں وہ احادیث بھی پیش کی جاتی ہیں جو فن حدیث کی متعدد اہم کتابوں میں صحیح سند کے ساتھ موجود ہے، حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

''لا تحل الصدقة لغنی الا لخمسة، لغاز فی سبیل الله او العامل علیها او لغارم او رجل اشتراها بماله او لرجل کان له جار مسکین فتصدق علی المسکین فاهدی المسکین للغنی'' (موطاء امام مالک، سنن ابوداؤد)

اس حدیث میں زبان رسالت نے فی سبیل اللہ کے ساتھ ''غاز'' کی قید لگا کر زکوٰۃ کے مصرف ''فی سبیل اللہ'' کی مراد متعین کردی، فی سبیل اللہ کے بارے میں مختلف اقوال کے تمام دلائل کا احاطہ یہاں مقصود نہیں ہے، تفصیلی دلائل کے لئے تفسیر، حدیث، فقہ کی اہم کتابوں کی طرف رجوع کیا جائے ، اوپر کے صفحات میں زکوٰۃ کے مصرف فی سبیل اللہ کے بارے میں مختلف اقوال اوران کے اہم دلائل اختصار کے ساتھ ذکر کئے گئے ،مختلف اقوال کے درمیان محاکمہ اوران کے دلائل کا موازنہ اصحاب علم وبصیرت علماءاورفقہاء پر چھوڑ دیا گیا۔

ان تمام تفصیلات کو سامنے رکھتے ہوئے فی سبیل اللہ کا مصداق طے کرنے کی

خاطر جن نکات کو طے کرنا اور جن سوالات کا منقح کرنا ہمارے لئے ضروری ہے وہ یہ ہیں:

(۱) مصارف زکوٰۃ کو طے کرنے میں سب سے بنیادی حیثیت سورہ توبہ کی آیت نمبر ٦ "انما الصدقات للفقراء والمساکین والعاملین علیها والمؤلفة قلوبهم وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل الله وابن السبیل فریضة من الله والله علیم حکیم" کو حاصل ہے، یہ آیت زکوٰۃ کے مصارف کو حصر کے ساتھ بیان کرتی ہے کلمہ "انما" حصر پر دلالت کرتا ہے، سوال یہ ہے کہ اس آیت کے ذریعہ مصارف زکوٰۃ کا جو حصر بیان کیا گیا ہے، وہ حصر حقیقی ہے یا حصر اضافی؟ منشا سوال یہ ہے کہ اگرچہ عہد صحابہ سے لیکر دور حاضر تک جمہور مفسرین فقہاء اور علماء مصارف زکوٰۃ والی آیت کا حصر حقیقی قرار دیتے رہے اور یہ صراحت کرتے رہے کہ اس آیت میں مذکور آٹھ مصارف کے باہر زکوٰۃ کا صرف کرنا قیامت تک کے لئے ناجائز ہے، زکوٰۃ انہیں مصارف میں صرف کی جائے گی، لیکن حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے "حجۃ اللہ البالغۃ" میں اس حصر کو اضافی قرار دیا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"وعلى هذا فالحصر فی قوله تعالیٰ "انما الصدقات" اضافی بالنسبة الی ما طلبه المنافقون فی صرفها فیما یشتهون علی ما یقتضیه سیاق الآیة والحصر فی ذلک ان الحاجات غیر محصورة، ولیس فی بیت المال فی البلاد الخالصة" للمسلمین غیر الزکاة کثیر مال، فلا بد من توسعه لتکفی نوائب المدینة والله اعلم" (حجة الله البالغه: ۲/۴۵)

(۲) جمہور مفسرین وفقہاء نے آیت مصارف میں مذکور ''فی سبیل اللہ'' سے غازی مراد لیا ہے ان حضرات نے ''**لا تحل الصدقات لغنی الا لخمسة لغاز فی سبیل الله الخ**'' والی حدیث کے علاوہ ایک دلیل یہ پیش کی ہے کہ کتاب وسنت میں اگر چہ فی سبیل اللہ کا اطلاق مختلف دینی کاموں کے لئے کیا گیا ہے، لیکن جب کتاب وسنت میں فی سبیل اللہ کا استعمال مطلق طور پر (کسی قید وقرینہ کے بغیر) ہوتا ہے تو اس سے مراد غزوہ جہاد ہی ہوتا ہے۔ شیخ یوسف قرضاوی نے ''فقہ الزکوۃ'' میں کتاب وسنت میں فی سبیل اللہ کے استعمالات کا استقراء وتتبع کرکے یہی بات ثابت کرنی چاہی ہے، کیا آپ جمہور فقہاء کے اس دعوی سے متفق ہیں کہ فی سبیل اللہ کا استعمال جب کتاب وسنت میں مطلق طور پر ہوتا ہے تو اس سے مراد غزوہ وجہاد ہی ہوا کرتا ہے۔

(۳) یہ ایک حقیقت ہے کہ قرون اولی میں زکوۃ کے ساتویں مصرف فی سبیل اللہ کی تشریح میں دو ہی قول ملتے ہیں، صحابہ تابعین، مفسرین، فقہاء کی غالب اکثریت نے فی سبیل اللہ کو غزوہ میں محصور کیا ہے اور دوسرا قول یہ رہا کہ فی سبیل اللہ میں حج بھی شامل ہے، سوال یہ ہے کہ اگر آیات احکام میں سے کسی آیت کی تشریح میں قرون اولی میں صرف دو قول پائے جاتے ہیں تو کیا ہمارے لئے لازم ہے کہ انہی دو میں سے کسی ایک قول کو اختیار کریں یا ہم ان دو اقوال کو چھوڑ کر آیت کی تفسیر وتشریح میں کوئی تیسرا یا چوتھا قول بھی اختیار کر سکتے ہیں؟

(۴) فقہاء احناف کے نزدیک زکوۃ کے ساتویں مصرف میں فی سبیل اللہ کا

مصداق جو لوگ بھی ہوں، بہر حال فی سبیل اللہ کے دائرہ میں آنے والے لوگ فقیر ہونے ہی کی صورت میں زکوۃ کے مستحق ہوں گے، عاملین زکوۃ کے علاوہ باقی تمام مصارف میں فقہاء احناف فقر کی شرط لگاتے ہیں، اسی لئے جن فقہائے احناف نے فی سبیل اللہ کا مصداق طالب علموں کو قرار دیا ہے یا تمام امور خیر کو فی سبیل اللہ میں شامل کیا ہے (مثلا صاحب فتاوی ظہیریہ اور علامہ کاسانی) ان کی اس تشریح سے مستحقین زکوۃ کے مسئلہ میں کوئی حقیقی اختلاف نہیں پیدا ہوا، کیونکہ جب ان حضرات کے نزدیک فی سبیل اللہ کے دائرہ میں آنے والے لوگ فقر کی شرط کے ساتھ ہی مستحق زکوٰۃ ہوئے تو وہ لوگ زکوۃ کے پہلے مصرف فقراء میں متفقہ طور پر داخل ہوں گے فقہاء احناف کے نزدیک فی سبیل اللہ میں فقر کی شرط ہونے ہی کی وجہ سے غالباان حضرات کے قول پر زیادہ ردوقدح نہیں ہوئی جنہوں نے فی سبیل اللہ میں تمام امور خیر کو داخل کیا، یا طلبہ کو اس کا مصداق قرار دیا۔ کیونکہ فقر کی شرط لگانے کے بعد فی سبیل اللہ کے مصداق کی تعیین میں اختلاف نتیجہ کے اعتبار سے کوئی حقیقی اختلاف نہیں رہ جاتا۔اس کے برخلاف ائمہ ثلاثہ (امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبلؒ) کے نزدیک جو لوگ زکوٰۃ کے ساتویں مصرف فی سبیل اللہ کے مصداق ہیں ان کے مستحق زکوٰۃ ہونے کے لئے فقر کی شرط نہیں ہے، فی سبیل اللہ میں فقر کی شرط نہ لگانے کی صورت میں اس کے مصداق کی تعیین میں اختلاف ایک حقیقی اختلاف بن جاتا ہے۔اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ ائمہ ثلاثہ کے یہاں فی سبیل اللہ کی تشریح میں زیادہ احتیاط اور حساسیت ہے،

فقہائے مالکیہ اور فقہائے شافعیہ کے یہاں متفقہ طور پر یہ بات ملتی ہے کہ فی سبیل اللہ کا مصداق صرف غازی ہے اور فقہاء حنبلی میں دو قول ملتے ہیں۔(۱) فی سبیل اللہ سے صرف غازی مراد ہے۔(۲) فی سبیل اللہ میں غزوہ کے ساتھ حج بھی شامل ہے۔

مذکورہ بالا معروضات کو سامنے رکھ کر آپ تحریر فرمائیں کہ......

الف: زکوٰۃ کے ساتویں مصرف فی سبیل اللہ کا آپ کے نزدیک کیا مصداق ہے؟ فی سبیل اللہ کے دائرہ میں کون کون لوگ آتے ہیں، اوراس کے دائرہ کی وسعت کہاں تک ہے؟

ب: جولوگ بھی فی سبیل اللہ کا مصداق ہوں ان کے مستحق زکوۃ ہونے کے لئے فقر کی شرط ہے یانہیں؟

(۵) مصارف زکوٰۃ قیاس شرعی کا محل ہیں یانہیں؟ یعنی کیا یہ بات درست ہے کہ زکوٰۃ کے مصارف کی تعلیل کر کے اشتراک علت کی بنا پر ان آٹھ مصارف کے علاوہ کچھ دوسری قسموں کو مصارف زکوٰۃ کے ساتھ ملحق کیا جائے، اوران پر زکوٰۃ کا صرف کیا جانا جائز قرار دیا جائے، بعض حضرات نے فی سبیل اللہ کا مصداق جہاد عسکری کو قرار دینے کے باوجود جہاد قلمی، جہاد فکری وغیرہ کو جہاد عسکری پر قیاس کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ فی سبیل اللہ کا مصداق اگر چہ جہاد عسکری ہی ہے، لیکن اس پر قیاس کرتے ہوئے، جہاد قلمی جہاد فکری، جہاد ثقافتی وغیرہ پر بھی زکوٰۃ کی رقم صرف کرنا جائز ہے، کیا آپ کے نزدیک یہ نقطہ نگاہ قابل قبول ہے؟ اوراصولا کیا اس

کی گنجائش ہے کہ مصارف زکوٰۃ پر قیاس کرتے ہوئے کچھ اور قسموں کو مصارف زکوٰۃ میں شامل کیا جائے؟

(٦) یہ واقعہ ہے کہ دور حاضر میں مختلف دینی دعوتی کاموں کے لئے بے پناہ سرمایہ کی ضرورت ہے، دور حاضر کی ترقیات اور جدید وسائل نے دینی کاموں کی ضروریات اور مصارف کو بہت بڑھا دیا ہے اور یہ بھی ایک واقعہ ہے کہ آج کل مسلمان دینی کاموں کے لئے جو سرمایہ دیتے ہیں اس کا کم وبیش اسی نوے فیصد زکوٰۃ ہی کی رقم سے ہوتا ہے، صدقات نافلہ اور غیر زکوٰۃ کی مدوں میں دینے کا رواج دن بدن کم ہوتا جارہا ہے، ان حالات میں دینی کام کرنے والے اداروں (مدارس، اکیڈمیاں، تنظیمیں وغیرہ) کے لئے یہ پابندی بہت دشوار ہوجاتی ہے کہ وہ اپنے مختلف اخراجات اور منصوبوں میں زکوٰۃ کی رقم صرف نہ کریں، کیا اس دشواری کے پیش نظر آپ کے نزدیک اس کی گنجائش ہے کہ فی سبیل اللہ کا دائرہ وسیع کردیا جائے، اور اس سلسلہ میں دلائل کی قوت وضعف سے قطع نظر متاخر یا معاصر علماء کے تفہیم وتوسیع والے قول کو اختیار کرلیا جائے؟

(٧) اگر آپ کے نزدیک زکوٰۃ کے ساتویں مصرف فی سبیل اللہ میں تعمیم ہے یعنی اس کے دائرہ میں غزوہ اور حج کے علاوہ کچھ اور کام بھی آتے ہیں تو یہ وضاحت بھی مطلوب ہے کہ فی سبیل اللہ کا دائرہ کس حد تک وسیع ہے، اسکے حدود کیا ہیں؟ اور آپ فی سبیل اللہ کا دائرہ اور جو حدود سمجھتے ہیں مختصراس کے دلائل کیا ہیں؟

الجواب:

زکوٰۃ جن اموال پر واجب ہے، اس کی دو قسمیں ہیں: پہلی قسم سوائم اور دوسری قسم مال تجارت۔

چونکہ زکوٰۃ کے شرائط میں سے مال کا نامی ہونا ہے اور نما بڑھوتری من حیث العین اسامت سے ہوتی ہے اور من حیث المعنی تجارت سے ہوتی ہے، پھر مالِ تجارت کی دو قسمیں ہیں:

(۱) اموال تجارت کی دو قسموں کا بیان:

پہلی قسم: اثمان مطلقہ جسے ثمن خلقی بھی کہا جاتا ہے، جیسے سونا چاندی، دوسری قسم سلع۔

البتہ دونوں میں فرق یہ ہے کہ سونا چاندی کی تخلیق ہی دراصل تجارت کے لئے ہوئی ہے، اس لئے اس میں تجارت کی نیت وجوب زکوٰۃ کے لئے ضروری نہیں، لہٰذا خواہ تجارت کے لئے کوئی شخص رکھے ہوئے ہو یا خرچ کے لئے بہر حال اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی، بخلاف سونے چاندی کے علاوہ دوسرے سامان کے اس میں جس طرح تجارت کی صلاحیت ہے، اسی طرح اس کے عین سے بھی نفع اٹھایا جاسکتا ہے، بلکہ اس

کی تخلیق کا مقصد اصلی اس کے عین سے انتفاع ہے، اس لئے اس پر وجوب زکوٰۃ کے لئے نیت تجارت ضروری ہے تاکہ یہ مال تجارت ہو جائے۔ (تحفۃ الفقہاء ۱/۲۶۲)

سونا چاندی خواہ جس شکل میں ہوں، مضروب ہوں یا غیر مضروب، زیورات ہوں یا تبر، استعمال جائز ہو یا نہ ہو، تجارت کی نیت ہو یا نہ ہو۔ (تحفۃ الفقہاء ۱/۲۶۲)

جن اموال میں زکوٰۃ واجب ہے ان کا بقدر نصاب ہونا بھی ضروری ہے اور نصاب مختلف ہیں، مثلاً چاندی میں دوسو درہم، سونے میں بیس مثقال اور اگر مال از قبیل عروض ہے تو وہ سونے یا چاندی کے نصاب کے بقدر ہو اور اگر مال از قبیل حیوانات ہے تو ان کا متعینہ مقدار کے مطابق ہونا ضروری ہے۔ (تحفۃ الفقہاء: ۱/۲۶۲)(۱)

دلائل:

(۱) مال التجارة نوعان، الأثمان المطلقة وهى الذهب والفضة وما سواهما من السلع، غير أن الأثمان خلقت فى الأصل للتجارة فلا تحتاج إلى تعيين العباد للتجارة بالنية، فتجب الزكاة فيها وإن لم ينو التجارة أو أمسك للنفقة، وفاقا السلع فكما هى صالحة للتجارة بها فهى صالحة للانتفاع بأعيانها بل هو المقصود الأصلى منها، فلا بد من النية حتى تصير للتجارة.... ثم الفضة مال الزكاة حتى تصير للتجارة.... ثم الفضة مال الزكاة كيفما كانت مضروبة أو غير مضروبة. أو تبراً او حلياً

یحل استعمالها أولا؟ أو نوى التجارة أو لم ينو.... الخ. (تحفة الفقهاء ص: ٢٦. دار الكتب العلمية).

وشرط وجوبها..... وملك نصابٍ حولى فارغٍ عن الدين وحاجته الأصلية نامٍ ولوتقديراً ملكاً تاماً. (ملتقى الأبحر ص: ١٦٨ ج: ١، مؤسسة الرسالة).

ومنها الملك التام وهو ما اجتمع فيه الملك واليد أما إذا وجد الملك دون اليد كالصداق قبل القبض، أو وجد اليد دون الملك كملك المكاتب والمديون لاتجب فيه الزكاة. (هنديه ص: ١٧٣ ج: ١، رشيدية). (كذا فى مجمع الأنهر صَ: ٢٨٦ ج: ١. فقيه الامت).

شامی ص: ٢٦٠/ج: ٢. كراچی. ص: ٥/ج: ٢. نعمانية.

الفتاویٰ الهندية ص: ١٧٢/ج: ١. رشيدية.

(۲) وجوب زکوٰۃ کے لئے اوصاف اربعہ کا ہونا ضروری ہے:

مال بقدر نصاب ہونے کے بعد اس میں اوصاف اربعہ کا ہونا ضروری ہے۔

(۱) حولان حول ہونا۔

(۲) نصاب کا دین اور حاجتِ اصلیہ سے فارغ ہونا۔

(۳) نصاب کا نامی ہونا، خواہ نما حقیقۃً ہو یا تقدیراً۔

(۴) نصاب پر ملکِ تام کا حاصل ہونا۔ (ملتقی الابحر ۱/۳۹۱) (۱)

اوصافِ اربعہ میں سے ایک وصف ملک تام ہے، کسی بھی نصاب پر ملک تام کا تحقق اس وقت ہوگا، جب ملک اور ید (قبضہ) کا تحقق ہو، اگر ان دونوں میں سے ایک شرط بھی مفقود ہوگئی تو ملک تام نہیں کہلائے گا، مثلاً مہر قبضہ سے پہلے ملک تو موجود ہے، لیکن ید مفقود ہے اور مال مکاتب ومدیون میں ید تو ثابت ہے، لیکن ملک مفقود ہے، لہٰذا مہر قبل القبض اور مال مدیون میں زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ (فتاویٰ ہندیہ (۲): ۱/۱۷۲، مجمع الانہر ۱/۳۹۲) (۳)

(۱) صاحب السراج الوہاج کی تشریح کے مطابق وہ مال تجارت جس کی قیمت پیشگی ادا کردی گئی ہو، لیکن مال کی وصولی اب تک نہ ہوسکی ہو اس کی زکوٰۃ مشتری (خریدار) پر واجب نہ ہوگی، اس لئے کہ ملک تو ثابت ہے، لیکن قبضہ میں ابھی نہیں آیا، اس لئے ید کا تحقق نہیں ہوا اور وجوبِ زکوٰۃ کے لئے ملک اور ید دونوں کا تحقق ضروری ہے، چنانچہ علامہ شامیؒ نے بھی بحوالہ بحر اس صورت کو مستثنیٰ قرار دیا ہے:

”وخرج به أيضًا كما في البحر المشترى للتجارة قبل القبض“ (رد المحتار ۲/ ۲۶۰) (۴)

لیکن علامہ سرخسیؒ کی عبارت محل غور ہے جو بحوالہ محیط فتاوی ہندیہ میں موجود ہے:

”وأما المبيع قبل القبض فقيل: لا يكون نصابًا، والصحيح أنه

يكون نصابًا" (فتاوى هنديه: ۱/ ۱۷۲) (۵)

اس جزئیہ سے بظاہر یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ خریدار پر صحیح قول کے مطابق زکوٰۃ واجب ہوگی۔

دلائل:

(۱) وملك نصابٍ حوليٍ فارغ عن الدين وحاجته الأصلية نام ولو تقديراً ملكاً تاماً. (ملتقى الأبحر ص: ۱۷۱ ج: ۱، مؤسسة الرسالة).

(۲) ومنها الملك التام وهو ما اجتمع فيه الملك واليد وأما إذا وجد الملك دون اليد كالصداق قبل القبض أو وجد اليد دون الملك كملك المكاتب. (هنديه ص: ۱۷۲ ج: ۱، رشيدية).

(۳) مجمع الأنهر ص: ۲۸٦ ج: ۱. فقيه الامت.

(۴) وخرج به أيضاً كما فى البحر المشترى للتجارة قبل القبض. (شامى ص: ۲٦۰ ج: ۲) كراچى.

(۵) وأما المبيع قبل القبض لا يكون نصاباً والصحيح أنه يكون نصاباً. (الفتاوىٰ الهندية ص: ۱۷۲ ج: ۱) رشيدية.

ڈپوزٹ پر زکوٰۃ کا حکم:

(۲) کرائے کی مد میں دی گئی پیشگی رقم (ڈپوزٹ) پر کرایہ دار و مالک مکان میں سے کسی پر بھی زکوٰۃ واجب نہیں ہونی چاہئے، مالک مکان پر تو اس وجہ سے نہیں کہ اس کو صرف ید حاصل ہے، ملک نہیں، چونکہ یہ رقم عقد اجارہ کے فسخ یا تکمیل مدت کے بعد واجب الرد ہوتی ہے، اور کرایہ دار پر زکوٰۃ اس وجہ سے نہیں کہ اس کو ملک تو حاصل ہے ید نہیں، اور وجوبِ زکوٰۃ کے لئے مال پر ملک و ید دونوں کا جمع ہونا ضروری ہے، چنانچہ مسئلہ رہن کے تحت بیان کردہ تعلیلات فقہاء سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

"ولا فی مرھون أی لا علی المرتھن لعدم ملک الرقبة ولا علی الراھن لعدم الید" (شامی: ۲/ ۲۶۲) (۱)

ابن نجیمؒ صاحب البحر الرائق فرماتے ہیں:

"ومن موانع الوجوب الرھن" (ایضاً) (۲)

البتہ اس رقم کی واپسی کے بعد سنین ماضیہ کی زکوٰۃ کا مسئلہ زیر غور ہے، اگر ڈپوزٹ کا مسئلہ رہن پر قیاس کیا جائے تو سنین ماضیہ کی زکوٰۃ راہن پر استرداد کے بعد واجب نہیں ہوگی اور اگر مسئلہ رہن پر قیاس نہ کیا جائے تو سنین ماضیہ کی زکوٰۃ واجب ہوگی۔

"وإذا استردہ الراھن لا یزکی عن السنین الماضیة" (رد المحتار: ۲/ ۲۶۲) (۳)

دلائل:

(۱) قوله: ولا فی مرهون بعد قبضه وتحته فی الشامية: لا على المرتهن لعدم ملك الرقبة. ولا على الراهن لعدم اليد. (شامی ص:۲٦۳ ج:۲. کراچی).

(۲) ومن موانع الوجوب الرهن إذا كان فی يد المرتهن لعدم ملك اليد. (البحر الرائق ص:۲۰۳ ج:۲. سعيد).

(۳) وإذا استرده الراهن لا يزكی عن السنين الماضية. (الشامی ص؛۲٦۳ ج:۲، کراچی).

الفتاویٰ الهندية ص:۱۷۳/ج:۱. رشيدية.

مجمع الأنهر ص:۲۸٦/ج:۱. فقيه الامت.

(۳)۔ مدارس میں جمع شدہ رقم پر زکوٰۃ کا حکم:

(۳) مدارس اور اداروں میں جمع ہونے والی رقم کو اگر اس نظر سے دیکھا جائے کہ جب تک وہ رقم مستحقین پر صرف نہیں ہوئی، وہ حکماً ملکِ معطی میں ہے تو یہ نظر انتہاءً انظار دقیقہ پر مشتمل ہونے کی وجہ سے لائنحل ہے، اس لئے ایسر و اسہل یہی ہے کہ اس کو ملکِ معطی سے خارج قرار دے کر ملک مدرسہ قرار دیا جائے اور اس کی تائید کتاب الوقف کی بعض جزئیات سے بھی ہوتی ہے۔ (ہندیہ ۴۶۰/۲، کتاب

الوقف باب ۱۱، فصل ۲ و باب ۵ ص ۸۱۴)(۱)

لہٰذا معطی پر زکوٰۃ کے واجب ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اسی طرح مدرسہ کے مہتمم پر بھی اسی کی زکوٰۃ واجب نہیں، چونکہ یہ رقوم غلۃ الوقف کے درجہ میں ہے اور جس طرح غلۃ الوقف پر زکوٰۃ واجب نہیں، مدارس واداروں کی رقوم پر بھی زکوٰۃ واجب نہیں۔(الکلام البدیع فی احکام التوزیع)۔

دلائل:

(۱) وإنما يزول ملك الواقف عن الوقف عند أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ بالقضاء. (الفتاوىٰ الهندية ص: ٣٥٠ ج: ٢. رشيدية).

فلا زكاة في سوائم الوقف والخيل المسبلة لعدم الملك. (شامي ص: ٢٥٩ ج: ٢. كراچی).

منها الملك فلا تجب الزكاة في سوائم الوقف. (بدائع الصنائع ص: ٨٨ ج: ٢. زكريا).

تبيين الحقائق ص: ١٠٩ ج: ٢. دار الكتب العلمية.

اہل مدارس سے ایک درخواست:

البتہ فقہی سمینار اہل مدارس سے سفارش کرے کہ بقدر ضرورت ہی مال کی فراہمی کریں، تاکہ مال زکوٰۃ اس طرح محبوس نہ ہو اور مستحق مدارس محروم نہ ہوں، لیکن

اگر اہل مدارس کے پاس زکوٰۃ کی رقم پسماندہ ہو تو احوط یہ ہے کہ اس کو بذریعہ تملیک رقوماتِ غیر واجبہ میں شامل کرلیا جائے اور اس کی احسن صورت یہ ہے کہ کوئی فقیر مہتمم مدرسہ کی ضمانت پر قرض لے کر مدرسہ کو عطیہ دے اور مہتمم مدرسہ مدِ زکوٰۃ سے فقیر کو قرض کی ادائیگی کے لئے دیدے۔

(۴)۔ مال حرام یا حرام وحلال مخلوط مال پر زکوٰۃ کا حکم:

(۴) اگر پورا نصاب مال حرام ہو تو اس مال پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، چونکہ وجوب زکوٰۃ کے لئے ملک ضروری ہے اور مال حرام جو اس کے پاس ہے اس کا وہ مالک نہیں، چونکہ مال حرام واجب الرد ہے، لہٰذا مالک کا پتہ لگا کر وہ یہ مال واپس کرے گا اور اگر مالک معلوم نہ ہوسکے تو وہ مال واجب التصدق (۱) ہے، بلا نیت ثواب فقراء مسلمین کو دیدے "**كما لو كان الكل خبيثًا كما في النهر في القنية لو كان الخبيث نصاباً لا يلزمه الزكاة؛ لأن الكل واجب التصدق عليه**" (درمختار ۱۹۲/۲)

اگر حرام حلال مخلوط ہوگیا ہو تو مال حرام نکالنے کے بعد باقی مال اگر بقدر نصاب ہو تو زکوٰۃ واجب ہوگی اور اگر بقدر نصاب نہ ہو تو زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ (درمختار ۱۹۲/۲)(۲)

لیکن اگر مال حرام مالِ حلال کے ساتھ اس طرح مخلوط ہوگیا ہو کہ تمیز مشکل ہو تو تحری کر کے ظن غالب پر عمل کرے اور ظن غالب کے بہت سے نظائر کتب فقہ میں

موجود ہیں، نیز اس انداز کے مواقع التباس میں تحری کے نظائر بھی کتب فقہ میں ہیں، گو اعلیٰ و افضل یہ ہے کہ اس طرح کا پورا مال صدقہ کردے جیسا کہ ہمارے اکابر کا یہی طرز عمل رہا ہے۔

دلائل:

(۱) ملکه ملكاً حراماً فسبيله التصدق. (البحر الرائق ص: ۲۳۶ ج: ۲) سعيد

(۲) شامی ص: ۲۹۱ ج: ۲. کراچی.

(۳) ومن ملک أموالاً غير طيبةٍ أو غصب أموالاً وخلط مثلهابالخلط يصير ضامناً وإن لم يكن له سواه نصاب فلا زكاة عليه فى تلك الأموال. (الفتاوىٰ التاتارخانيه ص:۲۳۳ ج:۳ زكريا).

يجب عليه أن يتصدق بمثل تلك الأموال على الفقراء. (بذل المجهود ص:۳۷ ج: ۱، ود اليشائر الإسلامية).

أما رجاء الثواب من نفس المال الحرام فحرام.... ولا يرجو الثراب منه. (العرف الشذى على هامش الترمذى ص:۳ ج: ۱، بلال).

(۱) الدر المختار مع رد المحتار ص:۳۰۵ ج:۲. كراچی.

(۲) اما الكلام فى اخراج زكاة قدر المقبوض من الدين الذى

تـجـب فيـه الـزكـاة على نحو الكلام فى المال العين إذا كان زائـداً على قدر النصاب وحال عليه الحول فعند أبى حنيفة لا شـئـى فى الزيادة هناك فان يكن أربعين درهماً فهٰهُنا ايضاً لا يـخـرج شيئًا من زكاة المقبوض مالم. يبلغ المقبوضة أربعين درهـمـاً فيـخـرج مـن كـل أربـعين درهماً يقبضها درهماً.... وذكر الكرخى: أن هذا إذا لم يكن له مال سوى الدين فأما إذا كـان لـه مـال سـوى الدين فما قبض منه فهو بمنزلة المستفاد يضم إلى ماعنده. (بدائع الصنائع ص: ۱۹ ج: ۲. زكريا).

(۲) قسـم أبو حنيفة الدين على ثلاثة أقسامٍ قوى وهو بدل القرض ومـال التجارة ومتوسط وهو بدل ماليس للتجارة كثمن ثياب البـذلة وعبد الخدمة ودار السكنى وضعيف وهو بدل ماليس بـحـالٍ كـالـمهـر والـوصية. وبـدل الـخلع والصلح عن دم العمد.... الخ. (البحر الرائق ص:۲۰۷ ج:۲) سعيد شرائط وجوب الزكاة.

(۵) دیون کے اقسام اورزکوۃ کا حکم:

(۵) حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دین کی تین قسمیں ہیں:

دین قوی کی تفصیلات:

(۱) دین قوی۔(۲) دین وسط۔(۳) دین ضعیف۔

(۱) دین قوی: وہ دین ہے جو مال زکوٰۃ (دراہم ودنانیر) یا مال تجارت سے حاصل شدہ آمدنی ونفع کے عوض میں واجب ہوا ہو۔

دین قوی کا حکم یہ ہے کہ اس میں زکوٰۃ واجب ہے، لیکن دو شرطوں کے ساتھ: (۱) بقدر نصاب ہو۔ (۲) سال مکمل گزر چکا ہو۔ لیکن ادائیگی اسی وقت واجب ہوگی جب دین سے کم از کم چالیس درہم وصول ہو جائے، تب چالیس درہم سے ایک درہم بمد زکوٰۃ نکالے اور اگر چالیس درہم سے کم ہو تو زکوٰۃ نہیں نکالی جائے گی، لیکن بقدر نصاب حولان حول، چالیس درہم کی شرط اسی وقت ہے جب دین کے علاوہ کوئی دوسرا مال زکوٰۃ نہ ہو اور اگر اس کے پاس اموال زکوٰۃ میں سے کوئی مال ہو تو اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر اس کے پاس موجود مال زکوٰۃ بقدر نصاب ہے تو دین سے جتنی رقم بھی حاصل ہوگی خواہ قلیل ہو یا کثیر وہ نصاب سابق میں ضم کر دی جائے گی اور نصاب سابق کے ساتھ اس کی بھی زکوٰۃ واجب الاداء ہوگی، اور اگر مال بقدر نصاب نہ ہو، مگر دین قوی سے حاصل شدہ رقم کو شامل کرنے کے بعد نصاب کامل ہو جائے تو دین قوی سے چالیس درہم یا اس کے بقدر وصول ہونے کے بعد ایک درہم بمد زکوٰۃ واجب الاداء ہوگا، اور جب سے نصاب کامل ہوا ہے اس وقت سے سال کی ابتداء ہوگی۔(ردالمحتار:۲/۳۰۷)

(٦) قرض پر زکوٰۃ کا حکم:

قرض جو اصطلاح شریعت میں دین ہے اور عرف عام میں قرض ہے، اگر مقروض وسعت کے باوجود ادا نہ کر رہا ہو تو "مطل الغنی ظلم" کے تحت گنہ گار ہوگا، لیکن اس کی زکوٰۃ مقروض پر واجب نہیں بلکہ قرض خواہ پر واجب ہے، بشرطیکہ اس کے ملنے کا یقین ہو اور اس کی ادائیگی کا وہی طریقہ ہے جو دین قوی کا ہے جس کی تفصیلات ابھی آچکی ہیں، چونکہ یہ دین قوی میں داخل ہے اور اگر نہ ملنے کا یقین ہو تو زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، جیسے وہ مال جو سمندر میں گر کر ضائع ہو جائے، اور اگر یک مشت وصول ہو تو سنین ماضیہ کی بھی زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔

"لو كان الدين على مقر ملء إلى أن قال فوصل إلى ملكه لزمه زكوة ما مضى" (در مختار: ٢/ ٢٦٢)

دلائل:

(١) شامی ص: ٢٦٦ ج: ٢ کراچی.

بدائع الصنائع ص: ١٩ ج: ٢. زکریا.

البحر الرائق ص: ٢٠٧/ ج: ٢. سعید.

وأما بعد قبضه فتجب زكاته فيما مضى كالدين القوى.

(البحر الرائق ص: ٢٠٩ ج: ٢) سعید.

(۷) دین وسط کی تعریف اور اس کا حکم

(۲) دین وسط: وہ دین ہے جو اسے مال کے عوض میں حاصل ہوا ہو، اگر مالک کے پاس سال بھر رہ جائے تب بھی اس میں زکوۃ واجب نہ ہوگی، جیسے خدمت کے غلام، ثیاب بذلہ، مال خدمت کا غلہ۔

دین وسط کا حکم یہ ہے کہ اس میں زکوۃ واجب ہے، لیکن ادائیگی اس وقت واجب ہوگی جب دین سے دوسو درہم وصول ہو جائے، اگر اس سے کم وصول ہوا تو زکوۃ واجب الاداء نہ ہوگی، لیکن دوسو درہم وصول ہو جانے کی صورت میں سنین ماضیہ کی بھی زکوۃ ادا کرنی ہوگی، یہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کی دو روایتوں میں سے روایت اصل ہے۔

دوسری روایت جو ابن سماعہ عن ابی حنیفہؒ ہے، وہ یہ ہے کہ قبضہ کے بعد حولانِ حول شرط ہے یعنی دوسو درہم وصول ہونے کے بعد جب تک اس پر سال نہ گزر جائے اس میں زکوۃ واجب الاداء نہ ہوگی، دین وسط میں بھی وہی تفصیلات ہیں جو دین قوی کے تحت گزر چکی ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ کی دونوں روایتوں میں صحیح اور مفتی بہ ابن سماعہ کی روایت ہے۔ (تحفۃ الفقہاء (۱) ۲۹۴/۱، ردالمحتار ۲/۳۰۶) (۲)

دلائل:

(۱) تحفة الفقهاء ص: ۲۹۴ ج: ۱. دار الكتب العلمية حكم

الزكاة فى الدين.

(۲) المتوسط كثمن سائمةٍ وعبيد خدمة ونحوهما مما هو مشغول بحوائجه الأصلية كطعام وشرابٍ وأمالكٍ ويعتبر مامضى من الحول قبل القبض فى الأصح وتحته فى الشامية: أنه ظاهر الرواية وعبارة الفتح والبحر فى صحيح الرواية: لكن قال فى البدائع إن رواية ابن سماعة أنه لا زكاة فيه حتى يقبض ويحول الحول من وقت القبض هى الأصح من الروايتين عن أبى حنيفة. (شامى ص: ۳۰٦ ج: ۲) كراچى.

وفى المتوسط لاتجب مالم يقبض نصاباً ويعتبر لما مضى فى صحيح الرواية وفى الضعيف لاتجب مالم يقبض نصاباً ويحول الحول بعد القبض عليه. (البحر الرائق ص: ۲۰۷ ج: ۲. سعيد).

بدائع الصنائع ص: ۹۱/ ج: ۲. زكريا.

(۸) دین ضعیف کی تعریف اور اس کا حکم

(۳) دین ضعیف: وہ دین ہے جو کسی چیز کے عوض میں حاصل نہ ہوا ہو، اس کے دین ہونے میں اس کے کسی فعل کا دخل نہ ہو جیسے میراث، یا اس کے فعل کو دخل ہو،

جیسے وصیت یا ایسی چیز کے عوض میں واجب ہوا ہو جو مال نہ ہو جیسے دیت علی العاقلہ، مہر، بدل خلع، صلح عن دم العمد اور بدل کتابت۔

دین ضعیف کا حکم یہ ہے کہ اس میں زکوٰۃ واجب ہے، لیکن دو شرطوں کے ساتھ:

(۱) دین سے حاصل شدہ رقم بقدر نصاب (دوسو درہم) ہو۔

(۲) قبضہ کے بعد اس پر سال گزر جائے، جس کا حاصل یہ ہے کہ سنین ماضیہ کی زکوٰۃ واجب الاداء نہیں، یہ ساری تفصیلات حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کے مطابق ہیں۔

دلائل:

(۱) وعند قبض مأتين مع حولان الحول بعده أى بعد القبض من دين ضعيف وهو بدل غير مالٍ كمهرٍ ودية وبدل كتابة وخلعٍ إلا إذا كان عنده مايضم إلى الدين الضعيف. (الدر المختار مع رد المحتار ص:٣٠٦ ج:٢. كراچی).

وفى الضعيف لاتجب مالم يقبض نصاباً ويحول الحول بعد القبض عليه. (البحر الرائق ص:٢٠٧ ج:٢. سعيد).

تحفة الفقهاء ص:٢٩٤/ج:١. دار الكتب العلمية.

بدائع الصنائع ص:١٩/ج:٢. زكريا.

(۹) امام ابو یوسفؒ و محمدؒ کے نزدیک دیون کی قسمیں:

امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک دیون کی صرف دو قسمیں ہیں:

(۱) دین مطلق۔ (۲) دین ناقص۔

دین ناقص: جیسے بدل کتابت، دیت علی العاقلہ، ان دونوں دیون کے علاوہ باقی دیون دین مطلق میں داخل ہیں۔

دین مطلق کا حکم ان حضرات کے نزدیک یہ ہے کہ جب تک دین وصول نہ ہو جائے اس کی زکوٰۃ واجب الاداء نہیں، خواہ وصولیابی قلیل ہو یا کثیر، جتنی وصول ہوگی، اتنے کی زکوٰۃ واجب الاداء ہوگی۔

اور دین ناقص میں وجوب زکوٰۃ کے لئے دو شرطیں ہیں:

(۱) حاصل شدہ رقم بقدر نصاب ہو۔ (۲) اس پر سال گزر جائے۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ دین ناقص میں سنین ماضیہ کی زکوٰۃ واجب نہیں، دین کے سلسلہ کی ساری تفصیلات ''تحفۃ الفقہاء لعلاء الدین السمرقندی'' اور ''درمختار ورد المحتار'' سے ماخوذ ہیں۔ (تحفۃ الفقہاء (۱) ۲/۴۹۲، ردالمحتار ۲/۵۰۳) (۲)

دلائل:

(۱) وقال أبو يوسف ومحمد: الديون على ضربين: ديون مطلقة: وديون ناقصة: فالناقص هو بدل الكتابة والدية على العاقلة

وما سواهما وديون مطلقة. والحكم فيها أنه تجب الزكاة في الدين المطلق، ولا يجب الأداء مالم يقبض. فإذا اقبض منها شيئًا قل أو كثر، يؤدى بقدر ما قبض، وفي الدين الناقص لاتجب الزكاة مالم يقبض النصاب ويحول عليه الحول. (تحفة الفقهاء ص: ۲۹۴ ج: ۱. دار الكتب العلمية بيروت).

(۲) شامی ص: ۳۰۵/ج: ۲. کراچی.
البحر الرائق ص: ۲۰۷/ج: ۲. سعيد.
بدائع الصنائع ص: ۹۱/ج: ۲. زکریا.

(۱۰) پراویڈنٹ فنڈ کے اقسام واحکام:

(٦) پراویڈنٹ فنڈ دو طرح کے ہیں:

(۱) سرکاری۔ (۲) پرائیویٹ۔

(۱) سرکاری پراویڈنٹ فنڈ دین ضعیف کے حکم میں ہے، لہٰذا جو حکم دین ضعیف کا ہے وہی سرکاری پراویڈنٹ فنڈ کا ہے، یعنی سنین ماضیہ کی زکوٰۃ واجب الاداء نہیں، البتہ وصولی کے بعد اگر وہ بقدر نصاب ہو اور سال گزر جائے تو اس رقم کی زکوٰۃ واجب الاداء ہوگی۔

(۲) پرائیویٹ کمپنیوں کا پرائیویڈنٹ فنڈ چونکہ مستقل ایک ایسی کمپنی کے حوالہ کر دیا جاتا ہے جس میں ملازمین کا بھی ایک نمائندہ ہوتا ہے اور یہ کمپنی ملازمین کی

وکیل ہوتی ہے، اس لئے کمپنی کا قبضہ ملازم کے قبضہ کے درجہ میں ہے، اس طرح فنڈ کی رقم گویا کہ ملازم کی ملک ہوگئی، اس لئے یہ دین نہیں کہلائیگا، اوراس پر سال بہ سال زکوٰۃ واجب ہوگی اوراگر ہرسال زکوٰۃ نہیں ادا کی گئی تو وصولی کے بعد سنین ماضیہ کی بھی زکوٰۃ واجب ہوگی۔

اوراگر پرائیویٹ کمپنیوں کا حال بھی سرکاری پراویڈنٹ فنڈ کی طرح ہو تب جو حکم سرکاری پرائیویڈنٹ فنڈ کا ہے وہی حکم پرائیویٹ فنڈ کا بھی ہوگا۔ (فتاویٰ محمودیہ،(۱) احسن الفتاویٰ) (۲)

دلائل:

(۱) فتاویٰ محمودیہ ص: ۴۰۴/ج: ۹. ڈابھیل.
امداد الفتاویٰ ص: ۴۲/ج: ۲. کراچی.
(۲) احسن الفتاویٰ ص: ۲۶۰/ج: ۴. زکریا.

(۱۱) نمو کی تعریف وحقیقت:

نصاب کے اوصاف اربعہ میں سے وصف ثانی نصاب کا نامی ہونا ہے، نما کے لغوی معنیٰ اضافہ وبڑھوتری کے ہیں اوراضافہ کبھی حقیقۃً ہوتا ہے، جیسے حیوانات میں توالد وتناسل کے ذریعہ اور دیگر اموال میں تجارت کے ذریعہ اور کبھی تقدیراً ہوتا ہے، جیسے سونا چاندی اور سکہ رائج الوقت، وجوبِ زکوٰۃ کے لئے مال کا نامی ہونا

ضروری ہے خواہ حقیقۃً نامی ہو یا تقدیراً، لہٰذا ایسا مال جسے اپنے یا اپنے نائب کے پاس رکھ کر استنماء پر قادر نہ ہو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ (مجمع الانہر ۱/۲۹۱)(۱)

دلائل:

(۱) نام ولو تقديراً... إما تحقيقي يكون بالتوالد والتناسل والتجارت أو تقديرى يكون بالتمكن من الاستنماء بأن يكون في يده أو يدنائبه لأن السبب هو المال النامى فلا بد منه تحقيقاً أو تقديراً فإن لم يتمكن من الاستنماء لازكاة عليه لفقد شرطه. (مجمع الأنهر ص: ٢٨٦ ج: ١. فقيه الامت).

بدائع الصنائع ص: ٩١/ج: ٢. زكريا.

النماء..... وهو نوعان: حقيقي وتقديرى فالحقيقي الزيادة بالتوالد والتناسل والتجارت والتقديرى تمكنه من الزيادة يكون المال في يده أو يد نائبه. (شامي ص:٢٦٣ ج: ٢) كراچى.

الفتاوىٰ الهندية ص: ١٧٤/ج: ١. رشيدية.

تبيين الحقائق ص: ٢٥٥/ج: ١. امداديه ملتان.

(۱۲) حاجت اصلیہ کی تشریح وتحدید:

نصاب کے اوصاف اربعہ میں سے وصف ثالث نصاب کا حاجتِ اصلیہ

سے فارغ ہونا ہے، حاجت اصلیہ کی تفسیر ابن ملک کے حوالہ سے علامہ علاء الدین حصکفی اور صاحب ''مجمع الانہر'' نے یہ کی ہے:

''ایسی چیزیں جو انسان کو ہلاکت سے دور کرنے والی ہوں خواہ تحقیقاً، جیسے اس کا اور اس کی بیوی اور بال بچوں کا نفقہ، یعنی کھانا، خوراک، گرمی اور سردی سے بچنے کے لئے کپڑے، رہائشی مکان، گھریلو ساز وسامان، سواری کا جانور، خدمت کے لئے غلام، جنگی ساز وسامان، آلات صنعت وحرفت اور اہل علم کے لئے کتابیں، چونکہ اہل علم کے نزدیک جہالت باعث ہلاکت ہے، یا تقدیراً جیسے دین، کہ مدیون نے اگر موجود مال سے دین ادا نہیں کیا تو یہ دین اس کو جیل میں ڈلوا سکتا ہے جو ہلاکت کے درجہ میں ہے، لہٰذا اگر کسی کے پاس بقدر نصاب مال ہے، لیکن وہ مذکورہ بالا حوائج کی تکمیل میں مشغول ہو تو زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، اس لئے کہ وہ حاجت اصلیہ سے فارغ نہیں اور اگر بقدر نصاب یا اس سے زائد مال مذکورہ بالا اشیاء کی شکل میں موجود ہو، تب بھی اس میں زکوٰۃ واجب نہیں، اس لئے کہ یہ چیزیں نامی نہیں ہیں، حتیٰ کہ وہ برتن جو گھر کی زینت کے لئے رکھے جاتے ہیں، بشرطیکہ وہ سونے چاندی کے نہ ہوں اور ایسے ہی وہ آلات جن کی ذات سے نفع اٹھایا جاتا ہو اور اس کا اثر معمول میں باقی نہ رہتا ہو، اس میں بھی زکوٰۃ واجب نہیں جیسے صابن اور اگر اس کا اثر معمول میں باقی رہے، جیسے کپڑا رنگنے کے لئے رنگ، کھال میں لگانے کے لئے تیل، نمک وغیرہ تو اگر یہ بقدر نصاب ہوں اور سال گزر جائے تو ان میں زکوٰۃ واجب ہوگی، یہ تفصیلات ''مجمع

الانہر، ہندیہ، شامی، درمختار'' سے ماخوذ ہیں۔ (مجمع الانہر (۱) ۱/۳۹۱، ردالمحتار (۲) ۲/۲۶۲، الفتاوی الہندیہ ۱/۱۷۲) (۳)

فقہاء کرام کی بیان کردہ جزئیات سے اتنی بات تو ظاہر ہے کہ حاجت اصلیہ کی کوئی ایسی تحدید نہیں جس میں کمی زیادتی کی گنجائش نہ ہو، بلکہ وسعت ہے، البتہ لفظ حاجت اور اصلی کے مفہوم کو باقی رکھتے ہوئے اس کے دائرے میں جائز حد تک نمائش سے بچتے ہوئے توسع کی گنجائش ہے، مثلاً کچے مکان کی جگہ پختہ مکان، نل کی جگہ پر ٹنکی، سواری کے جانور کی جگہ موٹر سائیکل، جیپ کار، تیر کمان کی جگہ پر رائفل، بندوق وغیرہ، آلات صنعت وحرفت میں دست کاری کی جگہ مشینیں، اسی طرح ضروریات زندگی میں بڑے مکانات میں لفٹ، ٹیلیفون، کاروباری لوگوں کے لئے فریج، کولر، موسم کے اعتبار سے ہیٹر یا اے سی پنکھا، الغرض اس طرح کی جدید چیزیں جو روزمرہ کی ضروریات زندگی میں داخل ہیں، اور جن کی اصل تصریحات فقہاء میں بنیادی حیثیت سے موجود ہیں وہ سب حاجت اصلیہ میں داخل ہیں، البتہ ٹی وی، وی سی آر جیسی فحش اور ناجائز چیزیں حاجت اصلیہ میں داخل نہیں۔

دلائل:

(۱) فارغ عن حاجته الأصلية أى عما يدفع عنه الهلاک تحقيقاً أو تقديراً كطعامه وطعام أهله وكسوتها والمسكن والخادم والمركب وآلة الحرف لأهلها. وكتبُ العلم لأهلها، غير ذلک

مـما لادبَّ منه فی معاشه فإن هذه الأشیاء لیست بنامیة فلا یجب فیها شیء. (مجمع الأنهر ص: ۲۸٦ ج: ۱ . فقیه الامت).

(۲) وهـی مـایـدفـع الهـلاک عـن الإنسـان تحقیقاً کالنفقة ودور السکنی وآلات الحرب والثیاب المحتاج إلیها لدفع الحرو البرد او تقدیراً کالدین فإن المدیون محتاج إلی قضائه بما فی یـده مـن الـنصاب رفعاً عن نفسه الحبس الذی هو الهلاک و کـالات الحرفة واثاث المنزل ودواب الرکوب وکتب العلم لأهـلهـا فـإن الـجهـل عـنـدهم کالهلاک. (شامی ص: ۲٦۲ ج: ۲. کراچی).

(۳) الفتاویٰ الهندیة ص: ۱۷۲/ج: ۱. رشیدیة.

وکـذلک ألات المحترفین إلا مابقی أثر عینه کالعصفر لدبغ الـجلـد ففیه الزکاة. بـخـلاف مـالا یـبـقی کصابونٍ. (سکب الأنهر ص: ۲۸٦ ج: ۱) فقیه الامت.

(۱۳) دَین کی تفہیم وتشریح

نصاب کے اوصاف اربعہ میں سے وصف رابع نصاب کا دَین سے فارغ ہونا ہے۔ دین سے مراد ہر وہ دین ہے جس کا مطالب بندہ ہو، خواہ وہ دین بندوں ہی

کا ہو، جیسے قرض، ثمن مبیع، ضمان متلفات، زخم کا تاوان، بدل خلع، بدل صلح عن دم العمد، نیز خواہ ازقبیل نقود ہو یا مکیل وموزون یا ازقبیل ثیاب اور حیوانات، نیز خواہ حال ہو، یا موٴجل یعنی بالفعل اس کی ادائیگی ضروری ہو یا بعد زمان کچھ دنوں کی مہلت ہو، لہٰذا صداق زوجہ اگرچہ وہ موٴجل الی الطلاق یا الی الموت ہو، وہ بھی دین میں داخل ہے اور مانع وجوب زکوٰۃ ہے۔ یا وہ دین اللہ تعالیٰ کا ہو، جیسے دین زکوٰۃ اور ہر وہ دین جس کا مطالب بندہ نہ ہو، جیسے دین نذر، کفارات، صدقۃ الفطر، وجوب حج یہ دین میں داخل نہیں، یعنی مانع وجوب زکوٰۃ نہیں۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے: مجمع النہر (۱) ۱/ ۳۹۱، فتاوی ہندیہ ۱/ ۱۷۲) (۲)

دیون مذکورہ بالا میں جو مشغول ہو وہ معدوم کے درجہ میں ہے، اس لئے اس میں زکوٰۃ واجب نہیں۔

"لأن المشغول بها كالمعدوم" (مجمع الانهر ۱/ ۳۹۱)

دیگر حضرات فقہاء کے نزدیک عدم وجوب زکوٰۃ کی علت اس مال کا حوائج اصلیہ کی تکمیل میں مشغول ہونا ہے اور جو مال حوائج اصلیہ میں مشغول ہو اس میں زکوٰۃ واجب نہیں۔ (دیکھئے: ردالمحتار ۲/ ۲۶۲)

لیکن وہی دین مانعِ وجوب زکوٰۃ ہے جو وجوب زکوٰۃ سے پہلے کا ہو، اگر مال بقدر نصاب ہو اور حولان حول ہو گیا اس کے بعد یہ مقروض ہو گیا تو یہ قرض مانع نہیں، بلکہ زکوٰۃ واجب الاداء ہوگی۔ (دیکھئے: جوہرہ، ردالمحتار ۲/ ۲۶۰) (۳)

دلائل:

(۱) والمراد دين له مطالب من جهة العباد سواء كان الدين لهم أو لله تعالىٰ: وسواء كانت المطالبة بالفعل أو بعد زمان فينتظم الدين المؤجل ولو صداق زوجته المؤجل إلى الطلاق أو الموت: لا يمنع لأنه غير مطالب به عادة بخلاف المعجل.... وتحته فى السكب: ولأن المشغول بها كالمعدوم. (مجمع الأنهر ص: ۲۸۶ ج: ۲. فقيه الامت).

(۲) الفتاوىٰ الهندية ص: ۱۷۲ ج: ۱. رشيدية.

(۳) وفارغٍ عن دين له مطالب من جهة العباد سواء كزكاةٍ وحراجٍ ولو كفالة أو مؤجلاً ولو صداق زوجته المؤجل للفراق ونفقة لزمته بقضاءٍ أو رضاً بخلاف دين نذرٍ وكفارة وحج لعدم المطالب.... ولأن المشغول بها كالمعدوم. (شامى ص: ۲۶۳ ج: ۲، كراچى).

شرط فراغه عن الدين لأنه مشغول بحاجته الأصلية فاعتبر معدوماً كالماء المستحق بالعطش. (البحر الرائق ص: ۲۰۴ ج: ۲). سعيد.

(۱۴) طویل المدت دیون پر وجوب زکوٰۃ کا حکم:

چونکہ دین عبد، لاحق ہے اور دین زکوٰۃ، سابق ہے اور لاحق سابق کو ساقط نہیں

کرسکتا، فقہاء کرام کی تصریحات میں یہ بات بھی آچکی ہے کہ دین بالفعل واجب الاداء ہو یا بعد زمان، یعنی دین طویل المدت ہو، دونوں طرح کے دیون مانع وجوب زکوٰۃ ہیں، لہٰذا مروج طویل الاجل دیون خواہ زراعتی ہوں یا تعمیراتی جن کی ادائیگی کے لئے پانچ سال سے لے کر چالیس سال تک کی مدت مقرر کی جاتی ہے وہ بھی دین میں داخل ہیں اور مانع وجوب زکوٰۃ ہیں، پورے دین کو بھی اموال زکوٰۃ سے منہا کیا جاسکتا ہے اور اس کی نظیر مہر ہے جو مؤجل الی الطلاق یا الی الموت ہو، نیز تصریح ہے بالفعل یا بعد زمان، البتہ احوط یہ ہے کہ صرف سالانہ واجب الاداء قسط وضع کر کے باقی اموال زکوٰۃ کی زکوٰۃ ادا کردی جائے، یہ خیال کر کے گویا کہ اس سال واجب الاداء دین صرف یہی ہے اور باقی مال میرا ہے، لیکن یہ تقویٰ ہے، اگر کسی نے عمل کرلیا تو انشاء اللہ ماجور ہوگا۔(۱)

دلائل:

(۱) فارغ عن الدين والمراد دين له مطالب من جهة العباد سواء كان الدين لهم أو لله تعالى وسواء كانت المطالبة بالفعل أو بعد زمان فينتظم الدين المؤجل. (مجمع الأنهر ص:۲۸٦ ج: ۱) فقيه الامت.

الفتاوىٰ الهندية ص: ۱۷۲/ج: ۱. رشيدية

شامي ص: ۲٦۳/ج: ۲. كراچي.

البحر الرائق ص: ۲۰۴/ج: ۲. سعيد.

الموسوعة الفقهية ص: ۲۴۰/ج: ۲.

(۱۵) کمپنیز پر زکوٰۃ کا حکم:

کمپنی کے شرکاء نے اگر کمپنی کو اداء زکوٰۃ کا وکیل بنادیا ہوتو کمپنی پر زکوٰۃ واجب الاداء ہوگی، البتہ اگر اثاثے از قبیل آلات (مشینری) ہیں تو وہ مال زکوٰۃ میں شمار نہ ہوں گے، چونکہ آلات صنعت کا استثناء حضراتِ فقہاء نے کیا ہے اور اثاثے از قبیل آلات نہ ہوں تو مال زکوۃ میں اس کو بھی شمار کیا جائے گا، اور اگر شرکاء نے کمپنی کو ادائے زکوٰۃ کا وکیل نہ بنایا ہوتو ہر حصہ دار اپنے حصہ کی زکوٰۃ ادا کرے، جس حصہ دار کا حصہ بقدر نصاب ہو یا دوسرے اموال زکوٰۃ کے ساتھ مل کر وہ بقدر نصاب ہو جائے تو اس پر زکوٰۃ واجب الاداء ہوگی، اور جس حصہ دار کا حصہ بہ قدر نصاب نہ ہو اور نہ ہی دوسرے اموال زکوٰۃ اس کے پاس ہوں تو اس پر زکوٰۃ فرض نہ ہوگی۔ (فتاویٰ محمودیہ:۳۰/۷۰)(۱)

دلائل:

(۱) وإذا كان النصاب بين خليطين لا تجب فيه الزكاة وقال الشافعي: تجب عند وجود شرائط الخلط..... ولو كانت بين اثنين فبلغ نصيب واحدٍ نصاباً دون الآخر تجب عليه دون صاحبه ولو لم يبلغ نصيب كل واحدٍ منهما على الانفراد يبلغ نصاباً كاملاً تجب الزكاة وإلا فلا. (الفتاوىٰ التاتارخانية ص:۲۴۳ ج:۳ زكريا).

فإن بلغ نصيب أحدهما نصاباً زكاة دون الآخر. (شامی ص: ۳۰۴ ج: ۲، كراچی).

(۱) فتاویٰ محمودیه ص: ۳۴۵/ ج: ۹. ڈابهیل.

(۱٦) ہیرے، جواہرات پر زکوٰۃ کا حکم:

ہیرے جواہرات اگر تجارت کے لئے نہیں ہیں تو بالاتفاق اس میں زکوٰۃ نہیں، چاہے جواہرات کی قیمت جتنی بھی ہو، لہٰذا جو لوگ انکم ٹیکس یا دیگر قوانین سے بچنے کے لئے اپنے سرمائے کو ہیرے و جواہرات کی شکل میں محفوظ کر دیتے ہیں اگر ان کے پاس ہیرے و جواہرات کے علاوہ دیگر اموال زکوٰۃ نہیں ہیں تو ان پر زکوٰۃ فرض نہیں، اسی طرح خواتین کے پاس اگر ہیرے جواہرات ہوں، خواہ تزیّن کے لئے ہوں یا تموّل کے لئے، بشرطیکہ تجارت کے لئے نہ ہوں ان پر بھی زکوٰۃ فرض نہیں، چونکہ ہیرے جواہرات از قبیل احجار ہیں اور احجار میں حجرین (ذہب وفضہ) کے علاوہ میں زکوٰۃ نہیں، چونکہ ذہب وفضہ کو ثمن خلقی (ثمن مطلق) کی حیثیت حاصل ہے اور ان کے علاوہ باقی از قبیل عروض وسلع ہیں، ہیرے جواہرات بھی از قبیل عروض ہیں اور عروض میں زکوٰۃ نیت تجارت ہی سے واجب ہوتی ہے، اس لئے جب تک نیت تجارت نہ ہو ہیرے جواہرات میں زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ (دیکھئے: درمختار ۲/۲۷۳، شامی (۱) ۲/۲۷۳، فتاوی ہندیہ (۲) ۱/۱۸۰)

لیکن اگر کوئی ہیرے جواہرات کی بھی زکوٰۃ ادا کردے تو یہ تقویٰ ہے، وہ ماجور ہوگا، البتہ شرعاً واجب نہیں۔

دلائل:

(۱) لا زكاة في اللآلي والجواهر وإن ساوت ألفاً اتفاقاً إلا أن تكون للتجارة والأصل أن ماعد الحجرين والسوائم إنما يزكى بنية التجارة. (شامی ص:۲۷۳ ج:۲) کراچی.

(۲) أما اليواقيت واللآلي والجواهر فلا زكاة فيها وإن كانت حلياً إلا أن تكون للتجارة كذ في الجوهرة النيرة. (الفتاویٰ الهندية ص:۱۸۰ ج:۱) رشيدية.

لازكاة في اللآلي والجواهر كالغل واليا قوت والزمرد وأمثالها كذا في الكافي. إلا أن يكون للتجارة. كذا في التاتارخانية. (درر الحكّام شرح غرر الأحكام: ص:۱۷۵ ج:۱).

وأما اليواقيت والجواهر فلا زكاة فيها وإن كانت حلياً إلا أن تكون للتجارة. (الجوهرة النيرة ص:۱۵۹ ج:۱) كراچی.

(۱۷) اراضی کی زکوٰۃ کا حکم:

سونا چاندی کے علاوہ باقی چیزیں عروض میں داخل ہیں اور عروض کے مال

زکوۃ بننے کے لئے نیت تجارت شرط (۱) ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص زمین بہ نیت تجارت خریدے تو اس کا بھی شمار اموال زکوۃ میں ہوگا اور حولان حول کے وقت اس کی جو قیمت مارکیٹ میں ہوگی اسی میں زکوۃ فرض ہوگی، قیمت خرید کا اعتبار نہیں۔

"وتعتبر القيمة عند حولان الحول" (هنديه ۱/ ۱۷۹) (۲)

لیکن اگر کسی نے زمین رہائش کے لئے خریدی پھر تجارت کی نیت ہوگئی یا تجارت کے لئے خریدی پھر رہائش کی نیت ہوگئی تو اس پر زکوۃ واجب ہوگی یا نہیں اس کی تفصیل درمختار میں موجود ہے۔(۲/۲۷۲)(۳)

دلائل:

(۱) والأصل أن ماعدا الحجرين والسوائم إنما يزكى بنية التجارة. (شامى ص:۲۷۳ ج:۲. كراچى).

(۲) الهندية ص: ۱۷۹ ج: ۱. رشيدية.

(۳) اشتراه لها فنوى بعد ذلک خدمته ثم مانواه للخدمة لا يصير للتجارة. وإن نوى لها مالم يبعه بجنس مافيه الزكاة. والفرق أن التجارة عمل لاتَتِمُّ بمجرد النية. بخلاف الأول فإنه ترک العمل. (شامى ص: ۲۷۲ ج: ۲) كراچى.

ولوا شترى عبداً للخدمة ناوياً بيعه إن وجد ربحاً لا زكاة فيه. (البحر الرائق ص:۲۲۸ ج: ۱) سعيد.

(۱۸) اموال زکوۃ میں کون سی قیمت معتبر ہے؟

اموال زکوۃ میں فقہاء "انفع للفقراء" کی رعایت کرتے ہیں، چنانچہ بہ کثرت ایسی جزئیات ہیں جن میں اس کی تصریح ہے۔ "تقویم بالدراهم والدنانير" میں بھی اسی کلیہ کی رعایت کی گئی ہے۔

"انظرهما للفقراء، ومشائخنا حملوا رواية كتاب الزكوة على ما إذا كان لا يتفاوت النفع فى حق الفقراء بالتقويم بأيهما كان" (تحفة الفقهاء ١/ ٢٧٢) (١)

"ثم ان المعتبر عند محمد الأنفع للفقير من القدر والقيمة وعندهما القدر" (رد المحتار ٢/ ٥٨٢) (٢)

اس لئے مال کی قیمت لگاتے وقت اس پہلو کی رعایت تاجر حضرات کے ذہنوں میں رہنی چاہئے، ان کو دیکھنا چاہئے کہ تھوک میں فقراء کا زیادہ نفع ہے یا پھٹکر کی قیمت لگانے میں، جس میں فقراء کا زیادہ نفع ہو وہ قیمت لگائیں، لیکن بعض دکانیں تھوک ہی کی ہوتی ہیں، وہاں پھٹکر سامان نہیں ملتا، اس صوت میں پھٹکر دکان دار پھٹکر قیمت لگائیں اور قیمت کی تعیین لاگت سے نہیں بلکہ حولان حول کے وقت اس کی جو قیمت ہوگی وہی معتبر ہوگی۔ (فتاویٰ ہندیہ ۱/۱۷۹)(۳)

دلائل:

(١) تحفة الفقهاء ص: ٢٧٣ ج: ١، قديم.

(۲) شامی ص: ۲۸۵ ج: ۲. کراچی.

(۳) ولـكـن يـجـب أن يـكـون التـقـويـم بما هو أنفع للفقراء قدراً ورواجاً. (الفتاویٰ الهندية ص: ۱۷۹ ج: ۱) رشيدية.

فعند أبی يوسف يعتير فبه القدر دون القيمة وعند زفر القيمة وعـنـد مـحـمـدٍ أنـفـع الـوجهيـن لـلـفقراء. (الجوهرة النيرة ص: ۱۵۹ ج: ۱. کراچی).

(۵) درر الحكام فی شرح غرر الأحكام ص: ۱۸۱ ج: ۱ .قديم.

(۱۹) یوم الوجوب کی قیمت معتبر ہوگی یا یوم الاداء کی؟

البتہ اس میں اختلاف ہے کہ یوم الوجوب کی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا یا یوم الاداء کی قیمت کا، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یوم الوجوب کی قیمت معتبر ہے اور صاحبین کے نزدیک یوم الاداء کی قیمت معتبر ہے، نیز اس شہر کی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا جس شہر میں مال ہے، ہیڈ آفس کا اعتبار نہیں۔

"وتـعتبـر القيمة يوم الوجوب وقالا: يـوم الأداء ...... ويقوم فی البلد الذی المال فيه" (در مختار(۱) ۲/ ۲۸۶، عالمگیری(۲) ۱۸۰۱)

دلائل:

(۱) وتـعتبـر القيمة يوم الوجوب. وقالا يوم الأداء وفی السوائم يوم

الأداء إجماعاً وهو الأصح. (شامی ص: ٢٨٦ ج: ٢ کراچی).

فیعتبر قیمتها الأداء والصحیح أن هذا مذهب جمیع أصحابنا. (بدائع الصنائع ص: ١١١ ج: ٢. زکریا).

البحر الرائق ص: ٢٢١/ج: ٢. سعید.

(٢) الفتاویٰ الهندیة ص: ١٨٠/ج: ١. رشیدیة.

(٢٠) شیئرز پر زکوٰۃ کا حکم:

شیئرز پر زکوٰۃ واجب ہے بشرطیکہ وہ خود بقدر نصاب ہو یا دیگر اموال زکوٰۃ کے ساتھ مل کر بقدر نصاب ہو جائیں اور اصل پونجی میں زکوٰۃ اس وقت فرض ہوگی، جب کمپنی نے اس کو کسی عین میں لگا رکھا ہو، مثلاً لوہا، سیمنٹ، سامانِ الکٹرک، ریشم وغیرہ، اور اگر کمپنی نے اس کو آلات میں لگا رکھا ہے، مثلاً نقل وحمل کے لئے ٹرک یا بس وغیرہ، تب اصل پونجی میں زکوٰۃ فرض نہ ہوگی، چونکہ آلاتِ صنعت کو فقہاء نے مستثنیٰ قرار دیا ہے، کیونکہ سکہ رائج الوقت ثمن خلقی کے حکم میں ہے اور ثمن مطلق میں تقدیراً قوتِ نمو کی وجہ سے مطلقاً زکوٰۃ فرض ہے، خواہ تجارت میں وہ لگایا جائے یا نہ لگایا جائے (١) اور صورت مسئولہ میں یہ ثمن مطلق تجارت میں مشغول ہے، اس لئے اس میں زکوٰۃ ہے۔

حولان حول کے وقت شیئرز کی جو قیمت ہوگی اسی کا اعتبار کیا جائے گا۔

"وتعتبر القیمة عند حولان الحول" (عالمگیری ١/ ١٧٩) (٢)

دلائل:

(۱) وتمنية المال كالدراهم والدنانير لتعينهما للتجارة بأصل الخلقة فتلزم الزكاة كيف ما أُمسكها ولو للنفقة. (الدر المختار مع در المحتار ص:۲۶۷ ج:۲. كراچی).

(۲) الحنفية قالوا: الأوراق المالية. "البنكنوت" من قبيل الدين القوى إلا أنها يمكن صرفها فضةً فوراً فتجب فيها الزكاة فوراً. (الفقه على المذاهب الأربعة ص: ۴۶۹ ج: ۱. سلمان ديوبند)

(۲) الفتاویٰ الهندية ص: ۱۷۹ ج: ۱. رشيدية.

(۲۱) بونڈس پر زکوٰۃ کا حکم:

پرائز بونڈز ہو یا بونڈ سرٹیکفیٹ، فکسڈ ڈپوزٹ ہو یا انشورنس یہ سب سود پر مشتمل ہونے کے وجہ سے حرام ہیں، اس طرح رقم کو محفوظ کردینا روحِ شریعت کے خلاف ہے۔

بونڈز پر جو سرمایہ لگایا گیا ہے اصل رقم پر زکوٰۃ فرض ہے، البتہ منافع حرام ہونے کی وجہ سے واجب التصدق ہیں، بونڈ جب کیش ہوگا اس وقت زکوٰۃ فرض ہوگی اور سنین ماضیہ کی بھی زکوٰۃ واجب الاداء ہوگی۔

"لـو كان الدين على مقر ملئى أو على معسر أو مفلس إلى أن قال فوصل إلى ملكه لزم زكوة ما مضى" (در مختار ٢/ ٢٦٢) (١)

دلائل:

(١) شامی ص: ٢٦٦ ج:٣ کراچی.

وأما بعد قبضه فتجب زكاته فيما مضى كالدين القوى.

(البحر الرائق ص: ٢٠٩ ج: ٢ کراچی).

بدائع الصنائع ص: ٩١ ج: ٢. زکریا.

فیضان حبیب

MAKTABA-AL-HABIB

حبیب السالکین
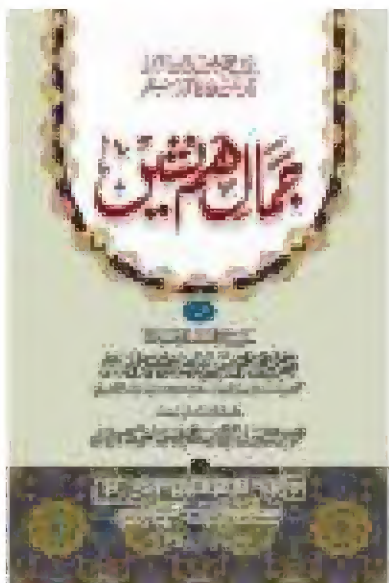
باب العشر

عشر صدقہ نافلہ ہے؟

سوال: ہندوستان کی زمین کی پیداوار میں جو مقدار عشر کے نام سے ادا کی جاتی ہے وہ کیا ہے؟ ایا زکوۃ کی حیثیت ہے یا صدقہ نافلہ؟ آپ اس کی تشریح فرمائیں۔اس کے بعد یہ واضح فرمائیں کہ اگر صدقہ ہے تو عشر کی تعیین کیسی ہے؟ بلکہ یہ تو انسان کی چاہت پر ہونا چاہئے، جتنا چاہے غلہ کی پیداوار سے دے یا نہ دے۔

الجواب:

عشر کی حیثیت صدقہ نافلہ کی ہے، "واتوا حقه يوم حصاده" (۱) جب صدقہ نافلہ ہے تو اس کے بعد والے سوال کا جواب بھی اسی سے نکل گیا۔

دلائل:

(۱) سورة الأنعام، رقم الآية: ۱۴۱.

وهـذا نـوع ثالث يعنى: لا عشرية ولا خراجية من الأراضى تسمّى أراضى المملكة وأراضى الجوز. (شامى ص: ۱۷۹ ج: ۴. كراچى).

فتاویٰ دار العلوم دیوبند ص: ۱۹۱/ج: ۲. امدادیة.

فتاویٰ رشیدیة ص: ۳۶۶. لاهور.
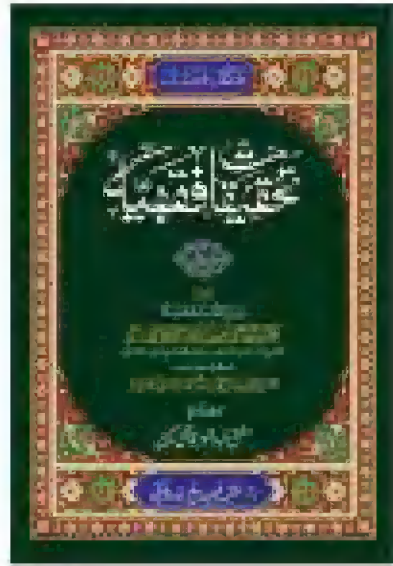
(کتاب الصوم)

ٹیلی ویزن کے ذریعہ رؤیت ہلال کی خبر کیا معتبر ہے؟

سوال: قاضی کی طرف سے اگر ریڈیو یا ٹیلی ویزن کے ذریعہ رویت کا اعلان ہو تو یہ اعلان معتبر ہے یا نہیں؟

الجواب

اگر قاضی کی طرف سے ریڈیو یا ٹیلی ویزن کے ذریعہ اعلان کیا جائے تو یہ اعلان معتبر ہوگا۔

دلائل

(۱) **والظاهر أنه يلزم أهل القرى الصوم بسماع المدافع أو روية القناديل من المصر. لأنه علامة ظاهرة يفيد عليه الظن حجة موجبة للعمل. (شامی ج:۲ ص:۳۸۲. کراچی).**

(۲) **وكذا فى الفتاوىٰ التاتارخانية ج:۳ ص:۳۶۳. (زکریا).**

(۳) **وكذا فى فتح القدير ج:۲ ص:۲۶۵. (دار إحياء التراث).**

کیا رویت ہلال کا اعلان قاضی کا نمائندہ بھی کرسکتا ہے؟

سوال: ریڈیو یا ٹیلی ویزن پر اعلان رویت کے لئے قاضی کا جانا ضروری ہے یا اس کا

نمائندہ کافی ہوگا؟ نیز اگر نمائندہ غیر مسلم ہو تو اس کا اعلان معتبر ہوگا یا نہیں؟

الجواب

ریڈیو یا ٹیلی ویژن پر اعلان رؤیت کے لئے قاضی کا جانا ضروری نہیں ہے، بلکہ اس کے نمائندہ کا جانا کافی ہے۔

لیکن قاضی کو چاہئے کہ اگر نمائندہ بھیجنا ہو تو مسلم نمائندہ بھیجے، لیکن اگر ریڈیو میں اعلان کرنے والا آدمی غیر مسلم ہو تو قاضی کی طرف سے رؤیت کا اعلان کرنے میں اس کے لئے کوئی مضائقہ نہیں بشرطیکہ وہ بعینہ قاضی کی دی ہوئی تحریر پڑھے، کیونکہ کبھی ریڈیو میں اعلان کرنے کے لئے حکومت کی طرف سے آدمی متعین ہوتا ہے، دوسرے کسی کو اعلان کرنے کی اجازت نہیں ہوتی، اس سلسلہ میں علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ زمانہ کی حالت بدل گئی اہل کتاب اور مجوسیوں کو ملک کی بڑی بڑی ذمہ داری ملنے لگی ہے، لہٰذا ان لوگوں کے پاس قاضی کا خط بھیجنا یا ان لوگوں کو کسی کام کا ذمہ دار بنانا درست معلوم ہوتا ہے۔

دلائل

(۱) وخبر منادی القاضی مقبول عدلاً کان أو فاسقاً. (الفتاویٰ الهندية ج:۵ ص:۳۰۹. زکریا).

(۲) لان السلطان یعجز عن المباشرة بنفسه علی اعتبار بعض الأحوال فیحتاج إلی أن یؤکل به غیره. (هدايه ج:۳ ص:۱۷۷. تهانوی).

(۳) وکذا فی فتح القدیر ج:۵ ص:۵۵۴. (دار احیاء التراث).

(۴) وکذا فی البنایة ج:۸ ص:۲۶۲. (دار الفکر).

(۵) وکذا فی تفسیر القرطبی ج:۴ ص:۱۷۹.

برطانیہ میں رؤیت ہلال کا حکم

سوال: بعض علاقوں میں بالعموم مطلع ابر آلود رہتا ہے اور ۲۹ کی رویت کا امکان بہت کم ہوتا ہے جیسے برطانیہ لندن تو کیا عدم رویت کے وجہ سے ۳۰ دن کا مہینہ شمار کر کے رمضان وعیدین کا فیصلہ کیا جائے؟

الجواب

ایسی جگہ جہاں رؤیت ہلال ۲۹ تاریخ میں دیکھنے کا امکان ہے اگر چہ رؤیت کا امکان بہت کم ہو پھر بھی وہاں کے رہنے والوں پر ضروری ہے کہ ۲۹ تاریخ میں بھی چاند تلاش کریں، اگر ۲۹ تاریخ کو چاند نظر نہ آئے تو مہینہ ۳۰ پورا کریں ایسی جگہوں میں صرف ۳۰ تاریخ شمار کر کے عید یا روزہ کا فیصلہ کرنا درست نہیں ہے۔

دلائل

(۱) ینبغی للناس أن یلتمسوا الهلال فی الیوم التاسع والعشرین من شعبان فإن رؤوه صاموا وإن غم علیهم اکملوا عدة شعبان

ثلاثین. (الفتاویٰ التاتارخانیة ج:۳ ص:۳۵۸. زکریا).

(۲) قوله علیه السلام صوموا لرویته وافطروا لرویته فإن غم علیکم اکملوا العدة. فإنه لو کان رمضان أبداً ثلاثین لم یحتج إلی هذا. (فتح الباری ج:۴ ص:۱۲۱. دار الفکر).

(۳) وکذا فی مجمع الفتاویٰ ج:۲۵ ص:۱۵۳.

رمضان وعیدین کی رویت کے اعلان کا حق کس کو ہے؟

سوال: رمضان وعیدین کی رؤیت کے اعلان کا حق کس کو ہے؟ قاضی، ہلال کمیٹی یا کوئی بھی فرد اعلان کرسکتا ہے؟

الجواب

رمضان وعیدین کی رویت کا اعلان کا حق ہر کسی کو نہیں ہے اگر قاضی ہو تو اعلان کرنے کا حق قاضی کو ہوگا، اگر قاضی نہ ہو اور وہاں ہلال کمیٹی ہو تو پھر اعلان کرنے کا حق ہلال کمیٹی کو ہوگا، اگر ہلال کمیٹی بھی نہ ہو تو جن لوگوں نے چاند دیکھا وہ لوگ مجمع عام میں اعلان کرینگے جیسا کہ جامع مسجد وغیرہ۔

دلائل

(۱) لأن البلدة لا تخلو عن حاکم شرعی فلا بد من أن یکون

صومهم مبيناً على حكم حاكمهم الشرعي. (شامی ج: ٢ ص: ٣٩٠. كراچی).

(٢) ومن رأى هلال رمضان في الرستاق وليس هناك والٍ وقاض فإن كان ثقة يصوم الناس بقوله وفي الفطر إن اخبر عدلان برويته لا بأس بأن يفطروا. (البحر الرائق ج: ٢ ص: ٢٦٧. سعيد).

(٣) ولأن قضاء القاضي حجة وقد شهدوا به لا لو شهدوا برؤية غيرهم لأنه حكاية. (شامی ج: ٢ ص: ٣٩٠. كراچی).

(۴) وكذا في رسائل ابن عابدين ج: ١ ص: ٢٣۴.

(۵) وكذا في الشامي ج: ٢ ص: ٣٨٦. (كراچی).

ٹیلیفون، ریڈیو، وائرلیس کے ذریعہ چاند کی اطلاع معتبر ہے یا نہیں؟

سوال: ہم لوگ ایسے جزیرہ کے باشندے ہیں جہاں اکثر آسمان ابر آلود ہوتا ہے چاند کا مسئلہ اکثر رمضان میں منازعت کی صورت اختیار کر جاتا ہے ۲۹ تاریخ کو رویت بہت مشکل بلکہ بسا اوقات غیر ممکن ہو جاتی ہے ایسی صورت میں ہم لوگ ۳۰ دن پورا کر کے روزہ یا عید منائیں یا ریڈیو، ووائرلیس

وٹیلیفون کی خبر معتبر مان کر اس پر عمل کریں ہمارے علاقہ سے کلکتہ ومدارس ۱۲۰۰ کلو میٹر دوری پر واقع ہے اور ملیشیا دوسرا ملک ہے جو ان دونوں سے قریب تر ہے ان علاقوں سے خبریں صرف ریڈیو یا ٹیلیفون ہی کے ذریعہ موصول ہوسکتی ہیں۔

ریڈیو یا وائرلیس کی خبر از روئے شرع معتبر ہے یا نہیں ملیشیا کی رویت جو دوسرا ملک ہے ہمارے علاقے کے لئے معتبر ہوگی یا نہیں؟

الجواب:

حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ روزہ رمضان عید الفطر عید الاضحیٰ کے دن وہی ہیں جس کو تم رمضان عید الفطر عید الاضحیٰ کا دن قرار دو" وعن ابی ھریرۃؓ ان النبی ﷺ قال الصوم یوم تصومون والفطر یوم تفطرون والاضحی یوم تضحون"۔(۱)

اسی طرح ایک دوسری روایت ہے جس میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ روزہ اس وقت تک نہ رکھو جب تک رمضان کا چاند نہ دیکھ لو اور روزہ نہ چھوڑو جب تک شوال کا چاند نہ دیکھ لو اگر چاند ابر کی وجہ سے نظر نہ آئے تو حساب لگالو یعنی تیس دن پورے کرلو لا تصوموا حتی ترؤا الھلال ولا تفطروا حتی تروہ فان غم علیکم فاقدروا (بخاری ج۱ص۲۵۶)(۲)

صوموا لرویتہ وافطر والرویتہ فان غم علیکم فاکملوا عدۃ

شعبان ثلاثین. (مراقی الفلاح ص ۳۵۴) (۳)

غرضیکہ جب آپ حضرات ایسی جگہ ہیں کہ وہاں ہمیشہ ابر رہتا ہے تو مذکورہ بالا حدیث کے مطابق روزہ رکھیں اور عید کی نماز ادا کرلیں اور اگر شرعی ضابطہ کے مطابق رویت کی خبر کہیں سے آجائے تو اس پر عمل کیا جاسکتا ہے تار ریڈیو، اور وائرلیس کے اندر چونکہ شرعی شرائط نہیں پائے جاتے اس لئے اس کی خبر معتبر نہیں اور اس کی خبر پر عمل کرنا درست نہیں ٹیلیفون کی خبر بچند شرائط معتبر ہے۔

مخبر عادل ہو مسلمان ہو اس کی آواز پہچانتے ہوں۔ خبر میں تزویر کا احتمال نہ ہو اس سے واقف ہوں۔ خبر میں کذب کا احتمال نہ ہو ان تمام شرائط کے ساتھ رمضان کے لئے اس کی خبر معتبر ہے۔ عید کے لئے ان شرائط کے علاوہ اور بھی شرائط ہیں چونکہ عید کی رویت کی تسلیم کے تین طریقے ہیں شہادت علی الرویۃ شہادت علی الشہادۃ شہادت علی قضاء القاضی لہٰذا جب تک لفظ شہادت کا استعمال نہ ہو اور رویت کی اطلاع بطریقہ شہادت نہ دے اس وقت تک اس اطلاع پر عمل نہیں کیا جاسکتا نیز محض ایک شخص کے ٹیلیفون کا بھی اعتبار نہیں بلکہ چار پانچ آدمی کا ٹیلیفون آوے اور سب شہادت دیں اور مذکورہ شرائط کی پابندی ہو تب جا کر عید کے لئے ٹیلیفون سے آئی ہوئی اطلاع معتبر ہوگی ورنہ نہیں۔

ہر اس ملک کی اطلاع مانی جاسکتی ہے (اگر شرعی شرائط وضوابط کا لحاظ رکھا گیا ہے) جس میں اتنا فاصلہ نہ ہو کہ اس جگہ کی رویت کے اعتبار کے نتیجہ میں مہینے کے

اٹھائیس دن رہ جائیں یا اکتیس دن ہو جائیں اگر اتنا فاصلہ ہوا تو پھر معتبر نہیں۔(۴)

دلائل:

(۱) ترمذی شریف ج: ۱، ص: ۱۵۰. مکتبه بلال دیوبند.

(۲) بخاری شریف: ج: ۱، ص: ۲۵۶. یاسر ندیم دیوبند.

(۳) بخاری شریف: ج: ۱ ص: ۲۵۶. یاسر ندیم دیوبند.

مراقی الفلاح: ص: ۶۴۶. دار الکتاب.

(۴) قال شمس الائمة الحلوانی: الصحیح من مذهب أصحابنا أن الخبر اذا استفاض وتحقق فیما بین أهل البلدة الأخری، یلزمهم حکم هذه البلدة. (الفتاویٰ التاتارخانیة ج: ۳، ص: ۳۶۶. زکریا دیوبند).

روزے کی حالت میں انجکشن لگوانے کا حکم

سوال : انجکشن لگوانا روزہ کی حالت میں مفسدِ صوم ہے کہ نہیں؟ اگر روزہ نہیں فاسد ہوتا ہے تو کیوں؟

الجواب:

روزہ کے فاسد ہونے کے لئے ضروری ہے کہ جو چیز اندر پہونچائی جارہی

ہے وہ پیٹ یا دماغ میں پہونچے اور مخارق اصلیہ (ناک کان دبر) کے ذریعہ پہونچے اور اگر ان تینوں کے علاوہ کے ذریعہ کوئی چیز پہونچائی گئی تو روزہ فاسد نہیں ہوگا جب تک کہ یقین کے ساتھ اس چیز کے پیٹ یا دماغ میں پہونچنے کا علم نہ ہوجائے اس لئے کہ مخارق اصلیہ کے ذریعہ اگر کوئی چیز پہونچائی جائے تو یقیناً دماغ یا پیٹ میں پہونچ جاتی ہے بخلاف غیر مخارق اصلیہ کے کہ اس میں شک رہتا ہے اس لئے فساد قطعی کا حکم امر مشکوک پر نہیں لگایا جاسکتا انجکشن جو گوشت میں لگایا جاتا ہے اور اس کے ذریعہ اندر جو دوا پہونچائی جاتی ہے وہ دوا دماغ یا پیٹ میں نہیں پہونچتی گوشت ہی میں رہ جاتی ہے اس لئے اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔

باقی رہا دل ودماغ کا متأثر ہونا تو یہ بالکل صحیح ہے لیکن دل ودماغ کا متاثر ہونا مفسد صوم نہیں بلکہ دماغ یا پیٹ میں پہونچ جانا مفسد صوم ہے اس لئے کہ اگر متأثر ہونے کو فساد کی علت قرار دیں گے تو کسی کا روزہ صحیح نہیں ہوگا اس لئے کہ بہت سی چیزیں ایسی پیش آتی ہیں کہ جس سے دل ودماغ متأثر ہوجاتا ہے نیز روزہ میں عطر لگانے کی اجازت ہے غسل کرنے کی اجازت ہے حالانکہ ان چیزوں سے بھی دل ودماغ متأثر ہوتا ہے لیکن کسی فقیہ نے اس کو مفسد صوم نہیں لکھا ہے۔

وما وصل إلى الجوف أو إلى الدماغ من المخارق الأصلية كالأنف والاذن والدبر بان اسقط او احتقن او اقطر فى اذنه فوصل الى الجوف او الدماغ فسد صومه واما ما وصل الى الجوف او الى

الدماغ عن غير المخارق الاصلية بان داوى الجائفة والآمة فان دواها بدواءٍ يابس لا يفسد لانه لم يصل الى الجوف ولا الى الدماغ ولو علم انه وصل يفسد فى قول ابى حنيفةؒ الخ) .البدائع الصنائع ج۲ ص۹۳) (۱)

دلائل:

(۱) (البدائع الصنائع ص:۹۳ ج:۲) دار الكتاب العربيه بيروت.
(زكريا بكڈپو ص:۲۴۳ ج:۲).

(۲) لأنّ الموجود فى حلقه أثر داخل من المسلم الذى هو خلل البدن والمفطر إنّما هو الداخل من المنافذ للاتفاق على من اغتسل فى ماء فوجد برده فى باطنه أنّه لا يفطر. (شامى ص:۳۹۵ ج:۲) كراچى.

(۳) وفى أحسن الفتاوىٰ ص:۴۲۲ ج:۴. زكريا.

روزہ کی حالت میں آپریشن کرانے کا حکم

سوال: روزہ کی حالت میں انجکشن لگوانا، فصد کھلوانا، آپریشن کروانا، دانت اکھڑوانا یا سرجری کروانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

انجکشن سے دوا اگر سینہ یا پیٹ میں نہ پہنچے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا (کفایت المفتی: ۲۴۰)

فصد کھلوانے، آپریشن کروانے، دانت اکھڑوانے یا سرجری کروانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا تاہم روزہ کی حالت میں ان چیزوں سے احتراز اولیٰ ہے: "**ولا بأس بالحجامة ان امن على نفسه الضعف اما اذا خاف فانه يكره وينبغي له ان يؤخر إلى وقت الغروب وذكر شيخ الاسلام شرط الكراهة ضعف يحتاج فيه الى الفطر والفصد نظير الحجامة هكذا فى المحيط**" (الفتاویٰ الہندیہ: ۱/۲۰۰)(۱)

دلائل:

(۱) **(هنديه ص: ۲۶۲ ج: ۱).**

الفقه الإسلامی وأدلّتهص: ۱۷۱۰ ج:۳. دار الفكر المعاصر.

طحطاوی على المراقی ص: ۶۵۹. ۶۶۰. دار الكتاب.

وفی البحر الرائق ص: ۲۷۳/ج: ۲. سعيد.

برطانیہ میں رویت ہلال کا مسئلہ

سوال: یہاں برطانیہ کے مرکزی رویت ہلال کمیٹی کی طرف سے مرتب کتاب جس

کا نام یہ ہے ''سعودی عرب کی رویت اصول شرعیہ مفتیان کرام کی نظروں میں'' اس میں آنجناب کا فتویٰ بھی شامل ہوا ہے جس میں برطانیہ چاند کی تاریخوں کی تعین کے بارے میں سعودی عرب کی رویت کے تابع ہونے کو جائز قرار دیا ہے۔ اب عرض یہ ہے کہ سعودی عرب کی رویت پر عمل کرنے سے ہم اہل برطانیہ دنیا کے بہت سے ملکوں سے مثلاً ہندوستان، پاکستان، افریقہ، باربدرس یا کنیڈا وغیرہ سے دو دن کا کبھی تو تین دن کا اور ایک دن کا تو ہمیشہ ہی فرق ہوتا ہے، اب غور طلب بات یہ ہے کہ سعودی عرب میں جس دن یکم کا چاند ہوتا ہے اس دن سعودی عرب کے مشرق ومغرب میں جو ممالک واقع ہیں وہاں سعودی عرب کے تابع ممالک کے علاوہ یکم کا چاند نہیں ہوتا ہے سعودی عرب کے مشرق میں افریقہ، زانبیہ، زنبابوے، ملاوی، پنامہ وغیرہ ممالک واقع ہیں وہاں بھی یکم کا چاند نہیں ہوتا ہے حالانکہ جب مشرق وسعودی عرب میں چاند ہوگیا تو مغرب میں بدرجہ اولیٰ چاند ہونا چاہئے اور پھر افریقہ وغیرہ کا مطلع اور موسم بھی صاف رہتا ہے چونکہ آنجناب کا فتویٰ یہاں کی ہلال کمیٹی حجت میں پیش کرتی ہے اس لئے آنجناب سے گذارش ہے کہ آنجناب جواب سے مشرف فرمائیں۔

دیگر عرض یہ ہے کہ یہاں کی ہلال کمیٹی مکہ ومدینہ بذریعہ فون چاند کی خبر حاصل کر کے فیصلہ کر دیتی ہے۔ کیا یہ طریقہ تواتر یا استفاضہ کی تعریف پر صادق آتا ہے؟

الجواب:

آپ نے برطانیہ کی جو صورت حال تحریر کی ہے وہ نئی نہیں، اس لئے کہ اس مسئلہ کو لیکر علماء میں ایسا زبردست شگاف پڑ چکا ہے اور ہر ایک نے اس کو اپنی انا کا مسئلہ بنالیا ہے، اللہ اللہ کر کے ایک ہلال کمیٹی بنی جس نے مفتیان کرام کے فتوے کی روشنی میں ایک ضابطہ عمل مرتب کیا اور اس پر عمل درآمد کیا، اس طرح درمیان کی خلیج و شگاف کے پٹنے کے امکانات بڑھ گئے اور امید کی کرن نظر آنے لگی اب لگتا ہے پھر یہ ہلال کمیٹی آپ کے دست مبارک سے حلال ہو جائیگی اور امت پھر انتشار واختلاف کی شکار ہو کر ڈیڑھ اینٹ کی مسجدوں میں منقسم ہو کر تختہ مشق بن جائے گی خادم کے دل کی آواز ہے جو غیر ارادی طور پر سپرد قرطاس ہوگئی، خدا کرے یہ بدگمانی ہی ہو، جس وقت خادم نے سعودی عرب کے تابع ہو کر اہل برطانیہ کو صوم وافطار کی اجازت دی تھی اس کی ایک اہم بنیاد اس کا قاطع نزاع ہونا ہے، نیز مہینہ جب اٹھائیس یا اکتیس کا ہونا لازم نہیں آتا اور سعودیہ کی رویت کی بنیاد رویت ہے، صرف افواہ نہیں جس کے دلائل خادم کے پاس آج بھی موجود ہیں۔ اور یہ سب حقائق آج بھی ہیں اس لئے خادم کی جو رائے پہلے تھی وہ آج بھی ہے اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئی اور نہ ہی آنجناب کی تحریر خادم کی سابقہ رائے کی صحت پر اثر انداز ہوسکی، سعودیہ کے مقابلہ میں ہندو پاک وغیرہ یقیناً برطانیہ سے دور ہیں، لہٰذا یہاں سے ایک دو دن کا فرق یقیناً ضروری ہے، ہندو پاک کی رویت کے تابع اگر ہم برطانیہ کو کرتے تب آپ کا قول بجا تھا، جب

برطانیہ ہندو پاک کے تابع نہیں تو آپ کا قول یقیناً بے جا ہے ہلال کمیٹی یقیناً ذمہ دار قسم کے افراد پر مشتمل ہوگی اور وہ علماء ریڈیو وٹیلیفون کی خبر کے معتبر ہونے کے شرائط سے واقف ہوں گے اوراس کے مطابق وہ کام کرتے ہوں گے اس سلسلہ میں اگر آنجناب کوشبہات ہیں تو براہ راست کمیٹی سے رابطہ کر کے تحقیق کرلیں اور اصلاح فرمالیں فتوی کوطبع آزمائی کا ذریعہ نہ بنایا جائے۔(**اللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم**)

کیا سعودی عربیہ کی رویت ہلال انگلینڈ میں معتبر ہوگی

سوال: انگلینڈ میں موسم کی خرابی کی وجہ سے عام طور پر آسمان ابر آلود رہتا ہے، خصوصاً بہ وقت شام آسمان اور زیادہ ابر آلود ہو جاتا ہے اس وجہ سے رمضان المبارک شروع کرنے کے لئے اور عیدین ادا کرنے کے لئے ہمیشہ دوسرے ملکوں سے چاند کی خبر معلوم کرنے کی محتاجی رہتی ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ انگلینڈ ہی میں چاند دیکھ کر رمضان المبارک شروع کیا گیا ہو۔ یا عیدین ادا کی گئی ہوں۔ اس وجہ سے یہاں کے علمائے کرام نے برسوں پہلے انڈیا اور پاکستان کے مفتیانِ کرام سے رجوع فرما کر فتاوے دریافت فرمائے ہیں۔ مفتیانِ کرام کے جوابات کا ماحصل یہ ہے کہ قریب ترین اسلامی ملک پر عمل کرنا احوط ہے۔ اور دوسرے تمام ملکوں پر عمل کرنا جائز ہے۔

ان تمام بات کی روشنی میں مراکش، انگلینڈ سے قریب ہونے کی وجہ سے اور احتیاط پر عمل کرنے کے جذبہ سے صحیح العقائد کے تمام مسلمانوں نے بالاتفاق مراکش پر عمل شروع کیا اور تقریباً سولہ سترہ سال اس پر عمل پیرا رہے۔

مگر بدقسمتی سے مراکش سے چاند کی خبر جلد دستیاب نہیں ہوتی بعض مرتبہ شب میں دس گیارہ بجے اور بعض مرتبہ دو تین بجے اور بعض مرتبہ دوسرے روز صبح میں خبر ملتی ہے اس وجہ سے عوام میں انتشار پیدا ہو جاتا ہے، اس طرح کی پریشانیوں کی وجہ سے چاند کے مسئلہ میں صحیح العقائد مسلمانوں کے دو فریق بن چکے ہیں، ایک فریق کے علماء اور عوام یہ چاہتے ہیں کہ کسی بھی غیر معین ملک پر عمل کر لینا جائز ہے۔

جبکہ دوسرے فریق کے علماء اور عوام یہ جانتے ہیں کہ کسی بھی ایک ملک کو معین کر کے اس پر عمل کرنا جائز ہے۔ لہٰذا مراکش ہی پر عمل کرنا چاہئے۔

جو فریق دنیا بھر کے کسی غیر معین ملک پر رمضان المبارک شروع کر دیتا ہے اور کسی بھی غیر معین ملک کی خبر پر عید الفطر مناتا ہے کوئی ایک معین نہ کرنے کی وجہ سے ان کے ہمیشہ ۲۹/ ہی روزہ ہوا کرتے ہیں اور اسی طرح شعبان اور عید الاضحیٰ بھی دنیا بھر میں سے کسی بھی غیر معین ملک پر مناتے ہیں اس فریق کے علمائے کرام کا یہ کہنا ہے کہ اس طرح پر عمل کرنے کے لئے ہمارے پاس مفتیانِ کرام کے فتاوے ہیں، مگر ہم اپنی ناقص رائے کے مطابق سمجھتے ہیں کہ اس طرح عمل کرنے سے یہ لازم آتا ہے کہ گویا ان حضرات نے شریعت سے آزاد ہو کر رمضان المبارک اور عیدین جیسی عظیم الشان

مبارک عمل کو اپنے ہی اختیار میں کرلیا ہے۔

جبکہ دوسرے فریق کے مسلمان رمضان المبارک اور عیدین جیسی عظیم الشان عبادات کو اپنے قبضہ میں لینے کے بجائے شریعت مطہرہ کا تابع بنا کر چاند کے بارے میں انگلینڈ کو دوسرے کوئی معین ملک کا تابع بنانا ضروری سمجھ کر آج تک مراکش پر عمل کرتے رہے ہیں اور مراکش سے تاخیر سے خبر موصول ہونے کی وجہ سے واقع ہونے والی تمام پریشانیاں برداشت کرتے ہوئے بھی رمضان المبارک اور عیدین جیسی عظیم الشان عبادات کو ادا کرتے رہے ہیں۔

مگر کسی بھی غیر معین ملک پر عمل کرنے والے کی طرف سے عموماً مغرب سے متصل چاند کی خبریں شائع ہوجانے کی وجہ سے مراکش پر عمل کرنے والے مسلمانوں میں سے بھی کتنے حضرات مراکش کی خبر کا انتظار چھوڑ کر اس فریق کے ساتھ ہولئے ہیں۔ اس وجہ سے ایک ہی شہر میں بسنے والے اور ایک ہی مسلک پر چلنے والے بلکہ ایک ہی مسجد کے مصلیوں میں اور ایک ہی گھر میں رہنے والے باپ بیٹوں اور بھائیوں میں اختلاف ہوجاتا ہے۔ ان وجوہات کی بنا پر مراکش پر عمل کرنے والے مسلمان مورد لعن وطعن بنتے ہیں اور افتراق بین المسلمین کا الزام ان پر تھوپا جاتا ہے، ان تمام مشکلات کو مد نظر رکھ کر مراکش پر عمل ترک کر کے دوسرے معین ملک پر عمل کرنے کی غرض سے ایا سعودی عربیہ ہی پر رمضان المبارک اور عیدین میں عمل کریں تو اس میں کوئی حرج ہے؟ سعودی عربیہ کی خبر پر رمضان المبارک اور عیدین منانا جائز

ہے؟ سعودیہ عربیہ اسلام کا مرکز ہے اور بفضلہٖ تعالیٰ حرمین شریفین کی وجہ سے عالم اسلام کے تمام مسلمانوں کے دلوں میں اس کا احترام ہے۔ اور چاند کا فیصلہ بھی حکومت کی طرف سے معین کردہ علمائے کرام پر مشتمل کمیٹی باقاعدہ شہادتیں ملنے کے بعد ہی کرتی ہے۔ رمضان المبارک اور عیدین جیسی عظیم الشان عبادات میں محکمہ موسمیات کی اطلاع قطعاً اعتبار نہیں کرتی ہے۔ وہاں کی ہلال کمیٹی کی طرف سے چاند کے فیصلہ کرنے کے طور وطریق کیا ہیں؟ اور وہاں کے علمائے کرام کو محکمہ موسمیات سے کس قدر انقباض ہے۔

اس پر مطلع ہونے کے لئے منسلک مضمون ارسال خدمت ہے غالباً یہ مضمون ''الفرقان'' لکھنو کے شمارے میں شائع ہوا تھا۔ سعودی عربیہ کا ٹائم انگلینڈ کے ٹائم سے دو تین گھنٹے آگے ہونے کی وجہ سے چاند کی رویت کی خبر بہت جلد بڑی سہولت سے یہاں فراہم ہو جاتی ہے۔ اور سعودیہ عربیہ جیسے ایک معین ملک پر عمل پیرا ہونے کی وجہ سے ہمیشہ ۲۹/روزے ہونے کا خطرہ بھی نہیں رہے گا۔ جبکہ مراکش پر عمل کرنے کی وجہ سے نہیں رہتا تھا۔ اور سعودی عربیہ پر عمل کرنے کی وجہ سے امید ہے کہ وہ فریق جو دنیا بھر کے کسی بھی غیر معین ملک پر عمل کر کے رمضان المبارک اور عیدین مناتا رہتا ہے، وہ سعودیہ عربیہ کی خبر پر عمل کرنا شروع کردے گا۔ اس طرح صحیح العقائد مسلمانوں کا دوبارہ اتفاق واتحاد بھی انشاء اللہ ہو جائے گا۔ جس کے آج لوگ بہت متمنی ہیں، مذکورہ بالا بیان کردہ تمام پہلوؤں کو مد نظر رکھتے ہوئے جواب سے نوازیں کہ سعودی عربیہ کی خبر پر

رمضان المبارک اور عیدین کے منانے کے بارے میں شریعت کا حکم کیا ہے؟

نقل مضمون

سعودی عرب میں رویت ہلال۔ از ڈاکٹر مولانا عبداللہ عباس ندوی استاذ جامعۃ ام القریٰ مکہ مکرمہ۔

نوٹ: اب سے تقریباً دو سال پہلے اکتوبر ۸۱ء کے الفرقان کے شمارہ میں جناب ضیاء الدین لاہوری ایم، اے کا ایک مضمون بعنوان مسئلہ رویت ہلال جدید سائنسی تحقیق کی روشنی میں شائع ہوا تھا۔ اس میں انہوں نے ثابت کیا تھا کہ یہ خیال غلط ہے کہ سائنسی ترقی کے اس دور میں ماہرین فلکیات کے حساب سے رویت ہلال کی بالکل صحیح پیشین گوئی کر سکتے ہیں۔

اس کے ثبوت میں انہوں نے یورپ کے مسلم ماہرین فلکیات کے بیانات نقل کئے تھے، جو ان کے اس مدعا کو ثابت کرنے کے لئے بظاہر کافی تھے، مضمون کے آخر میں انہوں نے یہ بھی لکھا تھا کہ سعودی عرب میں تاریخ کا تعین رویتِ ہلال کی بنیاد پر نہیں ہوتا، بلکہ حساب کی بنیاد پر ہوتا ہے۔

اس عاجز (منظور نعمانی) کو چونکہ یہی معلوم تھا کہ سعودی عرب میں واقعی قمری تاریخ کا تعین رویت کی شہادت پر کیا جاتا ہے اور سرکاری تاریخ وہاں کی جنتری کے حساب سے چلتی ہے، (جو پہلے سے تیار کر لی جاتی ہے اور دونوں تاریخوں میں کبھی کبھی

فرق بھی ہوتا ہے،) اس لئے میں نے یہ سمجھا کہ غالباً ضیاء الدین صاحب کو وہاں کے تاریخ کے دہرے نظام کے بارے میں یہ تفصیل معلوم نہیں ہے اور انہوں نے جو لکھا ہے وہ غلط فہمی پر مبنی ہے، اسی لئے مضمون کے ختم پر میں نے نوٹ لکھا۔ اس میں وضاحت سے وہاں کی تاریخ کے دونوں نظاموں کا ذکر کیا، اور لکھا کہ سرکاری جنتری تو آئندہ پورے سال کے شروع ہونے سے پہلے ہی تیار ہوکر شائع ہوجاتی ہے اور سرکاری کاموں اور بازاری کاروبار میں وہی چلتی ہے، وہ رویت کی بنیاد پر ہو بھی نہیں سکتی۔ کسی حساب اور قیاس ہی سے تیار کی جاتی ہوگی، لیکن واقعی قمری تاریخ کا تعین خاص کر رمضان، عید اور حج کی تاریخ کا فیصلہ وہاں رویت ہی کی بنیاد پر ہوتا ہے۔

اس کے بعد ضیاء الدین صاحب نے دوسرا مضمون لکھا جس کا عنوان تھا ''عالم اسلام میں رویتِ ہلال پر مکمل اتفاق کا مسئلہ'' یہ مضمون دسمبر ۸۱ء کے شمارے میں شائع ہوا تھا اس کے بعد انہوں نے تیسرا مضمون اس سلسلہ میں لکھا، جس کا عنوان تھا ''رویت ہلال اور سعودی عرب'' یہ جنوری ۸۳ء کے ''الفرقان'' میں شائع ہوا تھا، ان دونوں مضمونوں میں انہوں نے بظاہر بہت مدلل طور پر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ سعودی عرب میں رمضان، عید اور حج کی تاریخ کا تعین رویت کی بنیاد پر نہیں ہوتا بلکہ حساب ہی کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ اور غلط بھی ہوتا ہے، ان دونوں مضمونوں خاص کر آخری مضمون کے سامنے آنے کے بعد ضرورت محسوس ہوئی، کہ اس بارے میں پوری تحقیق کر کے اس کا نتیجہ الفرقان میں شائع کیا جائے، حسن اتفاق سے اب سے چند مہینہ پہلے ہمارے دوست ڈاکٹر مولانا

عبداللہ عباس ندوی تشریف لائے جو تقریباً تیس سال سے مکہ معظّمہ ہی میں رہتے تھے اور اب وہیں کے شہری ہیں، اور اس وقت وہاں کے یونیورسٹی جامعہ ام القریٰ میں پروفیسر ہیں، میں نے ان کے سامنے اسی مسئلہ کا ذکر کیا، اور جنوری کا شمارہ بھی دیکھنے کے لئے دیدیا جس میں ضیاء الدین صاحب کا آخری مضمون شائع ہوا تھا۔ ان کو اس بارے میں ذاتی طور پر جو کچھ معلوم تھا وہ انہوں نے بتلایا، میں نے ان سے عرض کیا کہ ان معلومات کو مضمون کی شکل میں مرتب کردیجئے تاکہ الفرقان میں شائع کیا جاسکے، اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے انہوں نے وہ لکھ کر بھیج دیا، جو ذیل میں نذر ناظرین کیا جارہا ہے۔ لیکن وہ ''الفرقان'' میں ابھی شائع نہیں ہوسکا تھا کہ اس سال کا وہ رمضان المبارک آگیا۔ جو چند ہی روز پہلے ختم ہوا ہے، مولانا موصوف نے پہلی رمضان کو مجھے مکہ مکرمہ سے خط لکھا اور وہاں کے ایک روزنامہ کے دو تراشے اس کے ساتھ بھیجے جس میں رویت ہلال کی خبر اور اس کے بارے میں سرکاری اعلان بھی شائع ہوا تھا، مضمون کے آخر میں مولانا موصوف کے اس مکتوب کا اقتباس اور دونوں تراشوں کا ترجمہ بھی شامل کیا جارہا ہے، اس کے بعد اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہتی، سعودی عرب میں خاص کر رمضان، عید اور حج کی تاریخ کا تعین اور اعلان کسی حساب کی بنیاد پر نہیں کیا جاتا ہے۔ رویت ہلال کی شہادت ہی کی بنیاد پر کیا جاتا ہے اس طویل تمہیدی نوٹ کے بعد ناظرین کرام محترم ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی کا اصل مضمون ملاحظہ فرمائیں۔

(منظور نعمانی)

بسم الله والحمد لله والصلوٰة والسلام علی رسول الله

مملکت سعودی عرب میں رویت ہلال کا فیصلہ اور اعلان چشم سر سے چاند دیکھنے والوں کی شہادت کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ اور شہادتیں صرف ان لوگوں کی قبول کی جاتی ہیں، جن کے ثقہ اور معتبر ہونے کا یا تو قاضی کو براہِ راست علم ہو یا اس کے ثقہ ہونے کی شہادت ایسے معتبر لوگ دیں جن کی دیانت وامانت قاضی کو معلوم ہو، وہ شخص جو شاہد کے ثقہ ہونے کی تصدیق کرتا ہے اس کو مزکی کہتے ہیں، چنانچہ وہاں عدالتوں میں گواہ کے ساتھ مزکی بھی پیش ہوا کرتا ہے۔ جیسا کہ سب جانتے ہیں، شریعت میں گواہی دو آدمیوں کی قبول کی جاتی ہے، سعودی عرب میں دو گواہوں کے ساتھ دو مزکی بھی ہوتے ہیں۔ چاند کے سلسلہ میں اور خصوصاً رمضان عید اور حج کے مہینوں کے چاند میں تحقیق وتحری کا اہتمام معمول سے زیادہ سختی کے ساتھ ہوتا ہے۔ عام طور پر دو گواہ نہیں بلکہ ایک جماعت اگر قاضی کے سامنے گواہی دیتی ہے، اس میں ثقہ اور معتبر لوگوں کے بیانات قلمبند ہوتے ہیں۔ اکثر ان سے جرح بھی کی جاتی ہے۔ پھر ان کی شہادتوں کو قاضی القضاۃ کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ بادشاہ وقت کی توثیق کے بعد اس کا اعلان ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ان مہینوں کے چاند کا اعلان متصلاً مغرب کے بعد کبھی نہیں ہوا، ہمیشہ کئی گھنٹہ کی تاخیر سے خبر آتی ہے، کہ رویت ثابت ہوگئی یا رویت ثابت نہیں ہوئی۔

لیکن سرکاری جنتری (تقویم ام القریٰ) یقیناً حساب کی روشنی میں تیار کی جاتی ہے، اور علماء فلکیات کی ایک کمیٹی ہے جو ہر سال اس کو تیار کرتی ہے۔ موجودہ عالم

فلکیات جس کی سرکردگی میں یہ کام ہوتا ہے، ان کا نام ''الاستاذ عبدالرحیم ادریس کلنتی''
ہے۔ تمام سرکاری دفتری اور تعلیمی اداروں میں اسی جنتری کی بنا پر عمل درآمد ہوتا ہے،
واضح رہے کہ وہاں صرف اسلامی قمری تاریخ پر عمل ہوتا ہے، لیکن اکثر ایسا ہوتا ہے کہ
واقعی رویت ہلال سے جو تاریخ متعین ہوتی ہے اس سے یہ جنتری جو حساب کی بنیاد پر
تیار ہوتی ہے، دونوں میں اختلاف رہا ہے۔ اس لئے کہا جاتا ہے کہ آج تقویم کے لحاظ
سے یہ تاریخ ہے اور رویت کے اعتبار سے یہ تاریخ ہے۔ یہ بات کسی ظن تخمین یا اندازہ
کی بنیاد پر نہیں، بلکہ برسہا برس کے عینی مشاہدہ اور بلا واسطہ معلومات کی بنیاد پر عرض کر
رہا ہوں، اس بات کا امکان عقلی تو ہوسکتا ہے کہ رویت کی شہادت دینے والے اور ان
کا تزکیہ کرنے والے سب کے سب جھوٹ پر متفق ہوگئے ہوں۔ اس وجہ سے وہاں کی
تاریخیں غلط ہوتی ہیں۔ لیکن یہ بات خلاف واقعہ ہے۔ کہ وہاں عید اور رمضان اور ذی
الحجہ کی رویت کا اثبات کمپیوٹر کے حساب قرآن شمس وقمر کے مفروضہ پر کیا جاتا ہے،
کمپیوٹر کا جہاں تک تعلق ہے۔ وہ ابھی پوری طرح سعودی عرب میں رائج نہیں ہوا ہے
تین سال سے سعودی ایئر لائن میں اس کا رواج ہوا ہے بعض کمپنیوں میں اور
یونیورسٹیوں میں اس سے کام لیا جا رہا ہے اور اب تو بعض وزارتوں نے بھی شروع کیا
ہے، چاند کی رویت کے لئے جو معلومات کمپیوٹر میں FEED تخزین کئے جاسکتے
ہیں، ان کا ابھی دور دور تک کوئی سراغ نہیں مل سکتا، ''الریاض'' میں کیا خبر شائع ہوئی
ہے وہ میں نے نہیں دیکھی، گمان ہے کہ یہ ایک انفرادی رائے ہوگی کہ ایسا کیا جائے،

لیکن اس کا یہ مطلب نکالنا کہ ایسا ہو گیا اور ہو رہا ہے، اور گیارہ سال کے کچھ رکارڈ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ سب فرضی بات ہے صورتحال سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے، الفرقان کے شمارہ ماہ جنوری ۸۳ء میں جو مضمون ''ضیاء الدین لاہوری صاحب'' کا شائع ہوا ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ۱۳۹۵ھ اور ۱۳۹۸ھ کے ذی الحجہ کے چاند قران شمس وقمر سے پہلے دیکھ لئے گئے اگر ایسا ہے تو اسی سے یہ بات ثابت ہوتی ہے، کہ قران شمس وقمر کی بنیاد کا مفروضہ غلط ہے، اس سلسلہ میں ایک بات اور وضاحت طلب ہے کہ مکہ مکرمہ میں چاند کہاں اور کیسے دیکھا جا سکتا ہے، جبکہ وہ پہاڑیوں سے گھری ہوئی ایک وادی ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ زمانہ قدیم میں مکہ مکرمہ کی ایک اونچی پہاڑی کی چوٹی پر سے لوگ چاند دیکھنے کی کوشش کیا کرتے تھے ترکوں نے وہاں ایک مسجد بنادی تھی، جس کا نام مسجد ''الہلال'' پڑ گیا تھا، ناواقف حجاج اس کو مسجد بلال کہتے ہیں اس پہاڑی کے علاوہ بحر مکہ (جو یمن کے رخ پر تیس کیلو میٹر دور ہے) اس کے ساحل سے بھی چاند دیکھے جاتے ہیں۔شمالی مکہ میں تبوک وعمان تک ایک ہی افق ہے، وہاں سے بھی چاند دیکھنے کی اطلاع آیا کرتی تھی، اب پورے سعودی عرب میں ہر شہر میں چاند دیکھنے کی جگہیں مقرر ہیں اور لوگ کوشش بھی کرتے ہیں۔خاص طور پر رمضان اور عید کے چاند دیکھنے کی کوشش کرنے والوں کو میں نے خود دیکھا ہے، تاکہ وہ دوسروں کو دیکھا کر اپنی سبقت کو قاضی سے بتا سکیں، میں نے لاہوری صاحب کے وہ مقالات نہیں پڑھے جس میں انہوں نے یورپ کے ماہرین فلکیات کی آراء بیان

کر کے ثابت کیا ہے کہ میلاد ہلال BIRTH OF MOON کا وقت یقینی ہوسکتا ہے، مگر کسی ذریعہ سے اس کے بُروز APPEARENCE کا وقت جب کہ وہ چشمِ مجرد Naked eye سے نظر آسکے متعین نہیں کیا جاسکتا ہے چونکہ میرا موضوع نہیں ہے۔اس لئے اس پر رائے زنی نہیں کرسکتا البتہ برطانیہ سے جو ہر سال عالمی تقویم المنارک کے نام سے شائع ہوتی ہے اس میں تو ہر افق پر چاند کی پیدائش اوراس کے ظاہر ہونے کا وقت دیا جاتا ہے۔معلوم نہیں کہ موجودہ تحقیقات جن کا ذکر ''لاہوری صاحب'' نے فرمایا ہے، وہ اس جنتری سے معلومات سے کس حد تک متفق ہیں، بہر حال یہ مفروضہ اپنی جگہ پر قطعاً صحیح نہیں ہے کہ سعودی عرب میں اب یا کبھی کبھی رویت کا اعلان حساب واعداد کی روشنی میں مشینی (کمپیوٹر) یا غیر مشینی ذریعہ سے کیا گیا ہے، ہاں کسی اور سبب سے غلطی ہورہی ہو، اس کا امکان عقلی ہوسکتا ہے۔ ولا از کّی علی الله أبدا.

ڈاکٹر مولانا محمد عبد اللہ عباس ندوی نے اپنے ایک تازہ مکتوب مؤرخہ یکم رمضان المبارک ۱۴۱۳ھ مطابق ۱۱ جون ۸۳ء یوم دوشنبہ میں جس کا اوپر نوٹ میں ذکر کیا گیا ہے تحریر فرمایا ہے۔آج گیارہ جون کو یہاں (مکہ مکرمہ میں) پہلی رمضان ہے تقویم (سرکاری جنتری) میں آج ۳۰ شعبان ہے، لیکن کل چاند نظر آگیا اور گواہیوں کے طویل مرحلوں کے گذرنے کے بعد رات کے ایک بجے توپیں دغنا شروع ہوئیں اور ٹیلی ویژن پر اعلان ہوا آج صبح کے اخبارات میں جو سرکاری بیان شائع ہوا ہے

اس کا تراشہ خدمت عالی میں بھیج رہا ہوں میری غرض صرف یہ ہے کہ لاکھوں انسانوں کے روزے اور حج کو مشتبہ قرار دینے والی بات کی تردید ہو جائے اور بندگانِ خدا کو اس بارے میں اطمینان ہو، یہ دونوں تراشے جدہ سے شائع ہونے والے روزنامہ المدینہ کی پہلی اور دوسری رمضان کی اشاعتوں کے ہیں، ان کے ترجمہ ذیل میں درج ہیں:

(۱) ''جدہ'' کل شام رمضان کا چاند نظر آ جانے کی وجہ سے آج یہاں ماہ مبارک شروع ہو گیا۔ اس بارے میں جاری ہونے والے فرمان شاہی کا متن درج ذیل ہے۔

(عدالت عالیہ، مجلس قضاء اعلیٰ) کے نزدیک معتبر عینی شاہدوں کی شہادت کی بنا پر شرعی طور پر رمضان المبارک ۱۴۰۳ھ کے آغاز کا آج ہفتہ کی رات (گیارہ جون ۸۳ء) سے ثبوت ہو گیا ہے، لہٰذا کل ہفتہ کا دن رمضان المبارک کا پہلا دن ہو گا (روزنامہ المدینہ جدہ یکم رمضان ۱۴۰۳ھ ۱۱رجون ۸۳ء) اسی اخبار المدینہ کے اگلے دن کی اشاعت میں ایک نوٹ لکھا جس کا ترجمہ ہے۔

رمضان کے آغاز کے اعلان میں تاخیر اور اس کے دلچسپ نتائج

اس سال ہلال رمضان کی رویت کے اعلان میں تاخیر کے دلچسپ نتائج سامنے آئے یاد رہے کہ یہ تاخیر کئی وجہ سے ناگزیر ہوئی ہے۔ سب سے بڑی وجہ وہ کارروائیاں ہیں، جو ثبوت رویت کے لئے ضروری ہوتی ہیں۔ مثلاً شرعی عدالت کے

سامنے رویت کی شہادت کا آنا پھر اس شہادت کے سلسلہ میں شرعاً قابلِ اعتبار ہونے کا اطمینان، ان دونوں مرحلوں کے بعد تیسرا مرحلہ ہوتا ہے کہ وہ عدالت جس کے سامنے شہادت پہونچتی ہے، وہ رویت ہلال کے اعلیٰ ذمہ داروں کو اطلاع پہنچاتی ہے، ظاہر ہے کہ ان سب کارروائیوں میں وقت لگ ہی جاتا ہے۔اور جب کبھی رویت کے اعلان میں دیر ہوتی ہے، کوئی نہ کوئی دلچسپ واقعہ ضرور پیش آتا ہے، مدینہ منورہ کے بڑی عمر کے باشندوں کو یاد ہوگا ایک مرتبہ رمضان کے آغاز کی خبر توپ کے گولے کے ذریعہ اس وقت ملی تھی جبکہ آدھا دن گذر چکا تھا۔اور لوگ دوپہر کے کھانے کی تیاری کر رہے تھے۔اسی طرح ایک لطیفہ ہمارے اخبار کے ایک کارکن کے ساتھ اب پیش آیا۔ وہ کل رات دس بجے تک رویت کے اطلاع کی انتظار کے بعد سو گئے اور صبح معمول کے مطابق نماز فجر کے بعد ناشتہ کر کے باہر نکلے تو بازار بند دیکھا۔اس سے ان کو کچھ شبہ ہوا۔اتنے میں ایک دوست نے ان کو رمضان المبارک کے آغاز کی مبارکباد دی، تب ان کا شبہ یقین سے بدلا۔

روزنامچہ المدینہ جدہ دو رمضان المبارک ۱۴۰۳ھ ۱۲؍جون ۸۳ء۔

اسی موضوع سے متعلق کچھ مزید

راقم سطور نے اسی رمضان المبارک میں حضرت مولانا زکریا نور اللہ مرقدہٗ کی آپ بیتی کی تلخیص کا کام کیا جیسا کہ معلوم ہے حضرت کے قیام زندگی کے آخری

دس سالوں میں ''حجاز مقدس'' زیادہ تر ''مدینہ منورہ'' میں رہا۔ آپ بیتی میں کئی جگہ رمضان عید یا حج کے چاند کے بارے میں حضرت شیخ کے بیانات سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کی تاریخ کا فیصلہ اوراعلان کسی حساب کی بنیاد پر نہیں جبکہ رویت ہلال کی شہادت ہی کی بنیاد پر کیا جاتا ہے۔ رمضان المبارک ۸۹ھ کے نصف اول میں حضرت شیخ کا قیام ''مکہ مکرمہ'' رہا، اور نصف آخر میں ''مدینہ منورہ''، آخری عشرہ کا اعتکاف بھی ''مسجد نبوی'' میں فرمایا۔

آپ بیتی میں حضرت نے لکھوایا ہے، بیس رمضان کی شام سے اعتکاف کیا ۲۹ر کا چاند ہوا، عشاء کی نماز کے بعد'' قاری صاحب'' نے بھرائی ہوئی آواز میں اعلان کیا، کہ شہادت شرعیہ سے رویت ثابت ہوگئی اور رمضان ختم ہوگیا۔ آپ بیتی ۴ ۲۹۴اور آپ بیتی ۵ میں ۱۳۹۳ھ کے ''مدینہ منورہ'' کے قیام کا ذکر کرتے ہوئے حضرت شیخ نے فرمایا ہے، شروع رمضان میں چونکہ رویت کا ثبوت دیر میں ہوا تھا اس لئے پہلی شب میں قرآن شریف شروع نہیں ہوا تھا، آپ بیتی ۵ ص ۱۳۱، اسی آپ بیتی ۷ میں ۱۳۹۷ھ کے حج کا بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے: ۴ر ذی الحجہ کو ٹیلی ویژن وغیرہ پر اعلان ہوا کہ تاریخ بدل گئی اور اب حج بجائے ۲۰ر نومبر کے ۱۹ نومبر کو ہوگا۔ آپ بیتی ۷ ص ۲۳۵۔ ظاہر ہے کہ تاریخ کی اس تبدیلی کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ حج بجائے بعد میں ایک دن پہلے رویت کی شہادت فراہم ہوگئی، اب کمپیوٹر یا کسی بھی حساب سے رویت کا فیصلہ کیا جاتا تو تاریخ کی تبدیلی اوراسی طرح دیر سے ثبوت فراہم ہونے کا کوئی امکان

ہی نہ ہوتا۔ حضرت شیخ کی آپ بیتی میں ان کے علاوہ بھی اسی طرح کی متعدد مثالیں ہیں، بہر حال ان چیزوں کے سامنے آجانے کے بعد اس میں شبہ کی گنجائش نہیں رہتی کہ سعودی عرب میں قمری تاریخ کا فیصلہ واقعی رویت ہلال کی شہادت ہی کی بنیاد پر کیا جاتا ہے، جو صحیح شرعی طریقہ ہے۔ "**واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل**" بعد کا اضافہ، مندرجہ بالا سطروں پر یہ مضمون ختم ہوگیا تھا کتابت بھی ہوچکی تھی کہ مولانا عبد اللہ عباس ندوی کے بھیجے ہوئے اخبار المدینہ مؤرخہ ۳۰ رمضان کو شوال کا چاند نظر نہ آنے کی بنا پر تیسویں روزہ کا اعلان ہے اس خبر کا ترجمہ حسبِ ذیل ہے۔

طائف مجلسِ اعلیٰ کے سربراہ "شیخ صالح الحیدان" نے اخبار "المدینہ" کو بیان دیتے ہوئے کہا کہ اتوار کا دن رمضان کا آخری (تیسواں) دن ہوگا۔ اور عید الفطر کل دوشنبہ کو ہوگی، انہوں نے کہا کہ مجلس کے سامنے شوال کے چاند کی رویت کی کوئی شہادت نہیں آئی، اس لئے اتوار کے دن تیسواں روزہ رکھا جائے گا۔ کیونکہ رویت نہ ہونے کی صورت میں تیس دن پورے ہونے کے بعد ہی مہینہ کو ختم قرار دیا جاسکتا ہے، دوسرا تراشہ اخبار "المدینہ" (تیس رمضان) کے اداریہ کا ہے، جس کا عنوان ہے "رویت ہی ثبوت ہلال کی بنیاد ہے"۔

اخبار "المدینہ" کے فاضل ایڈیٹر نے اپنے اس ادارتی کالم میں سعودی عرب بلکہ پورے عالم اسلام کی معروف مستند شخصیت "شیخ عبداللہ ابن باز" کے ایک بیان کا ذکر کیا ہے، جس میں بقول فاضل ایڈیٹر شیخ نے واضح اور دوٹوک انداز سے یہ بات کہی

ہے کہ فطری طور پر چاند نظر آنے پر ہی، مکمل بھروسہ کیا جاسکتا ہے اگر چہ رسدگاہوں اور دوسرے آلات سے مدد لینے کی ممانعت نہیں ہے، لیکن ان چیزوں پر اعتماد اور ان کو رویت کا معیار قرار دینا اس طور پر کہ رویت ان مشینی آلات کی شہادت کے بغیر تسلیم ہی نہ کی جائے قطعاً ممنوع ہے۔ (شیخ نے اپنے بیان میں ان حسابات کی روشنی میں چاند کی پیدائش ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ کرنے والوں کے درمیان اکثر واقع ہونے والے اختلاف رائے کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ جس کی وجہ سے ان مصنوعی وسائل پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا) آگے چل کر فاضل ایڈیٹر نے ''شیخ عبداللہ ابن باز'' کے مذکورہ بالا بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے مزید لکھا ہے کہ شیخ کے اس بیان سے یہ بات پوری طرح واضح ہوگئی ہے کہ مملکت سعودیہ میں گذشتہ سالوں کی طرح اس سال بھی رویت کا ثبوت شرعی طور پر ہی ہوا، بہر حال مندرجہ بالا واقعاتی شہادتوں اور شیخ ابن باز کے اسی واضح بیان کے بعد صرف حساب پر اعتماد کرتے ہوئے یہ کہنا کہ سعودی عرب میں رویت ہلال کا مسئلہ تمام تر غیر شرعی اصولوں پر طے ہوتا ہے، اس احتیاط کے خلاف ہے جو ہمارے دین کے اہم تعلیمات میں سے ہے۔ خصوصاً ایک ایسے مسئلے میں جس سے دنیا بھر کے مسلمانوں میں اپنے حج کے بارے میں شک وشبہ پیدا ہوجائے۔

الجواب:

روزہ وافطار کے سلسلہ میں دو حدیثیں بنیادی ہیں: (۱)''صوموا لرویتہٖ وافطروا لرؤیته'' ۔(۲)''الشهر هكذا او هكذا الحديث'' ۔

لیکن رویت ہر ایک جگہ اور ہر ایک کے لئے ممکن نہیں، اسی وجہ سے حضرات فقہاء نے ان احادیث کی روشنی میں روزہ وافطار کی تین صورتیں بیان کی ہیں: (۱) شہادت علی الرؤیۃ ۔(۲) شہادت علی شہادۃ الرؤیۃ ۔(۳) شہادت علی قضاء القاضی ۔پہلی صورت کا تحقق آنجناب کی تحریر کردہ تفصیلات کے مطابق غیر ممکن ہے، لہٰذا دوسری یا تیسری صورت میں سے کسی بھی ایک صورت کے ذریعہ حدود شرعیہ کے اندر مراکش یا سعودیہ عربیہ کی رویت معتبر ہے، لیکن سعودیہ کی رویت کا اعتبار قاطع نزاع اور جامع المسلمین ہے۔اس لئے بہتر یہی ہے کہ ایسر ہی کا اعتبار کیا جائے۔

آنجناب کے ارسال کردہ پمفلیٹ اور مخدوم ومکرم حضرت مولانا ''نعمانی'' صاحب دامت برکاتہم کی تحریر اور مولانا ''عبداللہ عباس ندوی'' صاحب استاذ ''جامعہ ام القریٰ'' کی بیان کردہ تفصیلات کے مطابق حکومت سعودی عرب شرعی ضابطہ کی پابندی کرتی ہے، لہٰذا اگر شرعی ضابطہ کے تحت وہاں کی رویت موصول ہوسکتی ہے تو بالکل اعتبار کیا جائے باقی بے سند افواہوں کی بھی کمی نہیں، لیکن ان کی طرف سے صرف نظر ضروری ہے۔

باب الاعتکاف

حائضہ عورت کے لئے اعتکاف کرنے کا حکم

سوال: حائضہ عورت اعتکاف کرسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب

حائضہ عورت اعتکاف نہیں کرسکتی۔

دلائل

(۱) والحیض لا یحصی من الأحکام کالطهارة والصلاة والقرائة والصوم والاعتکاف والحج والبلوغ. (شامی ج: ۱ ص: ۵۲۱. أشرفیه).

(۲) وأما شروطه: منها الأسلام والعقل والطهارة عن الجنابة والحیض والنفاس. (الفتاویٰ الهندیة ج: ۱ ص: ۲۷۳. زکریا).

(۳) فالحیض من غوامض الأبواب وأعظم المهمات لاحکام کثیرة کالطلاق و العتاق والاستبراء والعدة والنسب وحل الوطء والصلاة والصوم وقراة القران ومسه والاعتکاف ودخول المسجد. (حاشیة الطحطاوی ج: ۱ ص: ۱۳۸. دار الکتاب).

(۴) وکذا فی الفقه الإسلامی وأدلته ج: ۱ ص: ۶۲۴.

تعلیم اور اعتکاف میں ترجیح کس کو دے؟

سوال: رمضان میں بچوں کی تعلیم کا سلسلہ رہتا ہے اگر ان کو چھوڑ دے اور دوسری جگہ جا کر اعتکاف کرے تو کیسا ہے؟ جبکہ بچوں کے پچھلا بھول جانے کا قوی احتمال ہے اور اس کا نفع متعدی ہے۔

الجواب:

تعلیم کا سلسلہ تو سال بھر رہتا ہے اور رمضان جیسا برکتوں والا مہینہ گیارہ ماہ کے بعد صرف ایک بار آتا ہے۔ یہ بچے تو ایک عشرہ کے بعد گرفتار بھی کئے جا سکتے ہیں اور رمضان کو کیسے گرفتار کیجئے گا۔ بچوں کو پچھلے کے بھول جانے کا تو صرف قوی احتمال ہے اور اپنا پچھلا یقینی طور پر بھول چکے ہیں اس پر دھیان کیوں نہیں؟

کھانے کا وقت ہو بھوک بھی لگی ہو پھر دوسرے کو کھانا دیدیں کہ وہ بہتوں کو کھلائے گا۔ یقیناً اس پر نفع متعدی ہے بہت سے انسانوں کے پیٹ میں یہ لقمہ جائے گا یہاں صرف تنہا کھانا اس کا نفع لازم تھا پھر متعدی پر لازم کو کیوں ترجیح دیتے ہیں۔ اور متعدی تو لازم ہی سے نکلتا ہے اگر لازم ناقص ہوا تو تعدیہ بھی ناقص ہوگا۔

معتکف اپنے والدین کی تجہیز و تکفین کے لئے جا سکتا ہے یا نہیں؟

سوال: زید معتکف ہے اس کے والدین کا انتقال ہو گیا وہ تجہیز و تکفین میں شرکت

کے لئے جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

معتکف اپنے والد کے انتقال پر تجہیز و تکفین میں شرکت نہیں کرسکتا ہے:

”وعلٰی هٰذا يفسد لولا عادة مريض او شهود جنازة وان تعينت عليه الا انه لا ياثم كما فی المريض بل يجب كما فی الجمعة“

(شامی: ۱۳۳/۲، کذا فی الفتاویٰ الہندیۃ: ۲۱۲/۱، وبدائع الصنائع: ۱۱۴/۲)(۱)

دلائل:

(۱) شامی ص:۴۴۷ ج:۲. کراچی.

وفی البدائع الصنائع ص:۱۱۴ ج:۲) دار الکتاب العربیه بیروت.

وفی الهندیه ص:۲۷۶/ج:۱. زکریا جدید.

وفی المجمع الأنهر ص:۳۷۹/ج:۱. فقیه الامت

معتکف کا غسل تبرید کے لئے نکلنے کا حکم

سوال: گرمی کے موسم میں معتکف غسل تبرید کے لئے نکل سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

غسل تبرید کے لئے نکلنے سے اعتکاف فاسد ہوجائے گا البتہ مسجد کے صحن کے کنارے غسل کرسکتا ہے جب کہ لوگوں کو پانی گرنے کی وجہ سے پریشانی نہ ہو:

”حرم علیه الخروج إلا لحاجة إلانسان طبیعة کبول وغائط وغسل لو احتلم ولا یمکنه الاغتسال فی المسجد“ (کذا فی النهر، الدر المختار: ۱۳۲/۲) (۱)

”وفی البدائع وان غسل المعتکف رأسه فی المسجد فلا بأس به اذا لم یلوث بالماء المستعمل“ (البحر الرائق: ۳۲۷/۲) (۲)

دلائل:

(۱) شامی ص:۵۰۰. ۵۰۱ ج:۳. اشرفیه.
وفی سکب الأنهر علی هامش مجمع الأنهر ص:۳۷۸ ج:۱) فقیه الامت.

(۲) البحر الرائق ص:۳۰۳ ج:۲. سعید.

اجرت پر معتکف بنانے کا حکم

سوال: بعض جگہوں پر اہل قریہ اپنی مشغولیت کو محفوظ رکھنے کے لئے کرایہ پر کچھ لوگوں کو دوسرے دیہاتوں سے بلا کر معتکف بناتے ہیں کیا اس صورت میں بستی والوں سے اعتکاف کی سنیت مرفوع ہوجائے گی اور وہ سب بری الذمہ ہوجائیں گے یا نہیں؟

الجواب:

دوسری جگہوں سے کرایہ پر معتکف کا لانا درست نہیں (۱) مگر جب کرایہ کے معتکف اعتکاف کرلیں تو اہل محلّہ بری الذمہ ہوجائیں گے۔ قیل سنة علی الکفایة لو ترک فی بلدة لأساؤا (جامع الرموز: ۱۶۴)

ظاہر ہے کہ اس عبارت میں اسائت کا تعلق اہل بلدہ کے ترک اعتکاف کے ساتھ نہیں قرار دیا گیا بلکہ متروک فی البلاد ہوجانے سے اہل بلدہ کو مسیٔ قرار دیا گیا ہے جس سے ظاہر ہے کہ اگر اجنبی آدمی بھی معتکف ہوجائے تو اس صورت میں متروک فی البلاد ہونا ثابت نہیں آتا جس سے یہ لازم آتا ہے کہ اہل بلدۃ سے اعتکاف کی سنیت ساقط ہوجائیگی۔ (فتاویٰ دارالعلوم: ۵۱۲)(۲)

دلائل:

(۱) والأصل أنّ کلّ طاعة یختصّ بها المسلم لا یجوز الاستیجار علیها. (الموسوعة الفقهیة ص: ۲۹۱ ج: ۱) کویت.

لا تصحّ الإجار ة لأجل المعاصی.... ولاجل الطاعات. (شامی ص: ۵۵ ج۶) کراچی.

فتاویٰ دار العلوم دیوبند ص: ۵۱۱.۵۱۲. زکریا بک ڈپو دیوبند قدیم.
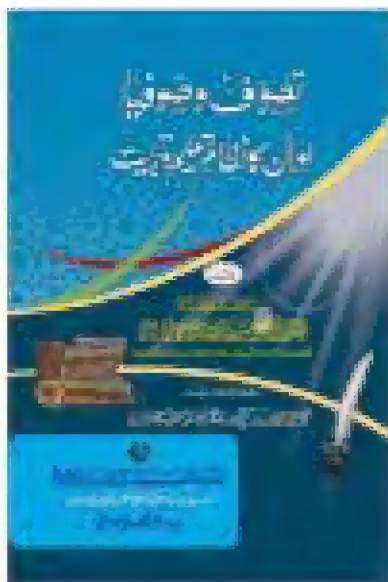
کتاب الحج

احرام کی حالت میں خوشبودار تمبا کو کھانا کیسا ہے؟

سوال: احرام کی حالت میں خوشبودار تمبا کو کھائے تو کیا حکم ہے؟ اور جان بوجھ کر کئی بار کھائے تو کیا حکم ہے؟

الجواب

محرم کو خوشبوداد چیزوں کے استعمال سے پرہیز کرنا چاہئے، چونکہ بعض صورتوں میں دم بھی لازم آجاتا ہے اس طرح خوشبودار تمبا کو سے بھی پرہیز کرنا چاہئے۔ چونکہ خوشبودار تمبا کو کا استعمال احرام کی حالت میں مکروہ ہے۔

دلائل

(۱) الطیب کل شئی له رائحة مستلذة، ویعده العقلاء طیباً. کذا فی السراج. (الفتاویٰ الهندیة ج: ۱ ص: ۳۰۹. زکریا).

(۲) وإن خلطه بما یؤکل بلا طبخ. فإن کان مغلوباً. فلا شیء علیه. غیر إن وجدت الرائحة کره. (الفتاویٰ الهندیة ج: ۱ ص: ۲۴۱. رشیدیه).

حاشیة الشر نبلالی علی درر الحکام شرح غرر الأحکام. ج: ۱ ص: ۲۴۰. قدیم.

لباب المناسک مع شرحه ص: ۳۵۲. بیروت.

المبحث الحادی عشر. جزاء الجنایات. دار الفکر المعاصر.

(۳) أو جبوا الکفارة فیما إذا أکل أو شرب مما کان الطیب فیه غالباً. ولم یفصلوا بین ما إذا أکل أو شرب من ذلک قلیلا أو کثیراً. (منحة الخالق علی البحر الرائق ج:۳ ص: ٦. سعید).

(۴) هکذا فی معلم الحجاج. (سعیدی). ص: ۱۱۴.

(۵) ولکن أصحابنا قالوا: یجب أن یزید فی التقصیر علی قدر الأنملة.... حتی یستیقن باستیفاء قدر الواجب، فیخرج عن العهدة. (بدائع الصنائع ج: ۲ ص: ۳۳۰. حکم الحلق. زکریا).

(٦) فإذا طاف، وسعی، وحلق، یخرج عن الإحرام. (الفتاویٰ الهندیة ج: ۱ ص: ۳۰۱. زکریا).

(۷) إن المحرم لو نوی الرفض، ففعل کالحلال علی ظن خروجه من الإحرام بذلک، لزمه دم واحد لجمیع ما ارتکب لا ستناد الکل إلی قصد واحد. (شامی ج: ۲ ص: ۵۹۲. کراچی).

(۸) وأما الواجبات فمن ترکها شیئًا منها لزمه دم، ویصح الحج بدونه. سواء ترکه عمداً أو سهواً، لکن یأثم العامد. (الفقه الاسلامی وادلته ج:۳ ص: ۲۱۵۸). دار الفکر المعاصر.

کیا عمرہ مردوں اور زندوں دونوں کی طرف سے ادا کیا جاسکتا ہے؟

سوال: عمرہ صرف مردوں کی طرف سے کر سکتے ہیں یا زندوں کی طرف سے بھی؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ زندوں کی طرف سے عمرہ نہیں کر سکتے ہیں، کیا یہ درست ہے؟

الجواب

مردوں کی طرف سے جس طرح عمرہ کیا جاسکتا ہے۔اسی طرح زندوں کی طرف سے بھی کیا جاسکتا ہے۔لیکن چونکہ عمرہ ایک ایسی مستقل عبادت ہے جس میں نیابت چلتی ہے۔اس لئے جس کی طرف سے ادا کیا جارہا ہے وہ اگر زندہ ہوتو اس کی اجازت لے لی جائے۔

دلائل

(۱) والأصل فيه أن الانسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاة أو صوماً أو صدقة أو قرائة قرآن أو ذكراً أو طوافاً أو حجاً أو عمرة أو غير ذلك عند أصحابنا للكتاب والسنة.

(البحر الرائق ج:۳ ص:۵۹. سعيد).

شامي ج:۲ ص:۵۹۵. كراچي.

تبيين الحقائق ج:۲ ص:۸۴. امداديه ملتان.

الفتاویٰ الهندية ج:۱ ص:۳۲۱. زكريا ديوبند.

إرشاد الساری إلی مناسک الملا علی القاری. (ص: ۴۷۵. دار الکتب العلمیة).

(۲) وکما تکون النیابة فی الحج عن الأحیاء، کذالک تکون عن الأموات... والعمرة کالحج فی ذلک. (الفقه علی المذاهب الأربعة ج: ۱ ص: ۵۴۵. سلمان).

(۳) ولا یجوز الحج والعمرة عن حی إلا بإذنه فرضاً أو تطوعاً. لأنها عبادة تدخلها النیابة. فلم تجز عن البالغ العاقل إلا بإذنه کالزکاة. (الفقه الاسلامی وأدلته ج:۳ ص: ۲۱۰۱. دار الفکر المعاصر).

(۴) مستفاد من: ولو أمره بالعمرة، فاعتمر، ثم حج عن نفسه أو أمره بالحج، فحج ثم اعتمر لنفسه جاز. (لباب المناسک مع شرحه. ص: ۴۸۸. دار الکتب العلمیة).

(۵) ففی الحج النفل تجوز النیابة حالة القدرة. لأن باب النفل أوسع. کذا فی السراج الوهاج. (الفتاویٰ الهندیه ج: ۱ ص: ۳۲۱). زکریا دیوبند.

نماز، روزہ کا فدیہ ادا کرنا افضل ہے یا حج بدل کرانا

سوال: زید کے ماں باپ روزہ نماز کے پابند نہ تھے لاپرواہی سے نماز نہ پڑھتے

تھے اللہ جل شانہ نے زید کو مالی وسعت بخشی ہے ان کا ارادہ ہے کہ وہ اپنے
والدین کی طرف سے امسال حج کرادیں، حالانکہ ان کے والدین پر حج
فرض نہ تھا سوال یہ ہے کہ زید کے لئے والدین کے نماز، روزہ کا فدیہ ادا کرنا
والدین کے لئے زیادہ مفید ہوگا یا حج کرنے میں زیادہ ثواب ہوگا۔

الجواب:

قاعدہ عقلیہ بھی ہے اور شرعیہ بھی کہ جلب منفعت پر دفع مضرت مقدم (۱)
ہے اور ظاہر ہے کہ ترک فرائض علی الخصوص ترک صلوٰۃ پر بے حد تشدید وعید بالعذاب
وارد ہے اور قدر مشترک متواتر المعنی ہے لہٰذا اداء فدیہ کے ذریعہ اِنقاذ من العذاب
والدین کے حق میں ازبس مفید وراجح ہے۔

خادم نے اپنی بضاعت کے مطابق کتب فقہ کا کافی تتبع کیا اس کے باوجود
کوئی جزئیہ صراحتاً نہیں مل سکا البتہ فقہ کی مجموعی عبارات سے فدیہ ہی کا ادا کرنا بچند
وجوہ راجح معلوم ہوتا ہے۔

(۱) فدیہ ادا کرنے کے بعد مطالبہ میت سے ساقط ہوجاتا ہے البتہ تاخیر کا
گناہ باقی رہتا ہے بخلاف حج کے کہ اس سے سقوط مطالبہ کی تصریح نہیں ملتی وان لم یوص
وتبرع وصیہ بہ جازالخ) . درمختار مع تنویرالابصار ج۲ ص۱۶۱)(۲)

وقال العلّامة الشامی هذا القول أقول لا مانع من قول المراد
به سقوط المطالبة عن الميت بالصوم فی الآخرة وان بقی علیه اثم

التأخير كما لو كان عليه دين عبد وما طلبه احد حتى مات فاوفاه عند وصيه او غيره الخ) .شامی: ج۲ص ۱۶۱) (۳)

(۲) فدیہ کا ادا کرنا انفع للفقراء بھی ہے بخلاف حج کے کہ وہ فقراء کے لئے نفع بخش نہیں ہے۔

(۳) صلوۃ وصوم متروکہ میں فقہاء کرام فدیہ کو ذکر کرتے ہیں لیکن حج کا ذکر باوجود تتبع کثیر کے کہیں نہیں مل سکا چنانچہ صاحب درمختار لکھتے ہیں واما من افطر عمدًا فوجوبها عليه بالاولى (ای الوصیۃ باعطاء الفدیۃ)(۴) بلکہ وصیت کی صورت میں فدیہ ہی کو لازم قرار دیتے ہیں اور وصیت نہ کرنے کی صورت میں فدیہ کو جائز قرار دیتے ہیں وفدى لزومًا عنه اى عن الميت وليه الذى يتصرف فى ماله كالفطرة قدرا الخ وفى الشامى اى يلزم الولى الفداء عنه من الثلث اذا اوصٰى والا فلا يلزم بل يجوز الخ (درمختار ج۲ص۱۶۱)(۵)

(۴) فدیہ ادا کرنے کی صورت میں حقوق العباد کی ادائیگی ہے اور حج کرنے کی صورت میں حقوق اللہ کی ادائیگی ہے اور حقوق العباد مقدم ہے حقوق اللہ پر۔

(۵) فدیہ بہر حال من جانب میت ہوتا ہے اگر وصیت کی ہو تو لزوماً ورنہ جوازاً چونکہ ورثاء کا دینا گویا کہ میت ہی کا دینا ہے بخلاف حج کے کہ وہ من جانب میت نہیں ہوتا بلکہ اس کا صرف ثواب ہوتا ہے جیسا کہ علامہ شامی نے تصریح کی ہے وأما الحج فمقتضى ما سيأتى فى كتاب الحج عن الفتح أنه يقع عن الفاعل

وللميت الثواب فقط وأمَّا الكفَّارة فقد مرت متنًا (ج۲ص۱۶۳)(۶)

(۶) قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے کہ صوم وصلوۃ کا فدیہ ہی ادا کیا جائے چونکہ حج فرض کے بارے میں تمام فقہاء لکھتے ہیں کہ وہ حج ہی کے ذریعہ ذمہ سے ساقط ہوگا صدقہ وغیرہ سے حج فرض ساقط نہیں ہو سکے گا اسی طرح صلوٰۃ وصوم کا سقوط بھی ذمہ سے صلوۃ وصوم کے ذریعہ ہی ہونا چاہئے تھا مگر حدیث پاک میں ممانعت موجود ہونے کی وجہ سے فدیہ کو اس کا بدل قرار دیا گیا ہے لا يصوم أحد عن احد ولا يصلى احد عن احد (ہدایہ ج ا ص ۲۰۳)(۷) لہٰذا اگر چہ وصیت نہ کی ہو لیکن صوم وصلوٰۃ کا سقوط ذمہ سے فدیہ ہی سے ہو سکے گا حج سے نہیں چونکہ یہی صوم وصلوۃ کا بدل ہے البتہ فدیہ کی ادائیگی کے بعد حج کر لیں اور ثواب والدین کو پہونچا دیں تو یہ نور علی نور ہے حدیث پاک میں اس کی فضیلت موجود ہے۔

اذا حج الرجل عن والدين تقبل منه ومنهما واستبشرت ارواحهما وكتب عند الله برًا) . اخرجه دار قطنى كذا فى الشامى ج۲ ص ۷۳۳) (۸)

دلائل:

(۱) درء المفاسد أولى من جلب المنافع. (قواعد الفقه۸. دار الكتاب.

(۲) الدر المختار مع الشامى ج:۲، ص:۴۲۵. ۴۲۴. كراچى.

(۴) الدر المختار مع الشامى ص:۴۲۴ ج:۲. كراچى.

(۵) وفدی لزوماً عنه الخ. الدر المختار مع الشامی ج:۲، ص:۴۲۴. کراچی.

(٦) شامی ج:۲ ص:۴۲۷. کراچی.

(۷) علی ھامش الترمذی ج: ا، ص:۱۵۲. بلال.

(المؤطا للإمام مالک ص:۱۷۸. ۱۷۷. شرکة القدس. قاھرہ.

(۸) سنن الدار قطنی ج:۳، ص:۲۹۹. رقم الحدیث: ۲۹۰۷.

وکذا فی الشامی ج:۲، ص: ۶۰۰. کراچی.

(۳) شامی ج:۲، ص:۴۲۵. کراچی.

حاجی پر کتنی قربانی واجب ہے؟

سوال: ایک حاجی پر مکہ مکرمہ میں کتنی قربانی واجب ہے بعض حاجی دو قربانی ایک گھر کے مالک ہونے کی حیثیت سے دوسری حج کی کرتے ہیں اس طرح کرنا کیا واجب اور ضروری ہے ایام حج میں ملکیت رہتی ہے یا دوسرے کے ذمہ ہوجاتی ہے۔

الجواب:

ایام حج میں حاجی پر ایک ہی قربانی واجب ہے دوسری اگر کرتا ہے تو ضرور اس کا بھی ثواب ملے گا ومنها الاقامة فلا تجب علی المسافر الخ (عالمگیری

ج۵ص۴۹۴)(۱)اورقربانی جوواجب ہے وہ قران اورتمتع کی صورت میں ہے اور اگر حج افراد ہوتو ایک بھی قربانی واجب نہیں البتہ اگر کردے تو نفل ہوگی۔

دلائل:

(۱) ومنها الإقامة. فلا تجب على المسافر. (الفتاوىٰ الهندية ص:۲۹۳ ج:۵) رشيدية.

فلا تجب على حاج مسافرٍ فأما أهل مكة فتلزمهم وإن حجوا، وقيل لا تلزمهم المحرم. (الدر المختار مع الشامی ص:۳۵۱ ج:٦) كراچی.

وذكر فی الأصل وقال: ولا تجب الأضحية على الحاج وأراد بالحج المسافر. فأما أهل مكة فتجب عليهم الأضحية. (بدائع الصنائع ص:۱۹۵ ج:۴) زكريا.

إنما لا تجب على المسافر لأن إرادها مختص بأسباب تشق على المسافر وتفوت بمضى الوقت. (البحر الرائق ص:۱۷۳ ج:۸. كتاب الأضحية سعيد).

تبيين الحقائق ص:۳/ج:٦. امداديه ملتان.

هدايه ص:۴۴۳/ج:۳. ماذن. ديوبند.

ولكن المفرد لاذَبْحَ عليه فيجب عليه الترتيب بين الرمى والحلق. فقط. (شامی ص:۵۸۸ ج:۳) زكريا.

بلامحرم حج کرنے سے فریضہ حج ادا ہو جائے گا؟

سوال: زید نے اپنی والدہ والد صاحبان کے لئے حج کا فارم بھرا اور روپیہ وغیرہ جمع کر دیا کچھ دنوں کے بعد قرعہ اندازی میں بفضل خدا نمبر بھی آ گیا زید اپنے والد والدہ کو لے کر بمبئی جہاز پر سوار کرنے کے لئے گیا تو وہاں پتہ چلا کہ آپ کی والدہ صاحبہ کا فوٹو اور پاسپورٹ لکھنو سے نہیں آیا ہے صرف تمہارے والد کا آیا ہے تو زید اپنے والد صاحب کو جہاز پر سوار کر کے اپنی والدہ صاحبہ کو ساتھ لے کر واپس چلا آیا اور پھر آنے کے بعد فوراً زید لکھنو کے لئے روانہ ہو گیا اور ساتھ میں قرعہ اندازی کا کارڈ بھی لے کر گیا اور حج کمیٹی سے بات کیا تو حج کمیٹی نے ہم سے دوبارہ فارم بھروایا اور کہا کہ میں اس کے بارے میں بمبئی مغل لائن کو لکھ رہا ہوں اور دوبارہ آپ کو اطلاع کروں گا اور زید کئی بار لکھنو خود جا چکا نہ تو زبانی ہی حج کمیٹی لکھنؤ نے بات کی اور نہ آج دو ماہ سے زیادہ ہوا آج تک بذریعہ ڈاک ہم کو اطلاع دی اور پھر آخر میں زید لکھنؤ گیا تو حج کمیٹی نے کہا کہ اس میں محرم اور غیر محرم کی بات ہے تو زید نے کہا کہ ہمارے والد تو گئے ہیں وہاں جا کر انہیں کے پاس رہیں گی تو انہوں نے صاف انکار کر دیا تو اب گھر میں زید کی والدہ وہاں جانے کے لئے بے قرار ہیں اب ہمیں تو کوئی صورت نظر نہیں آ رہی ہے بتلایئے کہ اس میں زید

کی والدہ کو کچھ ثواب ملے گا یا نہیں۔

الجواب:

والدہ کا تنہا سفر شرعا درست نہیں (١) ویسے اگر بلا محرم چلی گئیں تو فریضہ حج ادا ہو جائے گا مگر ساتھ ہی بلا محرم سفر کا گناہ بھی ہوگا (٢) اور نہ جانے کی صورت میں انشاء اللہ اس ارادہ خیر کا ثواب ملے گا۔

دلائل:

(١) عن ابن عمر رضی الله عنه قال عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: لاتسافر المرء ة ثلاثاً: إلا ومعها ذو محرم. (سنن أبی داؤد ص: ٢٤٢ ج: ١، کتاب المناسک، بلال).

(٢) وزوج أو محرم للمرء ة فإن کان بینها وبین مکة مسافة سفرٍ. ولا تحج بلا أحدهما. (ملتقی الأبحر ص: ٢٠٩ ج: ١. مؤسسة الرسالة).

ومع زوج أو محرمٍ ولو عبیداً أو ذمیاً.... بالغ. (الدر المختار مع الشامی ص: ٤٦٤ ج: ٢. کراچی).

مجمع الأنهر ص: ٣٨٧/ج: ١. فقیه الامت.

أن یکون معها زوجها أو محرم لها. فإن لم یوجد أحدهما لا یجب علیهما الحج. (بدائع الصنائع ص: ٣٠٠ ج: ٢) زکریا.

فإن حجت جاز مع الكراهة. (سكب الأنهر ص: ٣٨٦ ج: ١)

فقيه الامت.

دیور کے ساتھ حج کرنا

سوال: مسماۃ سیدہ بیگم اپنے دیور کے ساتھ حج میں جانا چاہتی ہیں ان کا یہ سفر دیور کے ساتھ درست ہے یا نہیں؟ جب کہ دیور کی بیوی اور اس کے بچے بھی اس کے ساتھ ہیں حاصل یہ کہ مسماۃ سیدہ بیگم کا سفر تنہا دیور کے ساتھ نہیں ہے لہٰذا اس صورت میں شریعت کا کیا حکم ہے۔

الجواب:

ومع وجود زوج أو محرم للمرأة ان كان بينها وبين مكة مسافة سفر ولا تحج المرأة بلا احدهما اى الزوج او المحرم الا عند الشافعى ومالک تحج مع النساء الثقات لحصول الا من بالموافقة ولنا قوله عليه الصلوٰة والسلام لا تحجن امرأة الا ومعها محرم ولان بدون المحرم يخاف عليها الفتنة الخ (مجمع الانهر مع ملتقى الابحر ج ١ ص ٢٦٢)(١) وهكذا فى كتاب الفقه على المذاهب الاربعة (ج ١ ص ٦٣٣) (٢)

اور اگر چلی گئی تو مع الکراہت جائز ہے۔

فــان حــجــت جــاز مـع الـكـراهة الخ سكـب الانهـر (ج ا ص ۲۶۴) (۳)

دلائل:

(۱) مجمع الأنهر ص:۳۸۷ ج: ا. فقيه الامت ديوبند.

(۲) ووجـود زوج أو محرم للمرءة، ولا فرق بين أن تكون المرءة شابة أو عـجوزاً إذا كان بينهما وبين مكة ثلاثة أيامٍ فأكثر، وأمـا إذا كـانـت الـمسـافة أقـل من ذلكـ. فيجب عليها أداء الـحـج وإن لـم يـكـن مـعهـا مـحـرم ولا زوج. (الـفقـه على المذاهب الأربعة ص:۶۳۳ ج: ا. دار إحياء التراث).

بدائع الصنائع ص:۳۰۰/ج:۲. زكريا.

الدر المختار مع الشامی ص:۴۶۴/ج:۲. كراچی.

البحر الرائق ص:۳۱۵/ج:۲. سعيد.

فتاویٰ قاضی خان ص:۲۵۱/ج:ا. دار الكتب العلمية.

نيل الأوطار ص:۳۲۵/ج:۴.

المنهل العذب المورود ص:۲۶۷/ج:۱۰. قديم.

بذل المجهود ص:۱۴/ج:۷. مركز الشيخ.

(۳) (سکب الأنهر مع الجمع ص: ۳۸٦/ج: ۱) فقیه الامت.

طواف کی حالت میں بیت اللہ کو دیکھنے کا حکم

سوال: بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے عامۃً طواف کرنے والے بیت اللہ کو دیکھتے رہتے ہیں نیز دائیں بائیں آگے پیچھے بھی بلاضرورت دیکھتے ہیں اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:

طواف کرتے وقت نگاہ نیچی رکھنی چاہئے بیت اللہ کو طواف کی حالت میں دیکھنا یا دائیں بائیں بلاضرورت شدیدہ دیکھنا خلافِ ادب ہے۔طواف کرنے والوں کو اس کا خیال رکھنا چاہئے ۔طواف کی حالت میں جمعیتِ قلب اور استحضارِ رب مطلوب ہے لہٰذا ہر ایسے عمل سے پرہیز کرنا چاہئے جو مخلِ جمعیتِ قلب ہو۔وینبغی ان لا یجاوز بصره محل مشیه کالمصلی ولا یجاوز بصره محل سجوده لانه الادب الذی یحصل به اجتماع القلب (غنیۃ)(۱)

دلائل:

(۱) غنیة الناسک فی بغیة المناسک: ص: ۱۲۲. قدیم. أحسن الفتاویٰ ص: ۵۴۸/ج: ۴. زکریا.

رکنِ یمانی کو بوسہ دینا

سوال: ایک شخص حج کرنے گیا تو طواف کے درمیان رکنِ یمانی کو بوسہ دیا، روکنے پر کہنے لگا بہت سے لوگوں کو بوسہ دیتے دیکھا ہے تو کیا رکنِ یمانی کو بوسہ دینا چاہئے؟

الجواب:

بوسہ صرف حجر اسود کا ثابت ہے رکنِ یمانی کی تقبیل حضور اکرم ﷺ سے ثابت نہیں اس وجہ سے حضرات فقہاء نے بھی اس سے منع کیا ہے، رکن یمانی پر طواف کرتا ہوا جب پہنچے اور ہجوم نہ ہو تو صرف دونوں ہاتھ اس پر رکھ کر پھیرے یا صرف داہنا ہاتھ پھیرے اس کے بعد ہاتھوں کو بوسہ بھی نہ دے (۱) اور نہ طواف کے درمیان رکنِ یمانی پر پہنچ کر ہاتھوں کو اٹھا کر اشارہ کرے جس طرح حجر اسود پر کیا جاتا ہے، بہت سے لوگ لاعلمی کی وجہ سے دیکھا دیکھی عمل کرتے ہیں جس کی وجہ سے بجائے ماجور ہونے کے مازور ہوتے ہیں اس لئے ہر وہ شخص جو حج کا ارادہ رکھتا ہو اس کو چاہئے کہ حج کے لئے جانے سے قبل ہفتہ عشرہ کسی ایسے عالم کے پاس رہ کر جس کو فقہ وفتویٰ سے مناسبت ہو اور تجربہ کار بھی ہو حج کے مسائل سیکھ لے۔

دلائل:

(۱) واستسلام الركن اليماني كلما مربه حسن وتحته في

المجمع: من غير تقبيل وعن محمد إنه سنة فيقبل مثل الحجر الأسود. والسراحية: إنه لا يقبله في أصح الأقاويل. (مجمع الأنهر ص:۴۰۳ ج:۱. فقيه الأمة ديوبند).

ويستسلم الركن اليماني وهو حسن في ظاهر الرواية كذا في الكافي وإن تركه لايَضُرُّ. (الفتاوىٰ الهندية ص:۲۲۶ ج:۱. رشيدية).

(۳) وأما الركن اليماني مستحب أن يستسلمه ولا يقبله. (البحر الرائق ص:۳۳۰ ج:۲ سعيد).

(۴) ويختم طوافه باستسلام الركن اليماني من غير تقبيل. (الدر المنتقى على هامش المجمع ص:۴۰۳ ج:۱. فقيه الأمة).

حرم میں عورتوں کی نماز کا حکم

سوال: اکثر عورتیں حرمین شریفین پہنچ کر حرم پاک میں نماز پڑھنے پر اصرار کرتی ہیں روکنے پر کہتی ہیں کہ ایک لاکھ سے ہمیں کیوں محروم کرتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ عورتوں کے لئے حرم میں نماز پڑھنا افضل ہے یا اپنے مستقر پر؟

الجواب:

حرم پاک بھی مساجد کی طرح ایک مسجد ہے البتہ فضیلت کے اعتبار سے حرم

پاک اعلیٰ وارفع ہے لیکن عورتیں اپنے وطن میں رہتے ہوئے مقامی مسجدوں میں نماز کیوں نہیں ادا کرتیں؟ عورتوں کے لئے افضل یہی ہے کہ مکہ مکرمہ میں بھی اپنے مستقر پر تنہا نماز ادا کریں، (۱) حرم پاک میں نماز پڑھنے پر مرد کو ایک لاکھ کا اجر ملتا ہے (۲) عورتوں کو نہیں بلکہ ہجوم میں پہنچ کر مزید گنہگار ہوتی ہیں، اس لئے ان کو حرم میں نماز پڑھنے پر اصرار نہیں کرنا چاہئے۔

دلائل:

(۱) عن عبيد الله عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: صلاة المرءة في بيتها أفضل من صلاتها في حجرتها. وصلاتها في مخدعها أفضل من صلاتها في بيتها. (سنن أبي داؤد ص: ۸۴ ج: ۱) بلال.

(۲) قال سلمان بن عتيق سمعت ابن الزبير على المنبر يقول.... صلاة في المسجد الحرام أفضل من مأة صلاة في ما سواه من المساجد قال الحميدی: قال سفيان: في رواية: أن الصلاة في المسجد الحرام أفضل من مأة ألف صلاةٍ إلا مسجد الرسول فإنما فضله عليه بمأة صلاة. (مسند الحميدی ص: ۱۷۹ رقم الحديث: ۹۷۰).

بدائع الصنائع ص: ۳۸۸/ ج: ۱. زكريا.

شامی ص: ۳۰۷/ ج: ۲. زكريا.

طواف کرتے ہوئے قرآن کریم کی تلاوت کا حکم

سوال: طواف کرتے وقت بہت سے لوگ قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں بعض لوگ حافظ ہوتے ہیں وہ زبانی تلاوت کرتے ہیں اور جو لوگ حافظ نہیں ہوتے وہ قرآن کریم ہاتھ میں لے کر تلاوت کرتے ہیں، اب سوال یہ ہے کہ طواف کرتے وقت تلاوت کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:

طواف کرتے وقت قرآنِ کریم کی تلاوت سے فقہاء نے منع کیا ہے (۱) اس لئے جو لوگ زبانی یا قرآن دیکھ کر تلاوت کرتے ہیں وہ غلط کرتے ہیں اس کے بجائے جو دعائیں زبانی یاد ہوں ان کو پڑھنا چاہئے ورنہ تسبیحات میں مشغول رہنا چاہئے۔

دلائل:

(۱) وصون النظر عن كل ما يشغله وينبغي أن لا يجاوز بصره محل مشيه كالمصلي ولا يجاوز بصره محل سجوده لأنه الادب الذی يحصل به اجتماع القلب. (غنية الناسک فی بغية المناسک ص: ۱۲۲). قديم.

(۲) احسن الفتاویٰ ص: ۵۴۸/ج: ۴. زکريا.

حج بدل کا حکم

سوال: ایک صاحب کے والد بزرگوار رحلت فرما گئے ہیں جب کہ حج ان پر فرض تھا، اب سوال یہ ہے کہ مرحوم کے فرزند اپنے والد صاحب کی طرف سے کسی مناسب آدمی کو حج بدل پر بھیجنا چاہتے ہیں، جن صاحب کو وہ بھیجنا چاہتے ہیں وہ حافظِ قرآن ہیں اور ایک مسجد میں پیش امام کی حیثیت سے امامت بھی کرتے ہیں لیکن صاحبِ استطاعت نہیں ہیں اور کبھی حج بھی نہیں کیا ہے، کیا یہ حج بدل میں جا سکتے ہیں عموماً یہ کہا جاتا ہے کہ کسی حاجی کو ہی بھیجنا بہتر ہے۔

الجواب:

بہتر وافضل تو یہی ہے کہ حج بدل کے لئے کسی حاجی کو ہی بھیجا جائے تاہم اگر غیر حاجی کو بھیج دیا تو آمر کے ذمہ سے فرضیت ساقط ہو جائے گی۔ یہ دوسری بات ہے کہ رویت بیت اللہ کی وجہ سے اس پر بھی حج فرض ہو جائے گا۔ اس مسئلہ میں اگر چہ جماعتِ فقہاء کا اختلاف ہے کہ دوبارہ جب کہ وسعت نہیں ہے اپنے حج فرض کے لئے جائے یا نہیں، تو ایسا شخص حج بدل کے لئے جائے یا نہیں، اگر چہ ایک قول یہ بھی ہے کہ جانا ضروری نہیں، مفتی محمد شفیع صاحب علیہ الرحمہ کا میلان بھی اسی طرف ہے پھر بھی احتیاط کا مقتضا یہی ہے کہ غیر حاجی کے بجائے حاجی ہی کو بھیجا جائے۔ **لأنـه فی هـذا لعـام لا يـمـلـكه الحج عن نفسه لانه سفره عن الآمر فيحرم عن**

الآمر وليحج عنه وفي تكليفه بالاقامة بمكة الى قابل ليحج عن نفسه ويترك عياله ببلده حرج عظيم وكذا في تكليفه بالعود وهو فقير حرج عظيم (ایضاًاھ شامی ج۲ص۲۴۱)(۱)

(نوٹ): حج بدل کے تقریباً بیس شرائط ہیں کچھ آمر سے متعلق ہیں کچھ مامور سے اس لئے جن کو بھیجنا ہو کسی عالم سے پوچھ کر وہ شرائط ان کو بتلا دیں ویسے معلم الحجاج مصنفہ مفتی سعید احمد صاحب علیہ الرحمہ مفتی مظاہر العلوم سہارنپور اور جواہر الفقہ (۲) ج ا مصنفہ مفتی محمد شفیع صاحبؒ مفتی اعظم پاکستان میں وہ سب شرائط تفصیل کے ساتھ درج ہیں، یہ دونوں کتابیں اردو زبان میں ہیں کہیں سے حاصل کرلیں۔

دلائل:

(۱) شامی ص: ۲۴۲. ۲۴۱. ج: ۲. نعمانيه.

(۲) جواهر الفقه ص: ۵۰۲/ ج: ۴. زكريا.

البحر الرائق ص: ۵۹/ ج: ۳. سعيد.

تبيين الحقائق ص: ۸۳/ ج: ۲. امداديه ملتان.

اپنے نام کے ساتھ الحاج لکھنا کیسا ہے؟

سوال: بہت سے لوگ حج کے بعد اپنے نام کے ساتھ الحاج لکھتے ہیں اور اپنے کو حاجی صاحب کہلاتے ہیں، کیا یہ صحیح ہے یا غلط؟

الجواب:

فرائض میں اظہار مطلوب ہے اور نوافل میں اخفاء مستحسن ہے، (۱) اگر دوسروں کی ترغیب کے لئے ہو، تاکہ حج کا شوق پیدا ہو، کوئی اپنے حج کا اظہار کرے تو مذموم نہیں۔(۲)

دلائل:

(۱) ولأن الإخفاء فيها أى فى صدقة التطوع أفضل من الإظهار، وكذلك سائر العبادات الإخفاء أفضل فى تطوعها لانتفاء الرياء عنه وليس كذلك الواجبات، قال الحسن: إظهار الزكاة أحسن. (الجامع لأحكام القرآن للقرطبى ص: ٣٣٢ ج: ٢. دار إحياء التراث العربى).

(۲) فإن الواجب من الفرائض فقال جمع الجميع على أن الفضل فى إعلانه وإظهاره سوى ما كان من زكاة واجبةً. (تفسير الطبرى ص: ٨٨١ ج: ٢. دار الحديث القاهرة).

(۳) إبداء الفرض لغيره أفضل لنفى التهمة وكذا الإظهار أفضل لمن يقتدى به وأمس نفسه. (تفسير روح المعانى ص: ٤٢ ج: ٣. زكريا).

رمی جمار میں نیابت کا مسئلہ

سوال: جب تینوں شیطانوں کو کنکری ماری جاتی ہے، اگر شوہر اپنی بیوی کی طرف سے شیطان کو کنکری مارنا چاہے اگر بیوی بیمار پڑ جائے، جیسے لولگ جائے، تو طریقہ کیا ہے؟ پہلے ایک شیطان کو اپنی طرف سے مارے پھر بیوی کی طرف سے، اس طرح دوسرے شیطان کو اپنی طرف سے پھر بیوی کی طرف سے وغیرہ؟ یا سب شیطان کو اپنی طرف سے مار کر نکلنا پڑے گا اور دوبارہ جا کر شروع سے بیوی کی طرف سے مارنا پڑے گا۔

الجواب:

حج میں رمی جمار (کنکری مارنا) ہر مرد وعورت پر واجب ہے لہٰذا اگر بیوی ایسی بیمار ہو جائے کہ وہ سوار ہو کر جمرات تک نہ جاسکے، یا سواری یا کوئی اٹھا کر وہاں تک لے جانے والا نہ ملے تو ایسی صورت میں اس کی رمی ہوگئی، اس پر کوئی شی واجب نہیں، شامی میں ہے **لو ترک شیئا من الواجبات بعذر لا شیء علیه علی ما فی البدائع**۔ (شامی ج۲ص۲۰۰)(۱) البتہ اگر شوہر ساتھ میں ہے اس کے باوجود وہاں تک پہونچنا دشوار ہے تو اس صورت میں شوہر اپنی بیوی کی طرف سے رمی جمار کر سکتا ہے۔ (مستفاد معلم الحجاج ص۲۱۰)

اس کا طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے اپنی طرف سے تمام شیطانوں کو کنکری

مارے پھر اس کے بعد اپنی بیوی کی طرف سے۔

دلائل:

(۱) شامی ص: ۲۰۰ ج: ۲. نعمانیه باب الجنایات.

عن ابراهیم قال: یحمل المریض إلى الجمار فإن استطاع أن یرمی فلیزم. وإن لم یستطع فلیوضع الحصی فی کفه ثم یرمی بها من کفه. (المصنف لابن شیبة ص: ۶۳۶ ج: ۸) المجلس العلمی.

ولا یجوز النیابة فیه عند القدرة. (غنیة الناسک فی بغیة المناسک ص: ۱۰۰ قدیم).

مزدلفہ میں نماز مغرب وعشاء کے بعد وتر کا مسئلہ

سوال: مزدلفہ میں مغرب کی تین رکعت کے بعد دو رکعت عشاء قصر پڑھ کر کیا کرنا چاہئے؟ مغرب کی دو سنت اور پھر عشاء کی تین وتر؟ عشاء کی دو سنت اور مغرب کی دو نفل پڑھنا ہے یا نہیں؟ مغرب تین رکعت فرض، عشاء دو رکعت قصر، مغرب دو سنت، تین وتر؟

الجواب:

مزدلفہ کے اندر مغرب کی تین رکعت فرض اور عشاء کی دو رکعت فرض کے

درمیان سنن ونوافل پڑھنا از روئے شرع جائز ودرست نہیں ہے جیسا کہ ہدایہ اول ۲۲۷ میں ہے اور مغرب وعشاء کی سنت اور وتر عشاء کے بعد پڑھے۔

ویصلی الامام بالناس المغرب والعشاء ولا یتطوع بینهما الخ

(۱) البتہ ان دونوں نمازوں کے بعد واجب وسنت وغیرہ پڑھنا شرعاً جائز درست ہے، وقال فی شرح اللباب ویصلی سنة المغرب والعشاء والوتر بعدها الخ

(شامی ج۳ ص۱۷۶) (۲)

دلائل:

(۱) ویصلی الإمام بالناس المغرب والعشاء ولا یتطوع بینهما.
(هدایه ص:۲۴۷ ج: ۱. اشرفی بک ڈپو دیوبند).

(۲) قال فی شرح اللباب ویصلی سنة المغرب والعشاء والوتر بعدها. (شامی ص:۱۷۶ ج:۲. نعمانیه مطلب الدفع من عرفات).

الفتاوىٰ التاتارخانیه ص:۵۱۷/ج:۳. زکریا.

ویصلی المغرب والعشاء.... وأن لا تطوع بینها ولو سنة مؤکدةً علی الصحیح فإنه مکروه. (مجمع الأنهر ص:۴۱۰ ج: ۱) فقیه الامت.

کتاب النکاح

سوال: فون پر نکاح کے جواز وعدم جواز کے بارہ میں برائے مہربانی جواب سے آگاہ فرمائیں۔

الجواب

فون کے ذریعہ براہ راست نکاح درست نہیں ہے کیونکہ نکاح کے چند شرائط ہیں جن میں اتحاد المجلس بھی ایک ہے۔یعنی عاقدین یا وکیل عاقدین کی مجلس کا ایک ہونا البتہ اس کی جائز شکل یہ بن سکتی ہے کہ کوئی ایک عاقد اپنا وکیل دوسرے عاقد یا ان کے وکیل کے پاس بھیج دے اور وہ وکیل نکاح کا انعقاد کردے۔

صاحب فتاویٰ خیریہ نے فون کے ذریعہ نکاح کے اعتبار کا فتویٰ دیا ہے بشرطیکہ آواز جانی پہچانی ہو اور ایجاب وقبول دو گواہ سن رہے ہو۔

دلائل

ومن شرائط الإيجاب والقبول: اتحاد المجلس. (الدر المختار مع الشامی ج:۳ ص:۱۴ . کراچی).

وأما الذی یرجع إلی مکان العقد فهو اتحاد المجلس إذا کان العاقدان حاضرین وهو أن یکون الایجاب والقبول فی

مجلس واحدٍ حتی لو اختلف المجلس لا ینعقد النکاح.
(بدائع الصنائع ج:۳ ص:۴۹۰. زکریا دیوبند).
شرائط الإیجاب والقبول فمنها اتحاد المجلس إذا کان الشخصان حاضرین فلو اختلف المجلس لم ینعقد. (البحر الرائق ج:۳ ص:۸۳. سعید کراچی).
هکذا: فی النهر الفائق ج:۱ ص:۱۷۸. زکریا دیوبند.
کل عقد جاز أن یعمده الإنسان بنفسه جاز أن یؤکل به غیره.
(هدایه ج:۳ ص:۱۷۷. اشرفی دیوبند).
ولو صرح بالتوکیل فقال وکلتک بأن تزوجنی نفسک منی فقالت زوجت صح النکاح. (شامی ج:۳ ص:۱۰. کراچی).
ویصح النکاح بالوکالة والرسالة و الکتابة لأنه عقد ینعقد بالرضا والإنابة. (الفتاویٰ التاتارخانیة ج:۴ ص:۱۲۶. زکریا دیوبند).

نکاح پڑھاتے وقت لڑکی سے اجازت لینا ضروری ہے یا نہیں؟

سوال : ایک مسئلہ زیرِ بحث ہے وہ یہ کہ ایک صاحب کے یہاں شادی تھی اس میں تبلیغی جماعت کے امیر مولانا محمد مستقیم صاحب بھی مدعو تھے اور نکاح بھی

مولانا موصوف نے ہی پڑھایا نکاح کے وقت گھر والوں نے کہا کہ مولانا تشریف لے چلیں اورلڑکی سے اجازت لے کر نکاح پڑھادیں مولانا نے کہا کہ اجازت لینا ضروری نہیں ہے اس لئے کہ ایک سال سے شادی طے تھی اورلڑکی جانتی تھی اگر اسے اعتراض ہوتا تو کسی نہ کسی طرح سے گھر والوں تک بات پہونچتی کہ لڑکی راضی نہیں ہے لیکن جب آج تک اس طرح کی بات نہیں سنی گئی تو لڑکی کو راضی سمجھا جائے اور اجازت کی کوئی ضرورت نہیں ہے یہ کہہ کر مولانا نے نکاح پڑھادیا واضح رہے کہ لڑکی بالغہ تھی اس نکاح پر بڑی چہ میگوئیاں ہورہی ہیں۔

الجواب:

اصل مسئلہ تو یہی ہے کہ نکاح کے وقت عورت کی اجازت ورضاء معلوم کی جائے الا یہ کہ والد مہر کی مقدار اور نام کی تصریح کے ساتھ عقد نکاح سے قبل اجازت لے چکا ہوتو پھر عقد نکاح کے وقت دوبارہ اجازت کی ضرورت نہیں ورنہ عقد نکاح کے وقت مہر اور نام کی تصریح کے ساتھ اجازت لینی ضروری ہے محض بات چیت کا چلنا رضاء کی دلیل نہیں۔ **فان استأمرها الاب قبل النکاح فقال ازوجک ولم یذکر المهر ولا الزوج فسکتت لا یکون سکوتها رضاءً ولها ان ترد بعد ذالک الخ** (عالمگیری ج ا ص ۲۸۸)(۱)

بہرحال صورت مسئولہ میں نکاح موقوف ہے اگر عورت اجازت دے دے صراحۃً رضا کا اظہار کردے یا ایسے افعال صادر ہوں جو رضاء پر دلالت کرتے ہیں

مثلاً نکاح کے بعد رخصت ہوکر چلی گئی یا نکاح کی خبر سن کر انکار نہیں کیا تو نکاح صحیح ہوجائے گا اور اگر انکار کردے تو نکاح ختم ہوجائے گا پھر اس کی رضاء سے جہاں چاہے نکاح کردیا جائے۔

ولا يجوز نكاح احد على بالغة صحيحة العقل من اب او سلطان بغير اذنها بكرا كانت او ثيبًا فان فعل ذالك فالنكاح موقوف على اجازتها فان اجازته جاز وان ردته بطل كذا فى السراج الوهاج ولو ضحكت البكر عند الاستئمارا وبعد ما بلغها الخبر فهو رضا هكذا ذكر القدورى وشيخ الاسلام كذا فى المحيط عالمگيرى (ج ا ص۲۸۷) (۲)

دلائل:

(۱) هدايه ص: ۳۵۴ ج: ۱. زكريا جديد.

(۲) هنديه ص: ۳۵۳ ج: ۱. زكريا جديد.

وفى الشامى ص: ۱۵۵ /ج: ۴. اشرفيه.

وفى البحر الرائق ص: ۱۱۰ /ج: ۳. ايچ ايم سعيد.

جماعت اسلامی والوں کے یہاں رشتہ کا حکم

سوال: جماعت اسلامی خیال کے لوگوں کے یہاں شادی بیاہ رشتہ داری کرنا درست ہے یا نہیں؟ ان لوگوں کا جن لوگوں کا عقیدہ دیوبندی یا تبلیغی جماعت

سے ہے۔

الجواب:

نکاح اسلام کی نظر میں ایک معاہدہ ہے ایک طرف سے اطاعت اور خدمت کا اور دوسری طرف سے حفاظت و کفالت کا اور دونوں طرف سے محبت اور امانت اور رفاقت کا اور اس معاہدہ کے صحیح ہونے کے لئے ایمان بہرحال ضروری ہے اس کے بعد دیانت وطہارت، صلاح وتقویٰ، اخوت ومحبت ہے اور یہ سب دین اسلام کے ثمرات میں سے ہیں اور ان سب کا حاصل دائمی طریقہ پر نباہ کا ہونا اور تعلقات وروابط کا ٹھیک رہنا ہے لہٰذا جہاں کہیں رشتہ داری کرنی ہو وہاں ان امور کو ضرور ملحوظ رکھنا چاہئے، اختلاف مسلک کی صورت میں عام طور پر نباہ نہیں ہو پاتا۔(۱)

دلائل:

(۱) وفی النهر، تجوز مناكحة المعتزلة. الخ. الدر المختار ص: ۲۸۹ ج: ۲. مكتبه نعمانيه.

وأما المعتزلة فمقتضى الوجه حل مناكحتهم لأنّه الحق عدم تكفير أهل القبلة كما قدمنا نقله عن الائمة فی باب الإمامة. البحر الرائق ص: ۱۰۳ ج: ۳. سعيد كراچی.

فتاویٰ محمودیه ص: ۴۵۸/ج: ۱۱. مكتبه شيخ الاسلام.

تجدیدِ نکاح کس کو کہتے ہیں؟

سوال: (الف) تجدید نکاح کس کو کہتے ہیں واضح فرمائیں مثلاً زید نے خالد کی لڑکی سے شادی کیا زید اوراس کی بیوی کے درمیان آپس میں ان بن (بگاڑ) ہوگئی یا چھوٹی چھوٹی غلطیاں صادر ہوگئیں (سوائے کلماتِ کفریہ کے) ایا زید اوراس کی بیوی کیا کریں؟ لوگ کہتے ہیں کہ تجدیدِ نکاح کرلو دو گواہوں کے سامنے بغیر مہر متعین کئے ۔ چنانچہ انہوں نے مولوی صاحب سے تجدید نکاح کروالیا اور پہلا نکاح اپنی جگہ پر شریعت کے مطابق صحیح ہے اس کے باوجود ایسا کیا گیا ایا زید کا ایسا کرنا صحیح ہے یا غلط؟

الجواب:

(۱) علامہ شامی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ عوام تو عوام خواص کی زبان سے بھی کبھی کلمہ کفریہ (۱) نکل جاتا ہے۔اور نکاح ٹوٹ جاتا ہےاور ایمان سے خارج ہو جاتا ہے لیکن کم علمی کی وجہ سے آدمی سمجھ نہیں پاتا اس لئے کم از کم مہینہ میں ایک بار تجدید نکاح وایمان کرلینا چاہئے یہ حکم وجوبی نہیں ہے۔اگر کسی کو قطعی طور پر کلمہ کفریہ کے نکلنے پر یقین نہ ہوتو اس کے لئے تجدید نکاح (دوبارہ نکاح) ضروری نہیں (البتہ اگر گناہ ہوگیا ہے تو توبہ واستغفار کرے) لیکن پھر بھی کوئی اگر گواہوں کے سامنے دوبارہ نکاح کرے تو کوئی قباحت نہیں۔

دلائل:

(۱) ولعمری هذا من اهم المهمات فی هذا الزمان لأنک تسمع کثیراً من العوام یتکلمون بما یکفر وهم عنها غافلون والاحتیاط أن یجدد الجاهل ایمانه کل یوم ویجدد نکاح امرأته عند شاهدین فی کل شهر مرة أو مرّتین (مقدمه شامی: ص: ۱۲۶ ج: ۱) دار الکتاب العلمیة.

مجمع الأنهر ج: ۲ ص: ۵۰۱. فقیه الامة دیوبند.

وفی الفتاویٰ البزازیه ص: ۳/ ۱۷۹. زکریا جدید.

مسلم کا نکاح عیسائی سے جائز ہے یا نہیں؟

سوال: ایک مسلم کا نکاح کسی عیسائی لڑکی سے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

مسلمان لڑکے کی شادی عیسائی لڑکی سے اس زمانے میں بہتر نہیں مکروہ ہے بشرطیکہ غیر حربیہ ہو اور دارالحرب (کفرستان) میں مکروہ تحریمی ہے اگرچہ فی نفسہٖ عیسائی لڑکی سے نکاح جائز ہے بشرطیکہ اصلاً کتابی ہو اسلام چھوڑ کر عیسائیت نہ اختیار کیا ہو اور اپنے مذہب کے اصول اور نبی وکتب سماویہ کو مانتی ہو لا مذہب دہریہ سائنس پرست نہ ہو، وصح نکاح کتابیة وان کره تنزیها مؤمنة بنبی مرسل مقرة بکتاب

منزل وان اعتقدوا المسیح الهًا الخ (درمختار ج۲ص۲۸۹باب المحرمات)(۱)

لیکن اس زمانے میں جو نصاریٰ کہلاتے ہیں وہ اکثر قومی حیثیت سے نصاریٰ ہیں مذہبی حیثیت سے محض دہریہ وسائنس پرست ہیں ایسوں کے لئے یہ حکم جوازِ نکاح کا نہیں ہے جیسا کہ حضرت تھانوی قدس سرہ نے امداد الفتاوی ج۲ص۲۲۶ میں اور دیگر علماء محققین نے اس کی تصریح کی ہے اسی وجہ سے ابن ہمامؒ صاحبِ فتح القدیر فرماتے ہیں جیسا کہ علامہ شامیؒ نے بھی نقل کیا ہے کہ اولیٰ یہی ہے غیر دارالحرب میں عیسائی لڑکیوں سے نکاح نہ کرے اور دارالحرب میں تو بالاجماع مکروہ تحریمی ہے اور ہمارے زمانہ میں جبکہ ہر اعتبار سے ان میں فساد بڑھ گیا ہے اس حکم میں مزید شدت پیدا ہو جائے گی اس لئے ان سے شادی کرنے میں احتیاط واحتراز سے کام لے۔

ففی الفتح ویجوز تزوج الکتابیات والاولٰی ان لا یفعل ولا یأکل ذبیحتهم الا للضرورة وتکره الکتابیة الحربیة اجماعًا لافتتاح باب الفتنة الخ قال العلامة الشامی فقوله الاولٰی ان لا یفعل یفید الکراهة التنزیهیة فی غیر الحربیة وما بعد یفید کراهة التحریم فی الحربیة تامل اه (شامی ج۲ ص ۲۸۹) (۲)

دلائل:

(۱) وصح نکاح کتابیة الخ. (در مختار ج: ۱، ص: ۱۸۹. مکتبه دار الکتاب دیوبند.

(۲) ویجوز تزوج الکتابیات والاولی ان لا یفعل الخ. (در مختار

مع الشامی ص: ۲۸۹ ج: ۲. مکتبه نعمانیه دیوبند.

وحل تزوج الکتابیة لقوله تعالیٰ: والمحصنات من الذین أوتوا الکتاب أی العفائف عن الزنا.... (البحر الرائق ص:۱۰۳ ج:۳. سعید کراچی).

ثم کل من یعتقد دیناً سماویاً له کتاب منزل کصحف ابراهیم و شیث وزبور داؤد علیهم السلام فهو من أهل الکتاب فتجوز مناکحتهم وأکل ذبائحهم. (تبیین الحقائق ج: ۲، ص: ۱۱۰. امدادیه ملتان پاکستان).

هدایه ج: ۲، ص: ۳۱۰. مکتبه تهانوی دیوبند.

کیا بغیر بیوی کی اجازت کے دوسری شادی شوہر کرسکتا ہے؟

سوال: ایک آدمی کی شادی ہو چکی ہے اور اس کی بیوی بیمار رہتی ہے اس وجہ سے وہ دوسری شادی کی فکر میں ہے تو کیا بغیر بیوی کی اجازت کے شوہر دوسری شادی کرسکتا ہے؟

الجواب:

ایک مسلمان کے لئے ایک سے زائد شادی جائز اور مباح ہی نہیں بلکہ سنت (۱) ہے اس زمانہ میں چونکہ عام طور پر ایک سے زائد شادی کو غلط سمجھا جاتا ہے اس

لئے کوئی اس نیت سے شادی کرے تا کہ اس غلط رواج کا خاتمہ اور سنت زندہ ہوتو انشاء اللہ احیاء سنت کا ثواب ملے گا۔لیکن دوسری شادی کے وقت اس کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ دونوں بیویوں کے درمیان عدل رکھ سکے گا یا نہیں؟ نیز دونوں کا نفقہ ادا کرسکتا ہے یا نہیں؟ اگر قیام عدل کے ساتھ نفقہ وغیرہ کی ادائیگی پر قادر ہوتا ہم ازراہ تعلق بیوی سے مشورہ کر لینا مذموم نہیں گو مشورہ یہی دے گی کہ ایسی حرکت نہ کریں لیکن اس وقت اس کے مشورہ کے خلاف پر عمل کرنا اجر سے خالی نہیں **لقول عمرؓ شاور وهن ولكن خالفوهن فان فی مخالفتهن البركة۔(۲)**

دلائل:

(۱) قال الله تبارک وتعالیٰ: (فانكحوا ماطاب لكم من النساء مثنى وثلث وربع). (سورة النساء) جزء آیت:۳.

قال وهب الأسدی قال: اسلمت وعندی ثمان نسوة، وقال: فذكرت ذلك للنبی صلى الله عليه وسلم فقال: اختر منهن أربعاً. (سنن أبی داؤد: ج: ۱، ص: ۳۱۱). مکتبه بلال دیوبند.

وللحر أن یتزوج اربعاً من الحرائر والإماء. (هدایه ج:۲، ص: ۳۱۱. اشرفی بک ڈپو دیوبند).

(۲) كشف الخفا ومزيل الالباس، ص:۶، ج:۲. رقم: ۱۵۲۹، مكتبة علم الحديث.

بنایه ج:۴، ص؛۵۵۴. دار الفكر.

البحر الرائق ج:۳/ ص:۱۰۵.

سوال: دعوت ولیمہ میں کیا شرط ہے؟ بعض آدمی لڑکے کی بارات کی واپسی کے دن لڑکی کی بارات منگا لیتے ہیں اور نیت یہ بھی رکھتے ہیں کہ دعوت ولیمہ بھی ہو جائے گا کیا دعوت ولیمہ میں عورت سے صحبت شرط ہے؟ یا کیا بعض آدمی صبح کو بارات واپس لا کر شام ہی کو دعوت ولیمہ کرتے ہیں یہ درست ہے؟

الجواب:

ولیمہ کے لئے رات میں صحبت ضروری ہے، ولیمہ اسی کھانے کو کہتے ہیں جو شب زفاف کے بعد کھلایا جائے، اگر شب زفاف منائے بغیر کھلایا تو ولیمہ مسنون نہیں کہلائے گا۔(۱)

دلائل:

(۱) المنقول من فعل النبی. صلی الله علیه وسلم. انّها بعد الدخول کأنّه یشیر إلی قصّة زینب بنت جحش.... وحدیث أنس فی هذا الباب صریح فی أنّها: أی الولیمة بعد الدخول. (اعلاء السنن ص:۱۰. ۱۱ ج:۱۱) ادارة القرآن کراچی. قیل انّها تکون بعد الدخول وقیل عند العقد وقیل عندهما "الخ". (مرقاة المفاتیح ص:۲۵۰ ج:۶) باب الولیمة. کتب

خانه اشاعت الإسلام دهلی.

وفی الهنديه ص:۳۹۷/ج:۵. كتاب الكراهة باب الهدايا والضيافات. زكريا جديد.

وكذا في بذل المجهود ص:۲۱/ج:۸. باب قلة المهر بيان حكم الولية. مركز الشيخ ابی الحسن الندوی.

مہر فاطمی کی مقدار

سوال: زید نے ہندہ کو طلاق دیا اور مہر فاطمی ہے۔ مہر فاطمی کی شریعت میں کتنی مقدار ہے؟

الجواب:

مہر فاطمی کی مقدار ایک سو اکتیس ۱۳۱ تولہ ۳/ ماشہ چاندی ہے۔(۱)

دلائل:

(۱) جواهر الفقه ص:۱۶۴/ج:۳. زكريا جديد.

ذكره صاحب المواهب ولفظه: أن النبی صلى الله عليه وسلم: قال لعلی: إن الله أمرنی أن أزوجک فاطمة على أربع مأة مثقال فضة: والجمع: أن عشرة دراهم سبعة مثاقيل مع عدم اعتبار الكسود.... إن هذا المبلغ قيمة درعٍ علی. رضی الله تعالیٰ عنه. حيث رفعها إليها مهراً معجلاً. (تحفة الأحوذی شرح جامع الترمذی ص:۳۱۰ ج:۳. بيروت).

باب الکفاء ت

مسئلہ کفائت

سوال: ہندوستانی مسلمانوں کے درمیان باہم ازدواجی رشتہ قائم کرنے کے لئے ذات برادری کی تقسیم کا لحاظ کئے بغیر حسب ذیل باتیں کفو کی بنیاد بنائی جائیں۔

(۱) عقائدودین داری۔ (۲) تعلیم۔ (۳) سماجی حیثیت ومعاشرت۔

(۴) اقتصادیات۔ (۵) عمروشباہت۔

کیا مسلمانوں کے مختلف فرقوں کے درمیان مذکورہ بالا برابری کی بنیاد پر رشتہ ازدواج کے عام رواج سے مرکزی اسلامی اخوت ومساوات اور تنظیم کوتقویت نہ ملے گی؟

الجواب:

شریعت مطہرہ کے اندر کفو کا خاص لحاظ رکھا گیا ہے چنانچہ بہت سی رایتیں ہیں جس میں کفائت کے اعتبار کی طرف توجہ دلائی گئی ہے حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ حضورﷺ نے فرمایا کہ خبردار عورتوں کی شادی اولیاء کے علاوہ کوئی نہ کرے اور غیر کفو میں نہ ہو **وفی حدیث جابرؓ أن النبی ﷺ قال(۱) لا یزوج النساء الا الاولیاء ولا یزوجن الا من الاکفاء مبسوط** (سرخسی ج۵ ص۲۳ فتح القدیر ج۳ ص۱۸۵) اسی طرح حضرت امام محمد علیہ الرحمۃ کی کتاب الاثار میں حضرت عمرؓ کا

ایک اثر منقول ہے انہوں نے فرمایا کہ حسب والی عورتوں کو اس بات سے ضرور روکوں گا کہ وہ غیر کفو میں شادی نہ کریں ما روی محمد فی کتاب الأثار عن ابی حنیفةؒ عن رجل عن عمر بن الخطابؓ قال لا منعن فروج ذوات الاحساب الا من الاکفاء ومن ذالک ما رواه الحاکم وصححه من حدیث علی انه علیه الصلٰوة والسلام قال له یا علی ثلاث لا تؤخرها الصلٰوة اذا آنت والجنازة اذا حضرت والایّم اذا وجدت لها کفوًا الخ (فتح القدیر (۳) ج ۳ ص ۱۸۵) حضرت علیؓ سے حضور ﷺ نے فرمایا کہ اے علی تین چیزیں ایسی ہیں کہ اس میں تاخیر مت کرو۔ (۱) نماز جب اس کا وقت آجائے۔ (۲) اور جنازہ جب حاضر ہوجائے۔ (۳) اور بغیر شوہر والی عورت جب کفو مل جائے غرضیکہ کفائت کا اعتبار ہے اور کوئی بھی اس کا منکر نہیں ہے اسی وجہ سے علامہ شوکانی نے نیل الاوطار میں اس کو جمہور کا قول قرار دیا ہے واعتبر الکفائة فی النسب الجمهور الخ (ج ۶ ص ۲۶۲) (۳) آگے یہ بات رہ جاتی ہے کہ کفائت کا اعتبار کن کن چیزوں میں ہے تو اس میں ائمہ کرام کے مختلف اقوال ہیں۔

(۱) امام مالک علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ کفائت کا اعتبار صرف دین میں ہے۔

(۲) دوسرا قول یہ ہے کہ دین، حریت، سلامتی عن العیوب میں اعتبار ہے۔

(۳) امام احمدؒ اور امام شافعی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ کفائت کا اعتبار صرف اسلام میں ہے مگر امام احمد کا دوسرا قول یہ ہے کہ نسب میں بھی اس کا اعتبار ہے اسی طرح امام شافعیؒ کا دوسرا قول یہ ہے کہ مال اور سلامتی عن العیوب میں بھی اس کا اعتبار

کیا جائے گا ھکذا علی ھامش کنز الدقائق ص ۱۰۳ ناقلًا عن العینی وفتح القدیر

(۴) علامہ خطابی نے یہ لکھا ہے کہ کفائت کا اعتبار اکثر علماء کے نزدیک چار چیزوں میں ہے۔(۱) دین۔(۲) حریت۔(۳) نسب۔(۴) صناعۃ قال الخطابی ان الکفائۃ معتبرۃ فی قول اکثر العلماء باربعۃ اشیاء الدین والحریۃ والنسب والصناعۃ الخ (نیل الاوطار للشوکانی (۵) ج ا ص ۲۶۳)

(۵) احناف کے نزدیک کفائت کا اعتبار چھ چیزوں میں ہے: (۱) نسب۔(۲) حریت۔(۳) اسلام۔(۴) دیانت۔(۵) مال۔(۶) حرفت۔ کذا فی کنز الدقائق والکفائۃ تعتبر نسبًا وحریۃً واسلامًا ودیانۃً ومالًا وحرفۃً الخ ص ۱۰۲ وھکذا فی بدائع الصنائع (ج۲(۶)ص ۳۱۸) وہکذا فی البحر الرائق (ج ۳ ص ۱۳۰) وہکذا فی المبسوط للسرخسی (ج ۵ ص ۲۳) فقہ حنفی کی جتنی کتابیں ھیں ان سب میں نسب کا ذکر ہے اور تمام فقہاء احناف نے کفائت فی النسب کو تسلیم کیا ہے اور احادیث سے اس کو ثابت کیا ہے علامہ شوکانی نے بھی کفائت فی النسب کا تذکرہ کیا ہے اور احادیث سے اس کو ثابت کیا ہے اور اس کو جمہور کی طرف منسوب کیا ہے واعتبروا الکفائۃ فی النسب الجمھور الخ (نیل الاوطار ج ۶ ص ۲۶۲) صاحب بدائع رقم طراز ہیں واما الثالث فی بیان ما تعتبر فیه الکفائۃ اشیاء منھا النسب والاصل فیه قول النبی ﷺ قریش بعضھم اکفاء لبعض

الــــخ (بدائع الصنائع ج ۲ ص ۳۱۸) کفائت فی النسب کا اعتبار بمقتضاء نکاح نہیں بلکہ بضرورت رفع فساد ہے اس کا اعتبار نہ کرنے کی صورت میں فساد دور نہیں ہوگا بلکہ مزید اضافہ ہوگا اس لئے کہ حضور علیہ السلام ارشاد فرما چکے ہیں میری امت میں دو باتیں کفر کی رہیں گی ایک نسب میں طعنہ دینا اور دوسرے حسب میں فخر کرنا عین الھدایہ ج ۲ ص ۴۸ اور یہ دونوں باتیں اس دور میں علی وجہ الاتم موجود ہیں بلکہ روز افزوں ہیں اس لئے کہ قلوب سے عموماً تقویٰ وخشیت نکل چکا ہے ایسی حالت میں نسب (برادری) کو کفائت سے خارج کرنا فتنہ وفساد کو مزید فروغ دینا ہے اور معاشرہ کی متحد فضاء کو افتراق سے بدل کر مسموم کرنا ہے غرضیکہ نسب کا اعتبار اسی وجہ سے ہے تاکہ فتنہ وفساد کا دروازہ مسدود رہے اور اتحاد قائم رہے اس لئے کہ نسب میں عموماً تفاخر ہوتا ہے چنانچہ صاحب ہدایہ اور صاحب بحر الرائق نے کفائت فی النسب کے اعتبار کی وجہ تفاخر ہی بیان کی ہے **ثم الکفائة تعتبر فی النسب لانه یقع به التفاخر الخ** (ہدایہ مع فتح القدیر (۷) ج ۳ ص ۱۸۸ وھکذا فی بحر الرائق (۸) ج ۳ ص ۱۳۰) **لان ھـــذه الاشیاء یقع بھا التفاخر فیما بینھم فلا بد من اعتبارھا الخ** نکاح کا جو مقصد ہے (توالد تناسل الفت محبت وابستگی دلداری وغیرہ) اسی صورت میں حاصل ہوسکتا ہے جب کہ کفائت کا اعتبار کیا جائے اور ہر چیز میں خصوصا نسب میں مساوات ہو اس لئے کہ عورت فراش بنتی ہے اور کوئی شریف عورت یہ گوارہ نہیں کرسکتی کہ وہ کسی کمینہ یا رذیل یا نیچی نسب والے کی فراش بنے اگر شوہر علم میں دولت میں قدرے کم ہو

تو وہ برداشت کرسکتی ہے مگر کسی نیچی ذات والے کو برداشت نہیں کرسکتی اور خصوصا اس زمانہ میں تو یہ اظہر من الشمس ہے کہ اپنی ذلت محسوس کرتی ہے اور اپنے کو ذلیل کرنا حرام ہے۔قال النبی ﷺ لیس للمؤمن ان یذل نفسه اس لئے کفائت سے نسب کونہیں نکالا جاسکتا۔

وهذه لأن النكاح ينعقد للعمر ويشتمل عل اغراض ومقاصد من الصحة والالفة والعشرة وتاسيس القرابات وذالک لا يتم الا بين الاكفاء وفى اصل الملک على المرأة نوع ذلة واليه اشار رسول الله ﷺ فقال النكاح رق فلينظر احدكم اين يضع كريمته واذلال النفس حرام قال ﷺ ليس للمؤمن ان يذل نفسه الخ وفى افتراش من لا يكافئها زيادة ذلة فلهذا اعتبرت الكفائة الخ (المبسوط للسرخسی ج۵ ص۲۳ وهكذا فی الهدايه ج۳ ص۱۸۷ وفتح القدير (۹) ج۳ ص۱۸۷)

دلائل:

(۱) عن جابر أنّ النبی صلى الله عليه وسلم. قال لا يزوّج النساء إلّا الأولياء "إلى اخره" (فتح القدير ص:۱۸۵ ج:۳) دار إحياء التراث العربی. (وكذا فی البنايه ص:۲۱۷ ج:۴) دار الفكر بيروت.

(۲) ماروى محمد فی كتاب الآثار "الخ" (فتح القدير ص:۱۸۵ ج:۳) دار إحياء التراث العربی.

عن علیّ عند الترمذی أنّ النبی. صلی الله علیه وسلم قال له ثلاث لا تؤخّر الصلاة إذا أتت والجنازة إذا حضرت والأیمّ إذا وجدت لها کفواً.... واعتبر الکفاء ة فی النسب الجمهورُ. (نیل (۳) الأوطار ص:۱۴۴ ج:۶) شرکة القدس (وفی الفتح القدیر ص:۱۸۵ ج:۳).

(۴) وقال مالک وسفیان لا تعتبر إلّا فی الدین. (علی هامش کنز الدقائق ص:۱۰۱) کتب خانه رشیدیه.

(۵) نیل الأوطار ص:۱۴۵ ج:۶ شرکة القدس.

(۶) (کنز الدقائق ص:۲۰۲) رشیدیه (وکذا فی البدائع الصنائع ص:۶۲۲ ج:۲) زکریا. (وکذا فی البحر الرائق ص:۱۳۰ ج:۳) سعید.

(۷) (هدایه مع فتح القدیر ص:۱۸۸ ج:۳) دار إحیاء التراث العربی.

(۸) (البحر الرائق ص:۱۳۰ ج:۳) سعید.

(۹) فتح القدیر ج:۳ ص:۱۸۷. دار إحیاء التراث العربی.

باب المحرمات

بڑے بھائی کا، چھوٹے بھائی کی بیوی سے بات کرنے کا حکم

سوال: بکر، زید اور محمد تین بھائی اپنے کنبہ کے ساتھ ایک جگہ پر رہتے ہیں بکر سب سے بڑا بھائی ہے اگر گھریلو ضرورت زید، محمد کی بیوی سے معلوم کرے تو وہ بول سکتی ہے یا نہیں؟ اگر ہمیشہ بات کرے تو کیا شرعی پابندی ہے؟

الجواب:

بات کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں بشرطیکہ شہوت کا اندیشہ نہ ہو، البتہ پردہ ضروری ہے۔(۱)

دلائل:

(۱) یجوز الکلام المباح مع إمرأة أجنبیّة. (شامی کتاب الحظر والاباحة، فصل فی النظر واللمس ج۶ ص ۳۶۹). کراچی.
فاذًا نجیز الکلام مع النساء للأجانب ومجاورتهنّ عند الحاجة إلی ذلک ولا نجیز لهنّ رفع أصواتهن ولا تمطیطها ولا تلیینها وتقطیعها لما فی ذلک من استمالة الرجال إلیهنّ و تحریک الشهوات منهم. (شامی: باب شروط الصلاة، مطلب فی ستر العورة ج ۱ ص ۴۰۶). کراچی.
وکذا فی منحة الخالق علی هامش البحر الرائق: کتاب

الصلاة ج ا ص ٢٧٠) سعيد

أن رسـول الـلـه ﷺ قـال إيّـاكم والدخول على النساء فقال رجـل مـن الأنـصـار يـا رسـول الله افرايت الحمو قال الحمو الموت. الحديث: قال الليث بن سعد الحمو أخو الزوج وما أشبـه مـن أقـارب الـزوج ابـن الـعـم ونحوه. وتحته فى شرح النووى: الـحـمو الموت فمعناه أنّ الخوف منه أكثر من غيره والشـر يتوقّع منه والفتنة أكثر لتمكّنه من الوصول إلى المرأة فـى الـخـلـوة من غير أن ينكر عليه بخلاف الأجنبيّ. (مسلم شريف مع شرح النووى ج٢ ص٢١٦) ياسر نديم ديوبند

قـال رسـول الـلـه ﷺ إيّـاكـم والدخول على النساء أى غير الـمـحـرمـات على طريق التخلية أو على وجه التكشف الخ. (مـرقاة المفاتيح: بـاب النظر إلى المخطوبة، فصل اول ج٦ ص١٩٦) إشاعت الاسلام دهلى

تـمـنـع الـمـرأة الشابّة من كشف الوجه بين الرجال لا لأنّه عورة بـل لـخـوف الفتنة. وتحته فى الشاميّة والمعنى تمنع من الكشف لخوف أن يرى الرجال وجهها فتقع الفتنة، لأنّه مع الكشف قد يقع النظر إليها بشهوة. (شامى: باب شروط الصلاة ج ا ص٤٠٦)

کتاب الطلاق

مکرہ کی طلاق واقع ہوتی ہے یا نہیں؟

سوال: ایک شخص نے نکاح کیا اور کچھ دنوں بعد اس سے یا اس کے گھر والوں سے کچھ کھٹ پٹ ہوگئی اور سسرال والوں نے زبردستی اس سے طلاق لینا چاہا اور مخالفین نے اس سے کہا کہ اگر تم طلاق نہیں دو گے تو تمہارا ابھی گلا دبا کر مار ڈالیں گے تو اس صورت میں اس نے اپنی جان جانے کے خوف سے طلاق دے دیا لیکن اس کا طلاق دینے کا بالکل ارادہ نہیں تھا آیا اس صورت میں طلاق پڑی یا نہیں۔

یا کھٹ پٹ وغیرہ کچھ نہیں تھی ایسے ہی اچانک دشمنوں نے گھیر لیا اور اس سے زبردستی گلا دبا کر طلاق لینا چاہا اور کہا طلاق دو نہیں تو ابھی تمہاری جان لے لیں گے اس نے شدت خوف کی وجہ سے زبردستی طلاق دے دیا اس صورت میں طلاق واقع ہوگی یا نہیں ان دونوں صورتوں میں اگر طلاق واقع ہو جائے گی تو کیوں؟

الجواب:

صورت مسئولہ میں جن حالات کا تذکرہ ہے اس کو حضرات فقہاء اکراہ سے تعبیر کرتے ہیں اور مکرہ کی طلاق کو فقہاء نے واقع قرار دیا ہے چنانچہ درمختار میں ہے

(۱)ویقع طلاق کل زوج بالغ عاقل ولو عبدًا او مکرها فان طلاقه صحیح لا اقراره الخ (ج ۲ص ۴۲۱وکذا فی ملتقی الابحر(۲)ج ا ص ۳۸۴)اور صاحب مجمع الانہر(۳) نے لکھا ہے کہ جب کوئی شخص اکراہ کررہا ہے اوراس وقت مکرہ طلاق دیتا ہے تو گویا کہ یہ حقیقت کے خلاف اپنی زبان سے طلاق کا جملہ نکال رہا ہے لہٰذا یہ مخطی اور ہازل کے درجہ میں ہوگیا اور مخطی اور ہازل کی طلاق معتبر ہے لقول النبی ﷺ ثلاث جدهن جد وهزلهن جد النکاح والطلاق والعتاق کذا فی مجمع الانهر (ج ا ص ۳۸۴)

اور حضرت اقدس شیخ الہند فرمایا کرتے تھے کہ مکرہ بھی فی الحقیقت مختار ہے یہ ریکارڈ کی طرح نہیں ہے کہ جوں ہی اس پر کیل رکھی گئی فوراً اس سے آواز نکلنے لگتی ہے مکرہ تو حالت اکراہ میں بھی مختار ہوتا ہے اس لئے کہ جب کوئی اکراہ کرتا ہے تو اس وقت اس کو اختیار ہوتا ہے کہ چاہے اپنی جان دے دے یا طلاق دے دے مکرہ حدیث پاک کی روشنی میں من ابتلی ببلیتین فلیختر اهونهما.

طلاق کو اہون سمجھتے ہوئے اس کو اختیار کرتا ہے اور طلاق دے دیتا ہے کذا فی تنظیم الاشتات (۴) اور یہی بات قدرے تفاوت کے ساتھ صاحب ہدایہ نے بھی بیان فرمائی ہے (ہدایہ(۵) ج ۲ص ۳۳۸)وهذا لانه عرف الشیئین واختار اهونهما وهذا آیة القصد والاختیار الا انه غیر راض بحکم وذالک غیر مخل به کالهازل الخ.

دلائل:

عـن أبی هریرة رضـی الـلـه عنه أن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: ثـلاث جـد هن جد وهزلهن جد النكاح والطلاق والرجعة. (أبوداؤد ص:۲۹۸ ج: ۱ كتاب الطلاق).

(۱) الدر المختار مع الشامی: ص: ۴۲۱. ج: ۲. کراچی.
مـن ابتلی ببلیتین یختار أهونهما. (العرف الشذی ص:۱۶۷ ج: ۱) مع المتن مکتبه بلال.

(۲) ویـقـع طـلاق كل زوجٍ عاقلٍ بالغٍ ولو مكرهاً. (ملتقی الأبحر ص: ۲۶۲ ج: ۱ مؤسسة الرسالة).

(۳) قـولـه "ولـو مكرهاً" فإن طلاقه صحيح لا إقراره بالطلاق لأن الإقـرار خبـر مـحتـمـل لـلصدق والكذب، وقيام آلة الإكراه عـلـى. رأسـه يـرجـح جـانب الكذب وكذا اللاعب والهازل بـالـطـلاق لـقـولـه عليه الصلاة والسـلام. ثـلاث جدهن جد وهـزلهـن جد النكاح والطلاق والعتاق.(مجمع الأنهر ص:۸ ج: ۲. فقيه الأمة).

(۴) تنظيم الأشتات ص: ۲۰۰ ج: ۲. قديم.)

(۵) هدايه ص: ۳۵۸ / ج: ۲. اشرفی بک ڈپو دیوبند.

سوال : میرے سسرال کے لوگ مجھ سے زبردستی طلاق لینا چاہتے ہیں چنانچہ میرا ان کے یہاں جانا ہوا ان لوگوں نے کاغذ پر زبردستی طلاق لکھوانا چاہا میں نے انکار کیا مگر ان لوگوں نے مجھ کو مجبور کیا اور دھمکی دی حاصل یہ کہ میں اپنی جان بچانے کے خوف سے میں نے یہ تحریر لکھ دی کہ ایک بار طلاق دے رہا ہوں مگر زبان سے نہیں کہا اس صورت میں شریعت مطہرہ کیا فرماتی ہے میری بیوی پر طلاق واقع ہوگئی کہ نہیں۔

الجواب

جب تک شوہر اپنی زبان سے طلاق نہ دے، اکراہ کی صورت میں صرف لکھانے سے یا طلاق نامہ پر دستخط کرا لینے سے طلاق واقع نہیں ہوتی، جیسا کہ شامی (۱) وغیرہ دوسری کتابوں میں موجود ہے **ولو اکرہ علی کتابتہٖ او علی الاقرار بہ لا تقع الخ** (سکب الانہر (۲) ج ۱ ص ۳۸۴ وہکذا فی مجمع الانہر ج ۱ ص ۳۸۴ وہکذا فی الفتاوی الہندیہ (۳) ج ۱ ص ۳۷۹ وہکذا فی کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ج ۴ ص ۲۸۴) (۴)

دلائل:

ویشترط ان یکون إلا کراہ علی التلفظ بالطلاق فاذا اکرھہ

على كتابة الطلاق فكتبه فانه لا يقع به الطلاق الخ.
وفى البحر أن المراد الإكراه على التلفظ بالطلاق فلو أكره على أن يكتب طلاق امرأته فكتب لا تطلق لأن الكتابة أقيمت مقام العبارة باعتبار الحاجة ولا حاجة هنا. (شامى ص: ۲۳۶ ج: ۳) كراچى.

(۲) ولو أكره على كتابته أو على الإقرار به لا يقع. (سكب الأنهر مع مجمع الأنهر ص: ۸ ج: ۲. فقيه الأمت).

(۳) رجل أكره بالضرب والحبس على أن يكتب طلاق امرأته فلانه بنت فلان بن فلان فكتب إمرأته فلانه بنت فلان بن فلان طالق لا تطلق امرأته. (الفتاوىٰ الهندية ص: ۳۴۶ ج: ۱. زكريا).

(۴) ويشترط أن يكون الإكراه على التلفظ بالطلاق فإذا أكرهه على كتابة الطلاق فكتبه لا يقع به الطلاق. (الفقه على المذاهب الأربعة ص: ۲۵۸ ج: ۴). بيروت.

طلاق کے باب میں بیوی کی بات بلاشہادت معتبر نہیں

سوال: ہندہ اوراس کی دختر میں کسی بات پر تکرار ہوئی اوراس نے اپنے شوہر زید سے شکایت کی کہ تمہارے ساتھ اب لڑکے بھی مجھ سے لڑنے لگے آپس میں خوب

تکرار ہوئی اور زید نے فیصلہ صبح پر مؤخر کردیا صبح ہندہ نے اپنے شوہر زید سے اصرار کیا کہ اپنے قول کے موافق فیصلہ کرو شوہر نے اسے طلاق دے دیا اور وہ اپنا کپڑا وغیرہ لے کر میکہ چلی آئی اور وہاں بتایا کہ میرے شوہر نے مجھ کو تین طلاق دے دیا ہے بعد میں شوہر یہ کہتا ہے کہ میں نے ایک طلاق دی اور اس پر وہ حلف اٹھانے کو تیار ہے اس کی تصدیق اس کے لڑکے جو مذکورہ بالا لڑائی میں والدہ کے فریق تھے کرتے ہیں لڑکے عادل نہیں ہیں اور زوجہ حلفیہ کہتی ہے کہ مجھ کو تین طلاق دیا ہے اور میں نے کانوں سے سنا ہے اور اب میرا جانا حرام کاری ہے لیکن زوجہ کو اور اس کے باپ کو لوگ شوہر کے پاس جانے کے لئے راضی کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کیا ہندہ کو اپنے شوہر زید کے پاس (باوجود اس حلفیہ بیان کے کہ مجھے شوہر نے تین طلاق دیا ہے جسے میں نے خود سنا ہے) بغیر حلالہ کے جانا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:

جب بیوی تین طلاق کا دعویٰ کر رہی ہے اور شوہر منکر ہے اور بیوی کے پاس بینہ موجود نہیں ہے تو ایسی صورت میں بیوی کے قول کا اعتبار نہیں ہوگا **وشرط لغیر ذالک رجلان او رجل وامرأتان مالا کان او غیر مال کالنکاح والرضاع والطلاق الخ** (ملتقی (۱) الابحر ج۲ ص۱۸۸ و ہکذا فی الدر (۲) المختار ج۴ ص۳۷۲) نیز شوہر کے پاس جو شاہدین ہیں وہ بھی غیر معتبر اور غیر قابل قبول ہیں اس

لئے کہ وہ غیر عادل ہیں جیسا کہ سوال میں تصریح ہے اور اس باب میں عدالت شرط ہے وشرط للکل الحریة والاسلام والعدالة الخ (ملتقی (۳) الابحر ج ۲ ص ۱۸۸) اب بغیر شہادت کے شوہر کا قول معتبر ہوگا لہٰذا شوہر کے لئے جائز ہے کہ اگر عدت نہ گذری ہو تو اپنی بیوی کو اپنے گھر لے آوے اور رجعت کر لے اور اگر عدت گذر چکی ہو تو تجدید نکاح کی ضرورت پڑے گی واذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية او تطليقتين فله ان يراجعها فی عدتها رضيت بذالک او لم ترض الخ (هدايه باب الرجعة ج۲ ص ۳۷۴ وهكذا فی فتاوی دار (۵) العلوم فليراجع ثمه ان شئت ج۹ ص ۱۹۳) (۴)

(۱) (ملتقی الأبحر ص: ۸۴ ج: ۲) مؤسسة الرسالة.

(۲) ونصابها لغيرها من الحقوق سواء كان الحق مالاً أو غيره كنكاحٍ وطلاق ووكالة وصيةٍ واستهلاک صبی ولو للإرث رجلان أو رجل وامرأتان. (الدر المختار ص: ۹۱ ج: ۲. اشرفيه كتاب الشهادت متن).

(۳) وشرط للكل الحرية والإسلام والعدالة الخ. (ملتقى الأبحر ص: ۸۴ ج: ۲. مؤسسة الرسالة).

(۴) وإذا طلق الرجل.... أو لم ترض. (هداية ص: ۳۹۴ ج: ۲، ياسر نديم ديوبند).

(۵) فتاویٰ دار العلوم ديوبند ص: ۱۳۶/ ج: ۱۰.

شوہر کے اقرار طلاق سے طلاق واقع ہو جائے گی

سوال : زید کا نکاح ہندہ سے ہوا عقد نکاح کے بعد متعدد بار زید کی منکوحہ ہندہ زید کے گھر گئی برضاء ورغبت ہندہ اپنے میکے آئی پھر زید تین بار اپنی منکوحہ کے پاس آیا اس آمد ورفت میں کوئی بات زید کی جانب سے ناگواری ناراضگی کی نہیں ظاہر ہوئی آٹھ ماہ سے زید نہ منکوحہ کے پاس آیا نہ رخصتی کرا کے لے گیا نہ اس کا نان ونفقہ دیا آٹھ دس ماہ بعد بعض آدمیوں سے خبر ملی کہ زید نے ہندہ کو طلاق دے دی ہے ایسی حالت میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟
نان ونفقہ مہر عدت وغیرہ کے بارے میں کیا احکامات ہوں گے۔ کیا زید پر شرعی ذمہ داری نہیں ہے کہ بیوی یا اس کے والدین کو طلاق کی اطلاع دے نان ونفقہ کتنے دنوں کا واجب ہے عدت کا خرچ اور مہر کی ادائیگی اس کے ذمہ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:

بعض آدمیوں کے ذریعہ جو خبر ملی ہے کہ زید نے ہندہ کو طلاق دے دیا ہے اگر زید کو اس کا اعتراف ہو اور وہ اقرار کرتا ہو کہ میں نے طلاق دیا ہے تو ہندہ پر طلاق واقع ہو جائے گی اور اگر وہ انکار کرتا ہو تو پھر شاہدین کی ضرورت پڑے گی جو اس کے طلاق دینے پر شہادت پیش کریں۔ اگر شہادت سے اس کا طلاق دینا ثابت ہو جائے تو پھر زید کے انکار کا اعتبار نہیں اور اگر شہادت فراہم نہ ہو سکے تو پھر زید کے قول کا اعتبار

ہوگا طلاق کا فتویٰ نہیں دیا جا سکتا۔

بہر حال وقوع طلاق کی صورت میں عدت (تین حیض) اور پوری مہر اور عدت کا نان ونفقہ زید کے ذمہ لازم ہوگا المعتدة عن الطلاق تستحق النفقة والسكنى كان الطلاق رجعيًا او بائنًا او ثلاثًا حاملًا كانت المرأة او لم تكن كذا فى فتاوى قاضيخان عالمگيرى (۱)(ج۱ص۵۵۷)رجل تزوّج المرأة نكاحاً جائزًا فطلقها بعد الدخول او بعد الخلوة الصحيحة كان عليها العدة كذا فى فتاوى قاضيخان عالمگيرى (۲)(ج۱ص۵۲۶) والمهر يتأكد باحد معان ثلاثة الدخول والخلوة الصحيحة وموت احد الزوجين الخ (عالمگیری ج۱ص۳۵۳)(۳) لزم المسمّٰى بالدخول او موت احدهما ونصف بالطلاق قبل الدخول والخلوة الصحيحة (ملتقی الابحر ص۳۴۶) آٹھ دس مہینہ یا جتنی بھی مدت تک ہندہ میکے رہی اس کا نان ونفقہ زید پر واجب نہیں كذا فى ملتقى الابحر ولا تجب نفقة مدة مضت الا ان تكون قضى بها او تراضيا على مقدارها الخ (ج۱ص۴۹۱)(۴) زید کو چاہئے تھا کہ طلاق کی خبر بیوی کو کر دیتا لیکن اگر اس نے خبر نہیں کی تو اس کی وجہ سے وقوع طلاق میں کوئی فرق نہیں پڑا اطلاع کرے یا نہ کرے بہر صورت طلاق دینے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے اب ہندہ کے ذمہ لازم ہے کہ وہ زید سے قطع تعلق کر لے اور علیحدہ ہو جائے زید نے جتنی طلاق دی ہے وہ واقع ہو گئی۔

دلائل:

(۱) (الفتاویٰ الهندية ص: ٦٠٥ ج: ۱، زکریا).

(۲) (الفتاویٰ الهندية ص: ٥٧٩ ج: ۱، زکریا).

(۳) (الفتاویٰ الهندية ص: ٣٧٠ ج: ۱) زکریا.

(۴) ملتقى الأبحر ص: ۳۰۱ ج: ۱، باب النفقة مؤسسة الرسالة.

مجمع الأنهر ص: ۱۸۳/ ج: ۲. فقيه الأمت ديوبند.

والدین کے کہنے پر طلاق کا حکم

سوال: میرے گھر میں والدین اور میرے سسرال والوں سے اختلاف ہونے کی وجہ سے والدین کی آواز ہے کہ اپنی بیوی کو طلاق دے دو، اب لڑکا کیا کرے؟

الجواب:

نکاح اس لئے نہیں کیا جاتا کہ اس کو توڑا جائے بلکہ اس کا مقصد باہم محبت ومودت کے ساتھ اطمینان وسکون کی زندگی گذارنا ہے ارشاد ربانی ہے: خلق لکم من أنفسكم أزواجًا لتسكنوا إليها وجعل بينكم مؤدة ورحمة (۲) اسی وجہ سے اسلام نہ تو طلاق کو پسند کرتا ہے اور نہ طلاق دینے والے کی حوصلہ افزائی کرتا ہے بلکہ اس کو ابغض المباحات قرار دیتا ہے لیکن بعض مرتبہ مزاج کی ناموافقت کی وجہ

سے حالات ناسازگار ہوجاتے ہیں اور بظاہر نباہ مشکل ہونے لگتا ہے ایسے نازک وقت میں تعلقِ ازدواجیت کو شکست وریخت سے بچانے کے لئے اور باہمی غلط فہمیاں دور کر کے تعلقات کو استوار کرنے کے لئے شوہر کو ہدایت دی گئی ہے **والتی تخافون نشوزھن فعظوھن واھجروھن فی المضاجع واضربوھن فان اطعنکم فلا تبغوا علیھن سبیلا.** (۲) لیکن اگر میاں بیوی کے تعلقات خوشگوار ہوں اختلاف وکشیدگی اوپروالوں میں ہوتو حتی الامکان کشیدگی کوختم کرنے والی تدابیراختیار کی جائیں اور مخالفت کو موافقت سے بدلنے کی سعی بلیغ کی جائے بلاوجہ کسی عورت کو پریشانی میں مبتلا کرنا اوراس کی زندگی سے کھیلنا انسانیت وہمدردی کے خلاف ہے الا یہ کہ خود عورت میں کوئی ایسی برائی ہو جو باعث نفرت یا خلاف شرع ہوتو امرآخر ہے لیکن یہاں پر وہ بات بھی نہیں ہے لہٰذا والدین کو ذی اثر وباحیثیت لوگوں کے ذریعہ سمجھانے کی کوشش کریں اگر مجبوراً طلاق ہی کی نوبت آجائے تو پھر ایسی صورت میں صرف ایک طلاق دیں اور ایسے وقت میں دیں جب عورت ایامِ حیض سے نکل کرایامِ طہر میں داخل ہوگئی ہو اوراس طہر میں ہمبستری کی نوبت نہ آئی ہو۔(ہدایہ)(۳)

دلائل:

(۱) (سورة الروم رقم الآية: ۲۱).

(۲) (سورة النساء رقم الآية: ۳۴).

عن ابن عمر رضی الله عنهما قال: كانت تحتی امرأة احبها

وکـان أبـی یـکـر هها فأمرنی أن أطقها فأبیت فذکرت ذلک لـلـنبـی صلی الله علیه وسلم فقال: یـا عبـد الله بن عمر طلق امــرء تکـ. (ســنــن الـتـرمـذی ص: ۳۲۶ ج: ۱۳. مـرکـز الشیخ).

(۴) لما أمر عمر رضی الله عنه ابنه عبد الله بطلاق زوجته لم یکن طـلاقهـا واجبـاً عـلیـه، فـلـما أمره النبی صلی الله علیه وسلم بـطـلاقهـا وجـب عـلیــه الـطلاق. (بذل المجهود ص: ۵۲۶ ج: ۱۳ مرکز الشیخ).

(۵) عن جمارب قال: قـال رسـول الله صلی الله علیه وسلم: ما أحـل الـلـه شیـئـا أبـغضه إلیه من الطلاق. وفی روایة: أبغض الـحـلال إلـی الـله الطلاق. (سنن أبی داؤد ص: ۲۹۶ ج: ۱. بلال).

باب النسب

جن کے حمل سے مولود بچہ کس کی طرف منسوب ہوگا؟

سوال: کسی جنات کو زید کی لڑکی خالدہ غیر منکوحہ سے معاشقہ ہوگیا اور معاملہ یہاں تک ہوا کہ اس کے حمل سے ولادت ہوئی اور خالدہ اس کا اقرار کر رہی ہے تو کیا لڑکا جنات کی طرف منسوب ہوگا یا انسان کی جانب۔

سوال: دوسری بات قابل دریافت یہ ہے کہ جن وانس میں شادی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) لڑکا انسان یعنی ماں کی طرف منسوب ہوگا جنات کی طرف نہیں چونکہ اختلاف جنس کی وجہ سے جنات حیوانات کی طرح ہے اور اگر کسی حیوان سے حمل ٹھہر جائے اور ولادت ہو تو اس کی نسبت انسان کی طرف ہوتی ہے حیوان کی طرف نہیں **لكنه نقل بعده عن شرح الملتقى عن زواهر الجواهر الاصح انه لايصح نكاح آدمى جنية لعكسه لاختلاف الجنس فكانوا كبقية الحيوانات** ردالمحتار ج۴ ص۴۵۶ کتاب النکاح (۱)

(۲) جائز نہیں (**كذا فى الاشباه والنظائر** س۳۴۷) **فمنها النكاح قال فى السراجية لا تجوز المناكحة بين بنى آدم والجن وانسان الماء لاختلاف الجنس انتهى وتبعه فى منية المفتى والفيض**

الـخ وقـد استـدل بـعـضهم عن تحريم نكاح الجنيات لقوله تعالٰی فی سورة النحل والله جعل لكم من انفسكم ازواجًا من جنسكم ونوعكم وعلى خلقكم الخ وهكذا فی الدر المختار ج۲ص۲۵۶۔

دلائل:

(۱) شامی ص: ۴۰ ج:۴. اشرفیه.

لا يـصـحّ العقد على ما ليس من جنس الإنسان كانسانه الماء مثـلا فـإنّهـا كـالبهـائـم. (الـفقه على المذاهب الاربعة ص: ۹ ج:۴) سلمان عثمان اینڈ کمپنی.

خرج بكلمة "المرأة": الـذكـر.... وخرج بقوله مالم يمنع مـن نـكـاحهـا مـانع شرعیّ" المرأة الوثنيّة والمحرم والجنيّة وإنسـان الماء لاختلاف الجنس، لأنّ قوله تعالى "واللّٰه جعل لـكـم مـن أنفسكم أزواجاً " أوضـح الـمـراد مـن قـوله تعالیٰ "فـانـكـحـوا مـاطاب لكم ""الـخ. (الـفـقـه الاسلامی وأدلتـه ص: ۶۵۱۴ ج: ۹) دار الفكر المعاصر.

وكـذا فـی سـكـب الأنهـر عـلـى هـامـش مجمع الأنهـر ص: ۴۷۶/ج: ۱. فقيه الامت.

باب النفقات

نفقہ مطلقہ کب واجب ہے کب نہیں؟

سوال : (ا) کیا مطلقہ عورت عدت کے بعد نفقہ کی حقدار ہے اور غیر محدود گذارہ اس کا قانونی حق ہے؟

(۲) نان ونفقہ کی ذمہ داری کن وجوہ سے عائد ہوتی ہے اور اس کی شرعی مدت کیا ہے؟

(۳) اگر مطلقہ عدت کے بعد نان ونفقہ کی مستحق نہیں تو اس کے گذر بسر کا انتظام کیسے ہوگا جو مجبور یا محتاج ہو؟

(۴) رشتہ داروں پر ذمہ داری ڈالی گئی ہے اگر وہ پوری نہ کریں تو مجبور عورت کی گذر بسر کیسے ہوگی؟

(۵) متاع کا جو حکم دیا گیا ہے تو متاع کیا ہے؟ کیا اس کی مقدار مقرر ہے؟

(٦) اگر کوئی عدالت کوئی بڑی رقم واجب کر دے تو کہاں تک شریعت میں قابلِ قبول ہے؟

الجواب:

(ا-۲) شادی کے بعد عورت کی وہ آزادی جو اس سے پہلے تھی ختم ہو جاتی ہے اس کو قیم وقوام کی ماتحتی مان کر زندگی گذارنی پڑتی ہے، اگر کہیں جانا ہو تو شوہر کی

اجازت ضروری ہے، اگر شوہر نے منع کیا پھر بھی چلی گئی تو وہ ناشزہ (نافرمان) کہلائے گی، بغیر شوہر کی اجازت کے کسی مہمان کو اپنے شوہر کے کمرہ میں نہیں رکھ سکتی۔ شوہر کی خدمت واطاعت لازم ہوجاتی ہے، امور خانہ کی انجام دہی شوہر کے مال وسامان کی حفاظت اس کے فرائض میں داخل ہوجاتی ہے۔ غرضیکہ شادی کے بعد کچھ ایسی پابندیاں بیوی پر عائد ہوجاتی ہیں جس کی وجہ سے بیوی شوہر کے حق میں بالکل محبوس (مقید) ہوجاتی ہے، اسی وجہ سے شریعت کا یہ قانون ہے کہ بیوی کے نان ونفقہ (طعام، سکنیٰ، کسوہ) کا وہ انتظام کرے اور اس کی ضروریات کی کفالت کرے، **تجب للزوجة (يعنى النفقه) على زوجها لانها جزاء الاحتباس** (درمختار ج۲ص۴۴۴)(۱) جیسے مفتی، قاضی وغیرہما کی تنخواہ بیت المال سے دی جائے گی اسی لئے کہ یہ حضرات بھی اپنے اوقات کو مسلمانوں کے مصالح کے حق میں محبوس کردیتے ہیں، **كمفتٍ وقاض ووصّى قوله كمفت وقاض اى ووالٍ فلهم قدر ما يكفيهم ويكفى من تلزمهم نفقتهم من بيت المال لاحتباسهم فى مصلحة المسلمين اه** (ردالمحتار ج۲ص۴۴۴)(۲)

اور یہ نفقہ (طعام، کسوہ، سکنیٰ) اسی وقت تک لازم رہے گا جب تک احتباس باقی ہو اور احتباس کے ختم ہونے پر نفقہ کا لزوم بھی ختم ہوجائے گا جیسے قاضی ومفتی اپنے احتباس بحق مصالح المسلمین کو ختم کردیں تو اس کا معاوضہ بھی ختم ہوجاتا ہے، یا ملازم کی ملازمت ختم ہوجائے خواہ کسی بھی وجہ سے تو اس کا معاوضہ بھی ختم ہوجاتا ہے وہ معاوضہ

کا مستحق نہیں ہوتا لہٰذا جس طرح ملازمت کے ختم ہونے کے بعد بھی مالک سے معاوضہ واجرت مانگنے والے کو عقل سے پیدل کہا جائے گا اسی طرح وہ عورت جو کسی سبب سے نفقہ کو ختم کردے اس کے باوجود کوئی نفقہ لازم وضروری قرار دے وہ بھی عقل سے پیدل سمجھا جائے گا۔

الحاصل اسلامی قانون میں احتباس کے ختم ہونے کے بعد اس کا کوئی نفقہ شوہر پر لازم نہیں، گو خانہ ساز قانون اجازت دے تو دے لیکن اسلامی قانون میں اس کی اجازت نہیں۔

(۳-۴) مجبوری محتاجی کا سوال جس طرح عورت کے بارے میں پیدا ہوتا ہے اسی طرح مرد کے بارے میں بھی تو ہے کہ اگر مرد محتاج ومجبور ہو تو ایسی صورت میں اس کا کیا ہوگا؟ مثلاً شوہر خوشحال تھا اس کی دوکان جل گئی یا لٹ گئی جس کی وجہ سے وہ نانِ شبینہ کا محتاج ہوگیا اور اس مجبوری میں اس کو طلاق دینا پڑا یا مفلوج ہوگیا یا نابینا ہوگیا ان صورتوں میں آخر شوہر کے ضروری اخراجات کا کون ذمہ دار ہوگا۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ شوہر محنت مزدوری کرسکتا ہے، بیوی مزدوری نہیں کرسکتی تو یہ غلط ہے اس لئے کہ عورتوں کے لئے بھی بہت سے کام ہیں اگر وہ کرنا چاہیں، مثلاً کسی کے گھر جاکر روٹی پکادیا کریں، غلہ بنادیا کریں، دودھ پلادیا کریں، بہت سے لوگ اس کے لئے پریشان رہتے ہیں کہ کوئی روٹی پکانے والی ملے۔ لیکن اس کام کے لئے ایک عورت بھی نہیں ملتی۔ یہاں ایک سوال یہ ہے کہ اس سے اہم مسئلہ تو اس کے جنسی خواہشات کی

تسکین و تکمیل کا ہے لیکن اس کو موضوع بحث نہ بنا کر صرف اس کی ضروریات واخراجات کوموضوع بحث بنانا چہ معنی دارد۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی لڑکی جوان ہو پھر وہ مطلقہ ہوجائے اور پھر جرائم کا ارتکاب کرے اور فواحش کے اڈے قائم کرے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں؟

بہر حال مطلقہ عورت کے گذر بسر کی بہت سی صورتیں ہیں:

۱- اس کی دوسری شادی کا نظم کیا جائے اور مناسب جگہ رشتہ کردیا جائے، لیکن اس کے لئے پہلے عوام کے ذہنوں کو بنانا ہوگا، بیوہ سے شادی چونکہ عرف میں معیوب ہے اس لئے ذہنوں کو پہلے صاف کرنا ہوگا۔ جس طرح غالباً حضرت نانوتوی نور اللہ مرقدہ نے اس کے فضائل کو بتلا کر لوگوں کو اس کی ترغیب دی اور بہت سی بیواؤں کی شادی کرادی، بہر حال اس کے لئے حضرات علماء کو متحرک ہونا پڑے گا۔

۲- کسی کے گھر روٹی پکانے یا کسی اور کام کی ملازمت کرے، لیکن اس کے لئے ہر شہر میں ایک آدمی مقرر ہو مطلقہ عورتیں اپنا نام وہاں درج کرادیں۔ اور وہ پھر اس کا اشتہار دیدے کہ اگر کسی صحاب کو گھریلو کام کاج کے لئے کسی عورت کی ضرورت ہوتو وہ فلاں پتہ پر آکر ملاقات کریں۔

۳- دستکاری سیکھ لے، (مثلاً کپڑا سلنا، سوئیٹر بننا، سوت کاتنا وغیرہ) یا عورتوں کی ضروریات کی چیز مثلاً کپڑا، تیل، صابن، چوڑی وغیرہ گھر میں رکھ لے اور یہ سب سامان دوکان کی حیثیت سے ہو اور پردہ کے ساتھ گھروں میں جا کر تجارت

کریں۔ مردوں کے مقابلہ میں ان کی تجارت کامیاب ہوگی۔ اس لئے کہ عورتوں کا عورتوں کی طرف طبعاً میلان زیادہ ہوتا ہے، اور عورتیں بات بنانا بھی خوب جانتی ہیں اور جب عورتوں کو معلوم ہو جائے گا کہ بیوہ ہے ان کا ذریعہ صرف یہی ہے تو ان سے سامان خریدنے کو یقیناً ترجیح دیں گی۔

۴- اور اگر پڑھی لکھی ہوں تو کسی مدرسۃ البنات میں ان کو جگہ دلوائی جائے نہیں تو اپنے گھر بیٹھ کر بچوں اور بچیوں کو پڑھائے اور اہل قریہ یا اہل محلّہ ان کی تنخواہ مقرر کردیں اس طرح بچیوں کی تعلیم کا بھی انتظام ہو جائے گا اور ان بیواؤں کے گذر بسر کا بھی انتظام ہو جائے گا۔

۵- اور اگر مذکورہ بالا چار کاموں میں سے کسی ایک کام کی بھی صلاحیت نہ ہو تو پھر اگر اس کے لڑکے ہوں تو مطلقہ ماں کی کفالت کریں کیونکہ شرعاً بھی نفقہ ان پر واجب ہے۔

٦- اور اگر لڑکے نہ ہوں تو ایسی صورت میں اس کے قریبی رشتہ داروں کی ذمہ داری ہے کہ اس کے اخراجات کا انتظام کریں۔

۷- اور اگر اس کے رشتہ دار اس کے اہل نہ ہوں وہ اس کا انتظام نہ کر سکتے ہوں تو پھر عوام کو اس کی طرح متوجہ کیا جائے وہ چندہ کرکے یا صدقات واجبہ یا نافلہ کے ذریعہ اس کے اخراجات کا انتظام کریں، لیکن یہ سب سے آخری صورت ہے جس کو بدرجہ مجبوری اختیار کیا جائے ورنہ مطلقہ عورتیں چاہیں گی کہ مفت میں گھر بیٹھے وظیفہ

ملا کرے۔

بہر حال اخراجات کو پورا کرنے کی بہت سی صورتیں ہیں لیکن مطلقہ اگر جوان ہے تو اس کے جنسی خواہشات کی تسکین کے لئے سوائے پہلی صورت کے کوئی دوسری صورت نہیں حکومت کو اس پر زیادہ توجہ دینی چاہئے لیکن نہ معلوم اس سے صرفِ نظر کیوں کیا گیا؟

(۵) متاع کے معنی وقتی نفع اور فائدہ پہونچانے کے ہیں اور اس کا مقصد صرف تطییب خاطر و دلجوئی ہے، جس طرح مہمان کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے کہ جب وہ جانے لگے تو اس کو زادِ راہ (راستہ کا توشہ) دیدیا جائے تا کہ سفر میں کم از کم چوبیس گھنٹے تک اس کو کام دے۔ ''وجائزته یوم ولیلة'' اسی طرح مطلقہ جب رخصت ہو کر جانے لگے تو شوہر کو چاہئے کہ اس کو تین کپڑا دے دے۔ ۱- کرتا۔ ۲- اوڑھنی۔ ۳- چادر (۳) ''والمتعة ثلاثة اثواب من کسوة مثلها وهی درع وخمار وملحفة'' (ہدایہ ج ۲ ص ۳۰۵) اور صرف تین ہی کپڑوں میں اکثر گھروں سے نکلتی ہیں۔ (عنایہ) (۴) لان المرأة تصلی فی ثلاثة اثواب وتخرج فیها عادة فتکون متعتها کذالک الحاصل متعہ نصف مہر مثل سے زیادہ نہ ہو اور پانچ درہم سے کم نہ ہو هِیَ لا تزاد علی مهر مثلها ولا تنقص عن خمسة دراهم (زیلعی ج ۲ ص ۴۰) (۵) اور یہ تقدیر یعنی متعہ سے مراد کپڑے ہی ہیں سونا چاندی وغیرہ نہیں اور وہ تین ہی ہیں حضرت عائشہؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے

منقول ہے: ”کما صرح به صاحب الهدایه وهذا التقدیر مروی عن عائشة وابن عباس (رضی الله عنهما) الخ“(ہدایہ ج۲ص۳۰۵)(۶)

اخیر میں بطور تتمہ کے عرض ہے کہ متعہ واجب بھی ہے اور مستحب بھی لیکن اس کی تعیین سے پہلے اجمالاً طلاق کی قسموں کا تذکرہ ضروری ہے، طلاق کی باعتبار خلوت صحیحہ ومہر کے چار قسمیں ہیں۔

۱-صحبت یا خلوت صحیحہ کے بعد طلاق دی گئی ہو اور مہر مقرر ہو۔

۲-صحبت یا خلوتِ صحیحہ کے بعد طلاق دی گئی ہو اور مہر مقرر نہ ہو۔

۳-صحبت یا خلوتِ صحیحہ کے پہلے طلاق دی گئی ہو اور مہر مقرر ہو۔

۴-صحبت یا خلوتِ صحیحہ کے پہلے طلاق دی گئی ہو اور مہر مقرر نہ ہو۔

صورتِ اولیٰ میں پورے مہر کی ادائیگی ضروری ہے اور نص قطعی قرآن کی آیت سے ثابت ہے: وَ اُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ؕ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً. (پ۵سورہ نساء)

صورتِ ثانیہ میں مہر مثل واجب ہوگا اور یہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ایک فیصلہ سے ثابت ہے جس کو علامہ زیلعی نے تفصیل سے نقل کیا ہے تبیین الحقائق جلد دوم ص۱۴۰۔

صورتِ ثالثہ میں نصف مہر دیا جائے گا۔ اور یہ بھی نصِ قطعی سے ثابت ہے:

وَ اِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَ قَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ الأية.

صورتِ رابعہ میں صرف متعہ دیا جائے گا: لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ا وَّ مَتِّعُوْهُنَّ ا عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَ عَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ا مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ کا مصداق یہی صورت ہے۔

ان صورِ اربعہ میں سے صورتِ اولیٰ وثانیہ وثالثہ میں متعہ مستحب ہے۔ اگر کوئی شخص دیدے تو اچھا ہے اور اگر نہ دے تو گنہگار نہیں ہوگا اور صورتِ رابعہ میں متعہ واجب ہے چنانچہ علامہ زیلعی فرماتے ہیں وھذہ المتعة واجبة (بعض ائمہ مثلاً حضرت امام مالک اور فقیہ ابواللیث اور ابن ابی لیلیٰ کے نزدیک اس صورت میں بھی متعہ مستحب ہے)۔ (زیلعی ج ۲ ص ۱۴)

چونکہ صورتِ اولیٰ وثانیہ وثالثہ میں مہر عورت کو ملتا ہے۔ چاہے مہرِ مثل ہو یا مفروض (مقرر کردہ) مہر) پوری ہو یا نصف، بخلاف صورتِ رابعہ کے اس میں مہر بالکل نہیں اسی وجہ سے متعہ واجب ہے۔

(٦) اگر کوئی عدالت بڑی رقم واجب کردے تو شوہر کو اختیار ہوگا کہ اپنی وسعت کے مطابق وہ خوشی سے قبول کرلے راضی ہو تو کوئی مضائقہ نہیں البتہ اس صورت میں کسی کو واجب کرنے کا اختیار نہیں اور اگر شوہر قبول نہ کرے، راضی نہ ہو تو

زبردستی قبول نہیں کرایا جاسکتا۔

جب حضرات فقہاء نے اس کی تصریح کردی **لا تزاد علی نصف مهر مثلها ولا تنقص عن خمسة دراهم** پھراتنی رقم واجب کرنا جونصفِ مہرِ مثل سے زیادہ ہوظلم ہوگا اورایسی رقم کا استعمال عورت کے لئے جائز نہ ہوگا لقولہ علیہ السلام "**لا يحل مال امرءٍ الا بطيب نفسهٖ**" (۷)اس لئے جب قانونی طور پر وصول کیا جائے گا تو یقیناً رضاء ورغبت اس میں بالکل نہ ہوگی اور ناجائز کام کو کرنے والا جس طرح گنہگار ہوگا اسی طرح تعاون کرنے والے بھی گنہگار ہونگے ،**فلذالک قال الله تعالٰی ولا تعاونوا على الاثم والعدوان** حکومت وعدالت کو بڑی رقم واجب کرنے کا کوئی حق نہیں اگرواجب کرتی ہےتو یہ ظلم ہے۔

دلائل:

(۱) (شامی ص:۵۷۲ ج:۳) کراچی.

(۲) (شامی ص:۵۷۲۳ ج:۳) کراچی.

(۳) هدايه ص:۲۳۸ ج:۲. اشرفی بک ڈپو دیوبند.

(۴) العناية على هامش الهداية ص:۳۲۵ ج:۲. اشرفی بک ڈپو.

(۵) تبيين الحقائق ص:۱۴۰ ج:۲) امداديه ملتان.

(۶) هدايه ص:۳۲۵ ج:۲.

(۷) عن أبى حرة الرقاشى رضى الله عنه عن النبى صلى الله عليه

وسلم: لا يحل مال امرءٍ مسلمٍ إلا عن طيب نفسه. (سنن الدار قطنى ص:۲۲ ج:۳. رقم الحديث: ۲۸۶۳). دار الإيمان سهارنپور.

باب العدة

عورت عدت کہاں گذارے؟

سوال: ایک شخص کی بیوی میکے میں ہے اسی حالت میں کسی مدرسہ کے طالب علم نے اس کے پاس رقعہ بھیجا اتفاق سے اس کا باپ آیا اور رقعہ اس کے ہاتھ میں دیکھ لیا اور رقعہ اس کے ہاتھ سے لے لیا اور پوچھنے پر وہ بولی کہ معلوم ہوتا ہے کہ محبت نامہ ہے بس فوراً وہ مدرسہ میں آئے اور اس لڑکے کو مارا اور مدرسہ سے اخراج کرا دیا یہ بات قرب وجوار میں عام ہوگئی اس کے بعد شوہر کو یہ بات بطور خبر متواتر کے معلوم ہوئی تو اس نے اس کو طلاق بائن دے دیا آیا شوہر پر نفقہ واجب ہے یا نہیں اگر واجب ہے تو یہ بھی بتلائیں کہ عورت جتنا مانگ رہی ہے اتنا دیا جائے یا اس گاؤں میں جتنا نفقہ عدت مقرر ہے اتنا دیا جائے گا گاؤں میں تو کم وبیش ساٹھ یا ستر مقرر ہے اور اس کی مانگ ہے دو ہزار کی کیا دو ہزار کی مستحق بن سکتی ہے پھر شوہر پردیسی ہے شوہر کے گھر والے یہ کہہ رہے ہیں کہ تم ہمارے گھر آ کر عدت گذارو تمہیں مکان اور روٹی کپڑا پورے عدل وانصاف کے ساتھ دیں گے اس پر بھی وہ تیار نہیں ہے صرف یہی کہہ رہی ہے کہ ہم دو ہزار سے کم نہیں لیں گے۔

الجواب:

صورت مسئولہ میں جب طلاق بائن دے دیا تو شوہر کے ذمہ نفقہ واجب ہے کذافی عالمگیری ج اص ۵۵۷ **المعتدة عن الطلاق تستحق النفقة والسكنى كان الطلاق رجعيًا او بائنا** معتدہ کا نفقہ وہی ہے جو بقاء نکاح کے وقت شوہر کے ذمہ لازم ہوا کرتا ہے یعنی اگر نکاح قائم ہوتا تو جو نفقہ ہر مہینہ شوہر ادا کرتا اتنی ہی مقدار نکاح ختم ہو جانے کے بعد عدت گذارنے کی صورت میں شوہر ادا کرے گا۔ (کذافی عالمگیری ج اص ۵۵۸) (۱)

ويعتبر في هذه النفقة ما يكفيها وهو الوسط من الكفاية وهي غير مقدرة لان هذه النفقة نظير لنفقة النكاح فيعتبر فيها ما يعتبر في نفقة النكاح الخ (۲)

اور نفقہ نکاح میں مفتی بہ قول اوسط کا ہے خواہ شوہر معسر ہو اور بیوی موسر یا شوہر موسر ہو اور بیوی معسر اور اوسط کی مقدار اس جگہ کے نرخ اور گرانی کے اعتبار سے مقرر ہو سکتی ہے مثلاً اگر ادنیٰ درجہ کا نفقہ پچاس روپیہ ماہوار کا ہے اور اعلیٰ درجہ کا نفقہ سو روپیہ کا ہے تو اوسط پچھتر روپیہ ماہوار ہوگا۔ (کذا فی الدر المختار مع رد المحتار ج ۲ ص ۶۴۵) (۳)

تستحق النفقة بقدر حالهما به يفتى الخ في رد المحتار قال في البحر واتفقوا على وجوب نفقة الموسرين اذا كانا موسرين وعلى

نفقة المعسرين اذا كان معسرين وانما الاختلاف فيما اذا كان احدهما موسرا والاخر معسرا فعلى ظاهرا الرواية الاعتبار لحال الرجل فان كان موسرًا وهى معسرة فعليه نفقة الموسرين وفى عكسه نفقة المعسرين اما على المفتى به فتجب نفقة الوسط فى المسألتين وهو فوق نفقة المعسرة ودون نفقة الموسرة الخ.

حاصل کلام یہ ہے کہ نفقہ معتدہ کے سلسلے میں اوسط کا قول مفتی بہ ہے اور یہی قابل عمل ہے بہتر صورت یہ ہے کہ باہمی مصالحت اور متدین حضرات کے مشورہ سے کوئی مقدار مقرر کرلیں باقی رہا عورت کا مطالبہ کہ دو ہزار دو تو اس کے مطالبہ کی وہ مستحق نہیں ہے وہ صرف عدت کا نفقہ طلب کر سکتی ہے اور شوہر کے ذمہ اوسط نفقہ واجب ہے یہاں ایک دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ عورت عدت کہاں گذارے اس بارے میں تمام فقہاء اس پر متفق ہیں کہ فرقت سے پہلے عورت جہاں رہتی تھی اسی گھر میں عدت گذارنا واجب ہے۔ بحر الرائق میں ہے وتعتد فى بيت وجبت فيه العدة الا ان تخرج او ينهدم اى معتدة الطلاق والموت تعتد ان فى المنزل المضاف اليهما بالسكنٰى وقت الطلاق والموت ولا تخرجان منه الا بضرورة لما تلونا من الآية والبيت المضاف اليهما فى الآية ما تسكن كما قدمنا الى ان قال .... ولهذا قلنا لو زارت اهلها فطلقها زوجها كان عليها ان تعود الى منزلها وتعتد فيه (ج۴ ص ۱۶۷) اور بالکل اسی

طرح درمختار اور شامی میں بھی ہے۔(۴)

عبارت بالا سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عورت اگر اپنے میکے ہو اور شوہر نے طلاق دے دیا اس پر واجب ہے کہ فوراً اپنے گھر آ کر عدت گذارے صورت مسئولہ میں چونکہ بمطابقِ حکمِ شارع عورت اپنے گھر نہیں آئی اور حق زوج اور حق شرع دونوں اس نے فوت کیا اس لئے وہ ناشزہ ہے اور ناشزہ کو نفقہ نہیں ملا کرتا (کما صرح فی البحر ج۴)(۵) لانها ناشزة بالجر عطف على الزوجة اى لا تجب النفقة للناشزة وهى فى اللغة العاصية على الزوج الى ان قال وفى الشرح كما قال الامام الخصاف الخارجة عن منزل زوجها المانعة نفسها منه والمراد بالخروج كونها فى غير منزله بغير اذنه ص۱۷۹ صورت مسئولہ میں عورت نفقہ کی بالکل مستحق نہیں ہے جب تک کہ اپنے گھر یعنی شوہر کے گھر آ کر عدت نہ گذارے۔

دلائل:

(۱) (الفتاویٰ الهندية ص:۶۰۵ ج:۱) زكريا.

(۲) الفتاویٰ الهندية ص:۶۰۶/ج:۱. زكريا ص:۵۵۸/ج:۱. رشيدية.

(۳) شامی س:۵۷۴ ج:۳. باب النفقة کراچی.

(۴) البحر الرائق ص:۱۵۴ ج:۴. سعيد. باب العدة.

(۵) البحر الرائق ص:۱۷۹ ج:۴. سعيد.